مکتوباتِ نبوی

اُردو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی خطوط،
بین الاقوامی سیاسی معاہدات
تشریعی فرامین اور آبادکاری کے احکام کا عظیم الشان ذخیرہ

مولانا سید محبوب رِضوی

نذیر سنز پبلشرز
۴۰ اے۔ اُردو بازار۔ لاہور

پبلشرز — نذیر حسین

نذیریہ سنز پبلشرز ۴۰/ اے اردو بازار لاہور

مطبع — وامطبع اسلامی سعودی، لاہور

قیمت — ۱۵/۰ روپے

بار اوّل — اکتوبر ۱۹۷۸ء

مندرجات

●●

نذرِ عقیدت

جی چاہتا ہے کہ اِن اوراق کو بارگاہِ اقدس میں پیش کروں، دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نسبتِ غلامی رکھنے والے ایک گنہگار اُمتی کا یہ نذرانۂ عقیدت ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ اپنے پاس ہے کیا؟ جو نذر پیش کرنے کی جرأت کی جائے۔

اِن اوراق میں جو کچھ ہے وہ سب اسی ذاتِ اقدس کی تجلیات ہیں!

ایں تجلی ہائے ذاتِ مصطفیٰؐ ست

گدائے بے نوا:

سیّد محبُوب رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح صحابۂ کرامؓ کو جو بارگاہِ رسالت میں حاضری کا شرف حاصل کر سکے اپنے ارشادات سے نوازا، اسی طرح اُن لوگوں تک بھی اپنے پیغامات پہنچائے جو حاضری کے شرف سے محروم رہے، ان پیغامات کے مقدس دامنوں میں جس طرح اسلام کی دعوت کے لعل و جواہر ٹکے ہوئے ہیں، اسی طرح ان کی شکنوں میں گرانقدر نصائح، سیاسی نکات اور اصولِ جہاں بانی و حکمرانی کے بیش بہا موتی گندھے ہوئے ہیں۔

مکتوباتِ نبوی ان تمام خطوط اور معاہدوں کا مجموعہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں اور عرب کے قبائلی کے سرداروں کے نام ہجرت کے بعد تحریر فرمائے، بارگاہ نبوت کی ایسی تمام تحریروں کو ایک جگہ جمع کر کے ان بیش بہا منتشر موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے، اور اب یہ خطوط اور معاہدے ایک شیرازہ بند کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، ان خطوط اور معاہدوں سے آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کس طرح کا ذہنی، فکری اور عملی انقلاب برپا کیا، اور انسانیت کے لئے کیسے زریں اصول وضع فرمائے، تمدن اور معاشرت کو کن راہوں پر

ڈالا اور انسانیت کے فطری تقاضوں کی کس حد تک تکمیل فرمائی۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی سب سے زیادہ پسماندہ قوم کو علمی، روحانی، اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے زیادہ سے زیادہ مہذب، شائستہ، تقویٰ شعار اور برگزیدہ بنا دیا اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جس میں خدا پرستی و حقوق شناسی، تقویٰ و پرہیزگاری اور نیکی و ہمدردی کے جملہ اوصافِ حسنہ بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔

دس لاکھ مربع میل کے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی عرب قوم جو دنیا کی بہت ہی پسماندہ قوم تھی اور ہزاروں برس گزر جانے کے باوجود اُن کا قبائلی نظام کسی باقاعدہ سلطنت میں تبدیل نہ ہو سکا تھا مگر حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد وہی قوم ایک ملّتِ واحدہ بن گئی، وہ عرب کے تپتے ہوئے ریگزاروں سے اٹھے اور ایک صدی سے بھی کم مدت میں تہذیب و تمدن سے آراستہ اُس ساری دنیا کے رہنما بن گئے جو روم و یونان اور ایران کی عظمتوں کی وارث تھی، نجد و حجاز میں شاعری و خطابت کرنے والوں نے جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر جب کوفہ، بصرہ، بغداد، قاہرہ، غرناطہ اور قرطبہ کے شہر آباد کئے تو ان شہروں میں دینی علوم کے علاوہ قانون، طب، فلکیات، فلسفہ اور منطق کی بڑی بڑی علمی مجلسیں آراستہ ہو گئیں، اور یونانی علوم کا وہ چمن جو خزاں رسیدہ ہو گیا تھا از سرِ نو زندگی پا کر سرسبز و شاداب بن گیا اور وہی پھر آگے چل کر موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے عالم وجود میں آنے کا ذریعہ بنا، اس وقت دنیا میں کوئی قوم ایسی نہ تھی جو ان کی ہم سری کا دعویٰ کر سکتی۔

اس کے قربان، جس نے اَن پڑھ وحشیوں کو کر دیا
رشکِ بقراط و فلاطوں، غیرتِ صد جبرئیل!

چشمِ فلک نے یہ حیرت انگیز انقلاب ایک اور صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے، چنانچہ ان حیرت انگیز تغیّرات کا اعتراف اسلام کے انتہائی مخالفین نے بھی کیا ہے، جس کی تفصیل کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف مسلمانوں کے تحفظ کے لئے بلکہ عالمگیر اور ہمہ گیر امن کے لئے ایسے معاہدات کئے جن میں ہر شخص کو رائے اور ضمیر کی مکمل آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع دیا گیا ہے، اس طرح سیرتِ مقدسہ کا یہ پہلو جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے واضح اور نمایاں ہو کر سامنے آ گیا ہے اور پوری دنیا کے لئے رہنما اصول کا کام دیتا ہے۔

مکتوباتِ نبوی میں وہ سیاسی اور معاشرتی معاہدے بھی پیش کئے گئے ہیں جن کے ذریعے سے مدینہ منورہ ایک ایسے متحدہ مرکز میں تبدیل ہو گیا کہ چند سال کی قلیل ترین مدت میں نہ صرف دینی و روحانی بلکہ سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے بھی وہ دنیا کا سب سے بڑا صدر مقام بن گیا، اور بقول ایک فاضل مصنف "عہدِ نبوّت میں جس اسلامی اسٹیٹ کا آغاز ہوا تھا وہ روزانہ دو سو چوہتّر مربع میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی رہی اور دس سال کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو دس لاکھ سے زیادہ مربع میل کا رقبہ آپ کے زیرِ اقتدار آ چکا تھا، برصغیر کے تین ملکوں کے تقریباً برابر وسیع علاقے کی فتح میں دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو آدمی ہلاک ہوئے اور مسلمان فوج کا مشکل سے اس دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا۔ انسانی خون کی یہ عزت تاریخِ عالم میں بلاخوف تردید بے نظیر ہے۔"

مسلمانوں کی اس کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی تمامتر ذہنی اور فکری صلاحیتوں اور مادی ترقی کا سرچشمہ اسلام کو بنایا تھا، جتنا مضبوط یہ عقیدہ تھا اتنا ہی مضبوط مسلمانوں کا اس پر ایمان تھا اور جتنا مضبوط ایمان تھا اتنا ہی مضبوط ان کا عزم واستقلال تھا اور جتنا مضبوط عزم واستقلال تھا اتنی ہی مضبوط ان کی قوتِ عمل تھی اور جتنی مضبوط قوتِ عمل تھی اتنی ہی مضبوط ان کی قوتِ تسخیر تھی۔

اسلام کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہے، اس کو کسی فرد، جماعت قوم، قبیلہ یا نسل و وطن کے ساتھ خاص نسبت نہیں ہے، بلکہ یہ خداوند قدوس کا ہمہ گیر دین ہے جو اس نے بلا تفریق ملک وملت رنگ و نسل ہر غریب وامیر انسان کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی غرض سے بھیجا ہے، جو شخص احکام خداوندی کی اطاعت کرتا ہے اور اپنے رب کے احکام سے انحراف اور روگردانی نہیں کرتا وہی اللہ تعالیٰ کے یہاں فلاح وکامرانی سے ہم کنار ہوگا، اس کے برعکس جو اپنے خالق سے انحراف اور گریز کی راہ اختیار کرتا ہے اور اس کے احکام سے اعراض برتتا ہے وہ اپنے رب کی رحمت سے محروم رہے گا۔

ضرورت ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام کے عالم گیر نظریات سے روشناس کرایا جائے تاکہ ناواقفیت کے باعث اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو غلط فہمیاں اور نفرت پیدا کر دی گئی ہے وہ دور ہو سکے اور وہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ ان کے ہمسایہ ان کے لئے کتنے مفید اور کار آمد ہیں، اور یہ کہ اسلام ان کے لئے کتنی عظیم رحمت اور ذریعۂ فوز و فلاح ہے، کیونکہ اسلام کا سب سے بڑا مقصد انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر پوری انسانیت کو ایک ایسی برادری میں تبدیل کرنا ہے جو خداوند قدوس کے فرماں بردار، نیکوکار اور اخوت پسند بندوں پر مشتمل ہو۔

اسلام کا تصورِ انسانیت یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کے سوا کسی کا مطیع اور عبادت گزار نہ ہو، ہر شخص صرف اپنے خالق ہی کی ذات کو حقیقی معنی میں اپنا رب بنائے، اس لئے کہ کسی مخلوق کو اپنے خالق کے احکام کی خلاف ورزی کا حق نہیں ہے! انسان نے قوم، وطن اور رنگ و نسل اور زبان وغیرہ کے جو بہت سے بُت تراش لئے ہیں وہ انسانیت کو گمراہی، بدامنی اور تباہی کے راستے پر لئے جا رہے ہیں۔ اسلام بنی نوع انسان کو صرف خدا کے قانون کا پیرو بنا کر انسانیت کے وقار اور شرف کو بحال کر کے خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلانا چاہتا ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی یہ خصوصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ وہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمگیر پیام امن و آزادی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس پیغام کو نہ صرف مسلمانوں تک پہنچایا جائے بلکہ جو مسلمان نہیں ہیں ان کو بھی اس پیغام کی دعوت دی جائے، ان خطوط سے یہ بات نمایاں طور پر واضح ہوتی ہے کہ اسلام کو کس نہج سے غیر مسلموں کے سامنے پیش کرنا چاہئے اور غیر مسلموں سے مسلمانوں کے تعلقات و معاملات میں وہ کون سے امور ہیں جو بنیاد و اصول کا کام دے سکتے ہیں۔

اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا سب سے اچھا اور مؤثر طریقہ وہی ہے جو خدا کے آخری پیغمبر نے اختیار فرمایا تھا، مکتوباتِ نبوی میں اسی طریقے کو پیش کیا گیا ہے، جہاں تک مکتوباتِ نبوی کے اردو ترجمے، سلاستِ زبان اور اسلوبِ بیان کا تعلق ہے، بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ مکاتیبِ نبوی کو اردو میں زبان و بیان کی ان خصوصیات کے ساتھ پہلی مرتبہ پیش

کیا گیا ہے سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی کا ترجمہ:
"پیروانِ ہدایت پر سلام ہو" اور اسی طرح اَمّا بَعد کا ترجمہ: "بعدازاں"
بہت خوب اور رواں دواں سلیس و شگفتہ ترجمے ہیں، اس سے پہلے
مکتوباتِ نبوی کے جو ترجمے ہوئے ہیں وہ بڑی حد تک لفظی ہیں اور ان میں
زبان بیان کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک خاص بات یہ ہے کہ ہر مکتوبِ نبوی کا تاریخی
پس منظر بھی بیان کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ مکتوب الیہ پر جو اثر مرتب
ہوا اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، بعض مکاتیب پر جو تحقیقی نوٹ لکھے گئے ہیں
ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کو پڑھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔

ضرورت ہے کہ مکتوباتِ نبوی کے اس مجموعے کو زیادہ سے زیادہ
غیر مسلموں تک پہنچایا جائے تاکہ ان کی اثر انگیزی کا دائرہ وسیع تر ہو سکے
اور اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں وہ دور ہو سکیں، اس
کے لئے ہر مسلمان کو اپنی استطاعت کے مطابق اپنا یہ فرض محسوس کرنا چاہئے۔
قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"

"اے پیغمبر! آپ فرما دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع
کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب رکھے گا۔"

اس سلسلے میں اس کی بھی بڑی ضرورت ہے کہ مکاتیبِ نبوی کو دنیا
کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے پیش کیا جائے، بقول شاعر مشرق علامہ اقبالؒ

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

مکتوباتِ نبوی کے مرتب مولانا الحاج سید محبوب رضوی صاحب ملک کے مشہور و معروف مصنّف اور نامور مؤرخ و محقق ہیں۔ موصوف کئی کتابوں کے مصنّف ہیں، جن میں مکتوباتِ نبوی کے علاوہ "تاریخ دیوبند، تاریخ دارالعلوم دیوبند، جائزہ تراجم قرآنی' زم زم اور مکاتیب حجاز" بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ ان کے بے شمار مضامین و مقالات ملک کے بلند پایہ رسالوں اور اخباروں میں شائع ہو چکے ہیں، ان میں "ہندوستان میں سیرتِ نبوی کا تصنیفی کا جائزہ" سیرتِ نبوی کے موضوع پر ایک بسیط مقالہ ہے جو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، رضوی صاحب نے جس دقّتِ نظر، عرق ریزی اور کاوش و تحقیق کے ساتھ دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی تاریخ لکھی ہے۔ اس پر ہندوستان کے ممتاز علماء، اہلِ نظر اور اخبارات و رسائل نے موصوف کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔

اسلامی تاریخ رضوی صاحب کا دِل چسپ موضوع ہے، موصوف تاریخ پر اپنی وسیع نظر اور لکھنے میں تحقیقی مزاج کی بنا پر علمی حلقوں میں متعارف ہیں، تاریخی موضوعات پر ان کی محققانہ تصانیف اور مضامین و مقالات علمی اور تاریخی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، وہ گہرے مطالعے، غور و فکر اور تحقیق کے بعد نہایت سنجیدگی کے ساتھ لکھتے ہیں، اُن کے طرزِ تحریر کی اہم خصوصیت سادگی اور پرزور قوتِ بیان ہے، طرزِ نگارش عام فہم اور دل کش ہے، سلاست اور شگفتگی کے ساتھ برجستگی اور اختصار ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات ہیں، رطب و یابس اور حشو و زوائد کا ان کے یہاں گزر نہیں ہے۔ مکتوباتِ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور معاہدات کو ایک خاص تبلیغی اور دعوتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ رضوی صاحب کی اس سعی حسن کو شرفِ قبول عطا فرما کر مؤثر، مقبول اور نتیجہ خیز بنا دے۔

ارشاد احمد عفا اللہ عنہ،
مبلغ دار العلوم، دیوبند
۹۔ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَسَلَامٌ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جس زمانے میں مبعوث ہوئے دنیا اس وقت جہالت وگمراہی کی انتہائی حدود پر پہنچ چکی تھی۔ ایک عیسائی مصنّف نے بڑی دیدہ وری اور جامعیت کے ساتھ اس زمانے کے حالات کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچا ہے:

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی اخلاقی پستی!

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں متمدن دنیا انتشار اور پراگندگی کے دور سے گزر رہی تھی، وہ پرانی تہذیبیں جنہوں نے انسانوں میں وحدت کا احساس پیدا کر کے تمدن کے قیام کو ممکن بنا دیا تھا شکستہ ہو چکی تھیں اور کوئی ایسی چیز دریافت نہیں ہو سکی تھی جو ان کی جگہ لے سکنے کے قابل ہو، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عظیم الشان تمدن جو چار ہزار سال کی مدّت میں تعمیر ہوا تھا۔ انتشار اور بدنظمی کے کنارے پہنچ گیا تھا اور انسانیت پر وہ دور پھر آنے والا تھا جب بربریت اور درندگی ہر طرف چھا جانے والی

تھی، ہر قبیلہ اور ہر فرقہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا، قانون یا نظم کا نام و نشان باقی نہ رہا تھا۔ قدیم قبائلی دستور اپنی قوت کھو چکے تھے، عیسائیت کے پیدا کئے ہوئے دستور وحدت اور نظم قائم کرنے کے بجائے تقسیم و تخریب کا کام کر رہے تھے، تمدن کا وہ تناور درخت جس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں اندر سے کھوکھلا ہو چکا تھا اور لڑکھڑا کر گرنے والا تھا، اس وقت کوئی ایسی جذبات آفریں تہذیب نظر نہ آتی تھی جو قدیم تہذیب کی جگہ لے سکے اور انسانیت کو دوبارہ متحد کر کے تمدن کو تباہی و بربادی سے بچا سکے۔

خود عرب، جہاں پیغمبرِ اسلام کی ولادت ہوئی دنیا کے تمام ملکوں میں اپنی وحشت و بربریت اور درندگی کے لئے مشہور تھا۔ مکہ اور سارے جزیرہ نمائے عرب پر بے اندازہ مدت سے روحانی موت طاری چلی آ رہی تھی، یہودیت مسیحیت اور عقلیت صرف اتنی ہی اثر انداز تھی جیسے کسی پرسکون جھیل کی سطح پر کچھ ہلکی موجیں لہرانے لگیں اور نیچے بدستور سکون قائم رہے، اہل عرب وہم پرستی، شقاوت اور بدکاری میں ڈوبے ہوئے تھے، کبر اور غرور کے انتہائی جذبے کی بنا پر ان کے یہاں دختر کشی کی رسم جاری تھی، ان کا مذہب شدید بت پرستی تھا، وہ حشر اور جزا کے عقیدے سے بالکل نا آشنا تھے، انکے عقیدے کی بنیاد گہری بت پرستی پر قائم تھی، ہر چند مسیحیت کی جانب سے ان کی اصلاح کی کوشش صدیوں سے جاری تھی مگر اس کو کبھی کامیابی نصیب نہ ہو سکی تھی۔

ان حالات میں کسی ایسے ملک کی اصلاح جو دنیا بھر کے عیوب کا گہوارہ بنا ہوا تھا، کوئی آسان کام نہ تھا لیکن پیغمبر اسلام کی حقانیت کا یہ زندہ معجزہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا کہ انہوں نے ۲۳ سال کی مختصر سی مدت میں نہ صرف دنیا کے اس سب سے بڑے جاہل ملک کی اصلاح فرما دی بلکہ اس

جاہل اور وحشی ملک کے باشندوں کو اس قابل بھی بنا دیا کہ وہ ساری دنیا کے لئے شرافت و اخلاق اور انسانیت کے امام بن گئے۔

سیرتِ مقدسہ کی خصوصیت :

آج بھی جب کہ ہم مختلف وجوہ کی بنا پر انہیں حالات سے قریب تر ہو رہے ہیں تو صرف اسی شمع ہدایت کی روشنی سے اکتسابِ فیض ہی ہماری نجات کا حقیقی باعث ہو سکتا ہے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے آخری اور عملی پیغمبر ہیں، آپ کی پوری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے، اس لئے آپ کی حیاتِ طیبہ کو کسی دشواری کے بغیر آج بھی انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل بنایا جا سکتا ہے۔ آپؐ نے نوعِ انسانی کو وہ علم دیا ہے جو انسانی زندگی کے کل شعبوں پر حاوی ہے، سیرتِ مقدسہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر شخص کے لئے خواہ وہ کسی بھی مذہب اور عقیدے سے تعلق رکھتا ہو اس کو روشنی اور ہدایت بخشتی ہے، اس کا کمال یہ ہے کہ جہاں وہ سربراہانِ مملکت کے لئے نمونہ کا کام دیتی ہے وہیں ایک عام انسان بھی اس سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے، اگر وہ سرمایہ دار کے لئے شمعِ ہدایت ہے تو مزدور کے لئے بھی اس میں زندگی کو بنانے اور سنوارنے کے لئے مثالی نمونہ موجود ہے، عالم سے لے کر جاہل تک اور عامی سے لے کر فلسفی تک سب کے لئے اس میں ہدایت بھی ہے اور روشنی بھی، اگر وہ فاتح قوم کے لئے رہنمائی کرتا ہے تو مظلوم اقوام کے لئے بھی وہ مشعلِ راہ ہے، غرض کہ ہر حالت میں اور ہر حیثیت کا انسان سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے ایک مثالی نمونہ پائے گا۔

سیرتِ نبوی دنیا کی وہ واحد عظیم تاریخ ہے جس میں سارے

انسانی اجزاء مکمل شکل میں موجود ہیں، اگر بے بسی کا دور ہو تو آپ کی ابتدائی زندگی کی تاریخ سہارا دیتی ہے کہ یہ بے بسی ختم ہوگی اور بالآخر کامیابی نصیب ہوگی، حکمرانوں کے لئے آپ کی مدنی زندگی کا نمونہ انہیں بتاتا ہے کہ وہ کس طرح اپنی حکومت کا نظام چلائیں، اسلامی تاریخ علم، تہذیب، خدا پرستی اور انقلابات کی تاریخ ہے، وہ زندگی کے تمام مراحل میں نہایت عمدہ اور اعلیٰ سبق اپنے اندر رکھتی ہے، سیرت نبوی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ایک طرف تو انسانوں کو خدا کے قریب کر کے ان کی اخلاقی اور روحانی زندگی کو سنوارتی ہے اور دوسری طرف ان کو بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور اخوت و مساوات قائم کرنے پر ابھارتی ہے۔ وہ مختلف الخیال لوگوں کے اخلاق میں ہم آہنگی پیدا کر کے باہمی نفرت کو دور کرنے کا سبق سکھاتی ہے، انسانی اخوت اور عالمی یگانگت کے جذبۂ خیرسگالی کو فروغ دینا اس کی ایک اہم خصوصیت ہے، وہ انسانی زندگی کے ہر موڑ پر ایسی متعین منزل کی جانب رہنمائی کرتی ہے جس سے انسانی زندگی کے مقاصد خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے دنیا کو وہ سب کچھ دیا ہے جس کی اسے ضرورت تھی۔ خدا کی توحید اور انسانی مساوات، عروجِ آدم کی آخری منزل ہے۔ اسلام جس طرح رضائے الٰہی اور فلاحِ دارین کا ضامن ہے اسی طرح دنیوی مسائل کے حل کے لئے ایک موزوں نظامِ زندگی بھی ہے،

سیرتِ طیبہ سے بہتر کسی انسان کے حالات اتنی تفصیل اور ایسے مستند اور مصدقہ ذرائع سے نہیں ملتے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہر شعبۂ زندگی سے متعلق ہمارے پاس موجود ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی کے انگلستان کے مشہور مستشرق جان ڈیون

پورٹ نے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ :

"یہ امر بالکل یقینی ہے کہ دنیا کی تمام مشہور شخصیتوں میں سے کسی کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جس کی زندگی کے حالات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالاتِ زندگی کی طرح پوری دیانت وصحت اور تفصیل کے ساتھ مل سکتے ہوں[ل]"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری دنیا کے لئے حسب ارشادِ خداوندی "رحمۃً للعالمین" یعنی سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ کا اوّلین مقصد خدائے بزرگ وبرتر کی توحید، اس کے احکام کی تبلیغ اور گم کردہ راہ انسانیت کو ضلالت وتباہی کے راستوں سے ہٹا کر خدائے واحد کی صراطِ مستقیم پر چلانا اور امن وآشتی کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔

(سورۂ اعراف رکوع ۲۰)

"اے پیغمبر! آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ "اے بنی نوع انسان! میں تم سب کی جانب خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں، آسمانوں اور زمین کی ساری بادشاہت اسی خدا کے لئے ہے، کوئی معبود

ل - اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن صفحہ اول۔

نہیں، مگر اسی کی ایک ذات ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور
وہی موت دیتا ہے، پس اللہ پر اور اس کے رسولِ اُمّی پر ایمان
لاؤ جو خود اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان لایا ہے، اس کی
پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔"

جب تمام کائناتِ ہستی میں ایک ہی خدا کی فرماں روائی ہے تو ضروری ہے کہ اس کا پیغام ہدایت بھی سب ہی کے لئے ہو۔

رحمۃ للعالمین کا فیضانِ عام: اسی لئے آپ کی نبوّت کسی خاص قوم، کسی خاص ملک اور کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، خدائے تعالیٰ کی جانب سے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے بلا استثنار رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، اس لئے آپ کا چشمۂ فیض ہر ایک کے لئے آب حیات مہیا کرتا ہے۔

یہ ایک عالم گیر پیغام ہے، اس کا مقصد انسان کو صحیح معنیٰ میں انسان بنانا ہے، اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں ـــ آپ کی ذات مقدس آفاقی اور عالم گیر ہے، آپ سب کے لئے سراپا رحمت ہیں، آپ نے انسانیت کا احترام دلوں میں جاگزیں کیا اور تمام انسان بھائی بھائی بنا دئے گئے ہیں، ذات، نسل، قبیلہ اور وطنیت کے انسانی ہاتھوں سے تراشے ہوئے تمام بُت چُور چُور ہو گئے، اسی لئے آپ کو خداوند قدّوس کی جانب سے رحمۃ للمسلمین کے بجائے رحمۃ للعالمین کے خطاب سے نوازا گیا ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ آپ کا تعلق تمام عالم سے ہے، کسی خاص جغرافیائی حدود کے ساتھ وابستہ نہیں ہے، آپ کا پیغام کسی خاص قوم اور کسی متعین زمانے کے

ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے، یہ زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہے۔ یہ اصول و نظریات کا پیغام ہے۔ یہ کسی قوم کی میراث نہیں ہے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو توحید خالص کے تصور سے آشنا کیا، انسانوں میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق مٹا کر اخوت و مساوات کا سبق دیا، انسان کی عظمت قائم کی، اوہام و خرافات کی زنجیروں سے انسان کو آزاد کر کے حقیقت شناس بنا دیا، زبان کے تفرقے، رنگ و نسل کے امتیازات و وطنیت و قومیت کی کشاکش، کیسی کیسی سنگین بیڑیاں اولادِ آدم کے پیروں میں پڑی ہوئی تھیں، انسانیت، ذات پات اور قوم و مذہب کے سماجی و اقتصادی گروہوں میں تقسیم ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی، مگر چند سالوں کے اندر اندر عرب جیسے غیر متمدن ملک میں امن و امان قائم ہو گیا، قبائل کی خانہ جنگیاں ختم ہو گئیں، جرائم کا بازار سرد پڑ گیا، رہزن محافظ بن گئے، خدا کا یقین عوام کی زندگی کا ایک اہم عنصر بن گیا، وہ اپنی خلوت و جلوت کے تمام معاملات میں خدا کی ذات کو حاضر و ناظر محسوس کرنے لگے اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آگیا جس میں امن قائم رکھنے کے لئے پولیس کی ضرورت نہ تھی، جرائم مفقود ہو گئے تھے حتیٰ کہ اگر کسی سے کوئی جرم سرزد بھی ہو جاتا تھا تو وہ خود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اقرار کر لیتا تھا، حدیث اور سیرت نبوی کی کتابوں میں ایسے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

غرض کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے نتیجے میں تیئیس سال کی مختصر ترین مدت میں ایک نیا مذہب، ایک نئی شریعت، ایک نیا تمدن، ایک بے مثل معاشرہ اور ایک ہمہ گیر فلسفۂ حیات عالم وجود میں

آ گیا۔ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح محض ایک مذہب ہی نہیں ہے بلکہ ایک تحریک، ایک تہذیب اور ایک مکمل ترین نظام حیات ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا نظام زندگی پیش کیا جس نے عرب جیسی جاہل اور تہذیب سے ناآشنا قوم کو جہالت اور گمنامی کی تاریکیوں سے نکال کر صف اوّل کی قوموں میں لا کر کھڑا کر دیا، علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے سب ہی شعبوں میں عرب دانشوروں نے دنیا کے خزانوں کو مالا مال کر دیا، یہاں تک کہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں علم و دانش کے ان خزانوں سے آج تک فیض حاصل کر رہی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ساری دنیا کے لئے ہے، آپ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر آئے ان کے پیغام و تبلیغ کا دائرہ محدود تھا، ان کے ذمّے کسی خاص قوم، خاندان یا خطّے کی ہدایت و اصلاح کا کام ہوتا تھا، مگر آپ کو پوری دنیا کی اصلاح کا کام سپرد ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

"اے پیغمبر! ہم نے تمہیں کائنات کے تمام لوگوں کے لئے
بشارت دینے والا اور خدا سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے"

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں کے لوگوں کو بھی اسلام سے آشنا کرنے کے لئے وہاں کے حکمرانوں اور دوسرے ممتاز لوگوں کو تحریر کے ذریعے اسلام کی دعوت دی، ہر دردمند انسانیت کا انسانی اور اخلاقی فرض ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص کو نقصان سے دوچار ہوتے ہوئے دیکھے تو حتی الامکان اس کی مدد کرے اور اسے نقصان سے بچانے کی جدوجہد کرے، دنیا کی عظیم شخصیتیں

حقیقت میں کسی قوم یا ملک کی میراث نہیں ہوتیں ایک ہندو فاضل مسٹر سی این، مہتا نے لکھا ہے:

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ روحانی قوت جس نے معمولی لوگوں کو پرشکوہ اور بہادر بنا دیا تھا اب بھی دنیا میں کایا پلٹ سکتی ہے۔ اسلام کا پیغام اب کسی قوم کا حصّہ نہیں بلکہ تمام دنیا والوں کا ورثہ ہے۔ ہندوستان میں اسلام کے کارنامے صرف مسلمانوں کا ہی حصّہ نہیں بلکہ تمام ہندوستان کے لئے باعثِ فخر سرمایہ ہیں۔ اسلام کی تلوار کو نیام میں گئے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں مگر اسلام کا تسلّط پہلے سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ پیغمبرِ اسلام نے اسلام کے اصول سادگی، حق پرستی اور مساوات قرار دئے ہیں۔" [1]

خداوندِ عالم کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔	اور ہم نے آپ کو رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن مجید کا خطاب کسی خاص قوم، خاص قبیلے، خاص ذات، خاص نسل، اور خاص وطن سے نہیں ہے بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ قرآن کی ہدایت تمام انسانوں کے لئے ہے، اس کی دعوت آفاقی ہے جو زمان و مکان سے ماوراء ہے، خداوندِ عالم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، آپ کی سب سے

---

[1] خطبۂ صدارت مسٹر سی، این مہتا بعنوان "اسلام کا حصّہ ہندوستانی تہذیب میں"، جو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۲۱، نومبر ۱۹۳۴ء میں بمقام مظفر نگر پڑھا گیا۔

بڑی رحمت یہ ہے کہ آپ نے ایک خدائے واحد کا لوگوں کو پرستار بنایا، انسان کو اخوت و مساوات کی بیش بہا نعمت عطا کی، عورتوں کا درجہ بلند کیا، توہمات سے ہمارا دامن بچایا، انسان کو ساری کائنات کی سرداری بخشی اور ان لوگوں کو آفاقیت کا سبق دیا جو جغرافیہ کی حدود میں محصور تھے' انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جس چیز کو وہ صحیح سمجھتی ہے اس کی طبعی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے بھی اسی کی طرح اس چیز کو صحیح سمجھیں، یہ انسان کا فطری جذبہ ہے قرآن حکیم میں ہے کہ "تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جس کا کام یہ ہو کہ وہ لوگوں کو خیر اور بھلائی کی طرف بلائے اور ان کو برائیوں اور گناہ کے کاموں سے روکے۔"

اسلام کے معنی ہیں گردن جھکانا، یعنی خدا کے سامنے اپنے بندگی کا اقرار کرنا، ایسی بندگی کا اقرار جس میں زمین و آسمان کے خالق کے سوا کوئی دوسرا شریک وسہیم نہ ہو، اسلام دوسرے مذاہب کی طرح صرف اس کے ماننے والوں کا مذہب نہیں بلکہ یہ ہوا، پانی اور روشنی کی طرح ایک نعمت عظمیٰ ہے جس میں تمام انسان شریک ہیں۔

اسلام کی تعلیمات نہایت سادہ اور آسان ہیں' ان میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی وحدانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین رکھنے کی دعوت دیتا ہے اور زندگی میں ان عقائد کو کارفرما بنانے کے لئے عبادت کے ایسے طریقے بتاتا ہے جو ہر لحاظ سے سادہ، مؤثر اور قابل عمل ہیں خدائے تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھنے کی صورت میں انسان دوسری تمام مفروضہ اور غیر حقیقی قوتوں کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے' اس کی ذہنی اور عملی قوتیں پوری طرح کام کرتی ہیں اور ضمیر و عمل کی اس

آزادی سے پوری بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ رسالت کا اقرار دراصل احسان مندی کے اس گہرے جذبے کا اظہار ہے۔ جس کے وجود کے بغیر انسانی سماج کا توازن اور اس کی یک جہتی برقرار نہیں رہ سکتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی برادری کے رشتوں کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنے کا صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ خود اس پر عمل کر کے دکھادیا آپ کا ارشاد ہے کہ:

"ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو، حسد نہ کرو، خدا کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔"

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک پورا مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ دوسروں کے لئے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

اسلام کا اعلان ہے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل و انصاف کی راہ سے ہٹا نہ سکے، اسلام نے مذہب میں جبر اور زبردستی کا دروازہ بالکل بند کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر اسلام کی حکومت میں کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو قتل کرے گا تو وہ بہشت کی خوشبو تک سونگھنے نہ پائے گا، دوسرے مذہب کے لوگوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برتاؤ کا ایک بڑا واقعہ فتح مکہ کے بعد عفوِ عام کا اعلان ہے، جن لوگوں نے ۱۳ برس تک مسلسل آپ پر اور آپ کے صحابۂ کرامؓ پر بے پناہ ظلم توڑے تھے ان پر جب آپ کو قابو حاصل ہوا تو آپ نے عام اعلان کرادیا کہ اہلِ مکہ کے لئے عام معافی ہے: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔

قریش مکہ کی غذائی ضرورتوں کے لئے غلّہ یمامہ سے آتا تھا۔ یمامہ کے ایک سردار ثُمامہ بن اثال نے اسلام میں داخل ہو کر مکّہ مکرمہ کے لئے غلّہ کی برآمد بند کر دی جس کے نتیجے میں قریش غذائی قحط میں مبتلا ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہیں کیا اور غلہ کے درآمد کئے جانے کا ثمامہ کو حکم صادر فرمایا۔

سیرتِ نبوی کے مطالعہ سے جو بات سب سے زیادہ محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اثر کے لحاظ سے جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے واقعات میں ہے وہ کسی دوسرے انسان کی زندگی میں نہیں پائی جاتی، اگر ہم اپنی زندگی کو مثالی بنانا چاہتے ہیں تو اسی چشمۂ فیض سے سیراب ہونا چاہیئے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت خداوند قدّوس کے سامنے سب کے سروں کو جھکا ہوا دیکھنا چاہتی ہے، اس کا بنیادی مقصد انسان اور انسان کے درمیان پیدا کئے ہوئے گمراہ کن امتیازات کو ختم کرنا، خدا فراموشی اور بداخلاقی کو صالح قدروں سے بدل کر خداشناسی کے فطری جذبے کو اُبھارنا اور صحیح معنی میں انسان کو انسان بنانا ہے، عالمی شہریت کے تصور سے آپ ہی نے سب سے پہلے انسان کو روشناس کرایا، آپ نے بتلایا کہ خدا ایک اور لاشریک ہے! وہ قادر و توانا ہے، وہ کائنات کی پیدائش اور اس کی پرورش و ربوبیت میں کسی کی ذرہ بھر بھی امداد و اعانت کا محتاج نہیں ہے! یہ سمجھا کر آپ نے خدا اور بندے کے درمیان تعلق کی صحیح بنیادوں کو مستحکم کر دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے جو نتائج دنیا نے دیکھے وہ بجائے خود بے مثال اور انتہائی حیرت انگیز ہیں، اس دعوت سے قوموں کے

مزاج بدل گئے، انسانی اخلاق و معاشرت میں انقلابِ عظیم برپا ہو گیا، عرب کے جاہل اور تندخو گنوار علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کے معلم بن گئے، آپ نے انسانیت کو ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک متحدہ قومیت، ایک مکمل شریعت اور ایک ابدی مذہب دے کر ایک نئے فکر، ایک نئے تمدن اور ایک نئی تہذیب کی طرح ڈالی، جس نے انسانوں کے اندر خدا پرستی، اخلاق و دیانت، تقویٰ، باہمی محبت و اخوت اور آپس کے تعاون و ایثار کے جذبات کو فروغ بخشا، آپ نے صاف صاف لفظوں میں حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان کر دیا کہ:

"تمہارا رب بھی ایک ہی ہے، اور تمہارا باپ بھی ایک ہی ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی تھی، خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت کا مستحق وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ برائیوں سے بچنے والا ہے، عربوں کو غیر عربوں پر اور غیر عربوں کو عربوں پر صرف نیکی کے سبب ہی سے برتری حاصل ہو سکتی ہے۔"

دنیا نے دیکھا کہ یہ تعلیم صرف الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں رہی ہے بلکہ اسلام نے اس کے مطابق ایک عالمگیر برادری عملاً قائم کر کے دکھا دی ہے جس میں رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کی کوئی تمیز نہیں، جس میں اونچ نیچ، چھوت چھات، تفریق و تعصب کا کوئی تصور نہیں جس میں شریک ہونے والے تمام انسان خواہ وہ کسی نسل و قوم اور ملک و وطن سے تعلق رکھتے ہوں بالکل مساویانہ حقوق کے ساتھ شریک ہونے کا حق رکھتے ہیں، انسانی مساوات اور وحدت کے اصول کو جس کامیابی کے

ساتھ مسلم معاشرے میں عملی شکل دی گئی ہے اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی مذہب اور نظام میں نہیں پائی جاتی، صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں اور قوموں کو ملا کر ایک امت بنایا ہے۔ اس امت میں اگر کسی کو بڑائی حاصل ہے تو وہ صرف تقویٰ اور پرہیز گاری کی بنا پر ہے، اس معیار کے سوا اسلام میں کسی اور معیار کی گنجائش نہیں ہے۔

پیغمبرانہ دعوت کی اہمیت: یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ دین کی دعوت اور اس کے تعارف کا صحیح ترین طریقہ وہی ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام نے اختیار فرمایا ہے، ضرورت ہے کہ ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات کو تمام بنی نوع انسان تک پہنچایا جائے، غیر مسلموں کو اسلام سے روشناس کرانے، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات میں استواری پیدا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پیغامات کا مطالعہ نہایت ضروری ہے جو آپ نے خطوط کی صورت میں اس وقت کے ممتاز لوگوں کے نام ارسال فرمائے تھے۔ ان مکتوباتِ نبوی سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کس طرح کا ذہنی و فکری اور عملی انقلاب برپا کیا اور انسانیت کے لئے کیا کیا اصول وضع کئے، تمدن اور معاشرت کو کن راہوں پر ڈالا اور انسانیت کے فطری تقاضوں کی کس حد تک تکمیل فرمائی، اس تعلیم کی بدولت، دنیا کی سب سے زیادہ جاہل اور پس ماندہ قوم، علمی، روحانی اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے زیادہ سے زیادہ شائستہ بن گئی۔ اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جس میں خدا پرستی و حقوق کی ادائیگی، تقویٰ و

پرہیز گاری اور نیکی و ہمدردی کے جملہ اوصافِ حسنہ بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے، چشمِ فلک نے دنیا میں یہ حیرت انگیز انقلاب صرف ایک ہی مرتبہ دیکھا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ:

حقیر ذرّوں کو اس نے بنا دیا خورشید!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل کش و دل نواز شخصیت، آپ کی حیرت انگیز کشش اور اسلام کے اصولوں کی ہمہ گیر صداقت نے دنیا کے ہر گوشے سے ہر طبقے کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے، اور عقیدت کے بے مثال جذبات لوگوں میں پیدا کر دئے ہیں، چنانچہ ان حیرت انگیز انقلابی تغیّرات کا اعتراف اسلام کے انتہائی مخالفین نے بھی کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف مسلمانوں کے تحفّظ کے لئے بلکہ عالم گیر اور ہمہ گیر امن کی خاطر ایسے معاہدات کئے جن میں ہر شخص کو رائے اور ضمیر کی مکمّل آزادی کے ساتھ ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع دیا گیا ہے، اس طرح سیرتِ مقدسہ کا یہ پہلو جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے، نمایاں ہو کر سامنے آ گیا ہے، مکتوباتِ نبوی میں تمام ایسے سیاسی اور معاشرتی معاہدے پیش کئے گئے ہیں جن کے ذریعے سے مدینۂ منوّرہ ایک ایسے متحدہ مرکز میں تبدیل ہو گیا جو چند سال کی مختصر ترین مدت میں نہ صرف دینی و روحانی بلکہ سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے بھی دنیا کا سب سے بڑا صدر مقام بن گیا

یہ معاہدات امن و آزادی کا واضح اعلان ہیں، یہ غیر مسلم شہریوں کے حقوق کا بنیادی ماخذ اور سیاسی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعد میں خلفائے اسلام نے غیر مسلم شہریوں کے لئے جو قانون بنائے ان کی اصل بنیاد یہی معاہدات ہیں، عہدِ رسالت کا یہ ریکارڈ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی سیرت، حضورؐ کے اخلاق وعادات، اسلامی عقائد، عبادات و تعزیرات کے بے شمار مسائل، اسلامی تہذیب و تمدن کی خصوصیات، حکومت اسلامی کے سیاسی نظریات اور اسلامی تاریخ کے اہم ابواب کے لئے یہ خطوط بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

انسانی تاریخ کا انقلابی دور:

آج دنیا کے مسائل کا تعلق ایک دوسرے سے اتنا گہرا ہو چکا ہے کہ باہمی طور پر تبادلۂ خیال کرنا اور آپس میں رابطہ قائم رکھنا بہت ضروری ہو گیا ہے، آج کی دنیا ایک وحدت اور اکائی میں تبدیل ہو گئی ہے، آمد و رفت کے ذرائع کی سہولت نے تمام فاصلے مٹا دئے ہیں۔ سرحدیں ختم ہو رہی ہیں، انسان خلا کی تسخیر میں کوشاں ہے اور زمین سے اڑ کر سیاروں میں آبادی قائم کرنا چاہتا ہے، سائنس کی ترقی نے ساری دنیا کو ایک عالم گیر برادری میں منسلک کر دیا ہے، جس طرح بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے، اسی طرح اس کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے کہ تمام مذاہب ایک دوسرے کو قریب سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ بین الاقوامی سیاست نے ہر ملک اور ہر قوم کو دوسرے ملکوں اور قوموں سے ربط و تعلق قائم رکھنے اور ایک دوسرے کے نظریات کو سمجھنے پر مجبور کر دیا ہے، اب ہم ایک ایسے مرحلے پر پہنچ گئے ہیں جہاں قومی مفاد کو وسیع تر عالمی مفاد کے مقابلے میں کمتر درجہ دینا ہوگا، ہم آج تاریخ کے ایک ایسے انقلابی دور سے گزر رہے ہیں جس میں ہر طرف حد بندیاں ٹوٹ رہی ہیں اور بین الاقوامی برادری بنتی جا رہی ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ دنیا ایک ہو جانے کے باوجود ابھی تک ایک نہیں

بن سکی ہے بلکہ انسان، انسان سے دُور ہوتا جا رہا ہے ہر طرف نفرت اور دشمنی کا لاوا اُبل رہا ہے، ہم جس معاشرے میں سانس لے رہے ہیں اس میں قوم پرستی ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے، ہر چند دنیا کا چپہ چپہ روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ مگر دلوں کی تاریکی ہر لمحہ بڑھتی جا رہی ہے، تعصب، علم و دانش کو اندھا کرنے پر تلا ہوا ہے، اعتماد، محبت اور رواداری مفقود ہو گئی ہے! موجودہ انسان اخلاقی اور روحانی اعتبار سے بے حد منتشر اور پراگندہ ہو چکا ہے۔ ہر قسم کی مادی ترقی کے باوجود انسان اپنی زندگی میں ایک خلا محسوس کرتا ہے اور اپنے آپ کو بے چینی و بے اطمینانی کے ماحول میں گھِرا ہوا پا رہا ہے۔ ساری دنیا اپنے خود ساختہ نظاموں کے نقصانات سے گھبرا اٹھی ہے اور اس کی روح امن و سلامتی کے کسی جاں فزا پیغام کی تلاش میں سرگرداں ہے، اسے وہ قلبی سکون اور روحانی اطمینان حاصل نہیں ہے جو تخلیقِ آدم کا حقیقی مقصد ہے، ہماری نگاہیں ہر سمت میں اُٹھتی ہیں اور جب مایوس ہو کر پلٹتی ہیں تو ہمیں تاریخ کے دریچوں سے صرف ایک ہی سمت ایسی شعاع چمکتی ہوئی نظر آتی ہے جو چودہ سو سال پہلے ایسے ہی حالات میں مایوس دلوں کا سہارا بنی تھی۔ اس لئے آج کے حالات میں بھی صرف وہی شمعِ ضوفگن ہمارے ماحول کو تاریکیوں اور ہمارے دلوں کو زندگی کی تمام تر کیفیتوں سے معمور کر سکتی ہے، انسانیت کی اصلاح و تعمیر کا صحیح ترین طریقہ وہی ہے جو خدا کے بھیجے ہوئے برگزیدہ پیغمبروں نے اختیار فرمایا ہے۔

پیغامِ نبوی کی خصوصیات :

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط میں طوالتِ بیان، عبارت آرائی، تکلف و تصنع اور لفظ و بیان کی نمائش کے بجائے سادگی،

حقیقت پسندی، بے تکلفی اور اختصار کا طرز نمایاں ہے، ان میں پیغمبرانہ امانت و صداقت کے انتہائی عزم و یقین کے ساتھ حق کی دعوت ہے، اصولِ دین کی تبلیغ ہے، سیاسی اور معاشرتی معاہدے ہیں جن سے عہدِ نبوی کی سیاسی تاریخ واضح ہوتی ہے، مقبوضہ املاک کی بحالی کا وعدہ ہے، اسلام کے احکام و مصالح اور تشریعی مسائل وغیرہ امور کا ذکر ہے۔

مکتوباتِ نبوی کے ایک ایک لفظ سے مخاطب کے لئے دردمندی اور خیراندیشی کے دلی جذبات مترشح ہوتے ہیں، ان کا اندازِ بیان از دل خیزد، بر دل ریزد کی آپ اپنی مثال ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمانے کے انقلابات اور لیل و نہار کی ہزاروں گردشوں کے باوجود ان میں آج بھی وہی نورِ ہدایت اپنی پوری تابناکی اور رعنائی کے ساتھ جلوہ آرا ہے جس نے چودہ سو سال پہلے دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا۔

مکتوباتِ نبوی میں جن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے وہ چار مشہور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے تھے، مشرکین عرب، عیسائی، یہودی اور زرتشتی (مجوسی) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب گرامی اہلِ سندھ کی جانب بھی ارسال فرمایا تھا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا اور سندھ کے کچھ لوگ مشرف باسلام ہو کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔

ہرقل (HERCLIUS) اور مقوقس (MUQAWQIS) کے نام جو خطوط لکھے گئے ان میں اپنے اسم گرامی کے ساتھ عبداللہ (خدا کا بندہ) خصوصیت کے ساتھ لکھا گیا ہے، اس میں مکتوب الیہم کے عقیدے کی نہایت لطیف پیرائے میں تردید کی گئی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ خدا

کا رسول، خدا کا مخلوق ہے، نہ کہ "خدا کا بیٹا" جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق عقیدہ پایا جاتا ہے۔

شہنشاہِ فارس خسرو پرویز وغیرہ کے نام خط میں خدا کی توحید پر خاص زور دیا گیا ہے کیونکہ فارس کے زرتشتیوں کے یہاں یزدان و اہرمن، یعنی خیر و شر کے دو خداؤں کا عقیدہ موجود تھا اس لئے انہیں یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ خدا ایک ہے اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے! پھر صاف لفظوں میں اسلام کے عالم گیر مذہب ہونے اور اقوام عالم کی جانب اپنے مبعوث ہونے کا اعلان کیا گیا ہے تاکہ زرتشتیوں کو جو نبوّت کے مفہوم سے ناآشنا تھے یہ خیال نہ ہو کہ آپ صرف عربوں کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے ہیں، اس کی تردید کر کے بتایا گیا ہے کہ آپ تمام اقوام کے لئے خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

بت پرست مشرکینِ عرب کے خطوط میں بھی خدا کی توحید پر خاص زور دیا گیا ہے اور غیر خدا کی عبادت سے روکا گیا ہے جو اس زمانے کا عام رواج ہو چکا تھا۔

یہود کے نام نامۂ مبارک میں تورات کے حوالے سے اپنی نبوّت پر استدلال کیا گیا ہے۔

تمام مکتوبات گرامی میں جو چیز قدرِ مشترک ہے وہ توحید ربانی اسلام کی دعوت اور دینی احکام و مسائل ہیں۔

مکاتیبِ نبوی : فرامینِ رسالت عموماً حسب ذیل اجزاء ترکیبی پر مشتمل ہیں:۔

(الف) شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ [1]

(ب) بحیثیت مرسل رسول اللہ صلعم کا اسم گرامی مع ضروری صفات

(1 حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور کوئی ایسا لفظ جن سے من جانب کا مفہوم ادا ہوتا ہو۔

(ج) مکتوب الیہ کا نام مع لقب۔

(د) امن وسلامتی کا مفہوم ادا کرنے والا فقرہ۔

(ھ) نامۂ مبارک کا مضمون مختصر، پرزور اور شستہ الفاظ ہیں۔

(و) آخر میں مُہرِ رسالت۔

خطوط انسانی سیرت کے آئینہ دار ہوتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ پر جس قدر سیر حاصل کتابیں لکھی گئی ہیں، بلا مبالغہ اتنی کسی دوسرے انسان کے حالات پر آج تک تصنیف نہیں کی گئیں، چنانچہ ذاتِ اقدس کا ایک ایک واقعہ آفتابِ عالم تاب کی طرح روشن اور آپ کی کتابِ زندگی کا ایک ایک ورق دنیا کے سامنے کھلا ہوا ہے، کسی دور کی تاریخ کو سمجھنے کا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ذریعہ اس دور کی دستاویزیں اور خطوط سمجھے جاتے ہیں، خطوط میں ہر شخص اپنی فطری خصوصیات اور طبعی کیفیات کا اظہار کرتا ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے بے تکلف لکھ دیتا ہے، انسان کی دماغی ومزاجی کیفیت اور ذہنی حالت کا

(حاشیہ گذشتہ صفحہ)

لہ جس طرح قرآن مجید میں سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی جاتی ہے اسی طرح مکتوبات نبوی میں بھی سرنامہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی گئی ہے۔ بعض لوگ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے ۷۸۶ لکھتے ہیں، یہ اعداد بحساب ابجد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ہیں اور بنظرِ احتیاط اس لئے لکھے جاتے ہیں کہ کاغذ وغیرہ کے زمین پر گرنے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بے ادبی نہ ہو، گویا ۷۸۶ کے اعداد سے سنت نبوی کے مطابق بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا مقصود ہوتا ہے ـــــ ۷۸۶ کے ان اعداد میں کوئی اضافہ جیسے ۷۸۶/۹۲ یا ۷۸۶/۱۱۰ لکھنا سنت نبوی اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے کے مطابق نہیں ہے، اتباع سنت نبوی کا لحاظ رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس فرق کو ملحوظ رکھیں۔

ـــــــ سید محبوب رضوی

اندازہ زیادہ صحیح طور سے اس کے خطوط سے ہی کیا جا سکتا ہے، اس لئے کسی شخصیت کا مطالعہ اس کے خطوط کی روشنی میں بہترین مطالعہ مانا گیا ہے خطوط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مکتوب نگار کی شخصیت و سیرت اور اس کے عہد کے سیاسی، معاشرتی اور تاریخی عوامل کا بہترین آئینہ ہوتے ہیں، کسی انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا، وقتی حالات کا تقاضہ اُسے وہ سب کچھ بیان کرنے پر مجبور کر دیتا ہے جس کی وہ ضرورت محسوس کرتا ہے۔

کسی مفکر کا قول ہے کہ خطوط انسانی زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ کسی شخص کی زندگی کے واقعی اور حقیقی خد و خال کو نمایاں کرنے میں خطوط کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے، روز مرّہ کے پیش آنے والے واقعات و حالات، معاشرتی و سیاسی تغیرات کے اسباب و علل کو سمجھنے میں خطوط اپنے عہد کی سربستہ تاریخ کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوتے ہیں، زندگی کے بہت سے ایسے گوشے جو کسی اور ذریعے سے سامنے نہیں آسکتے وہ خطوط کے ذریعے سے منظر عام پر آجاتے ہیں اس بنا پر شخصیتوں کو سمجھنے میں خطوط بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

خطوط نویسی کا اصلی جوہر ان کی سادگی ہے۔ خطوط دو شخصوں کے درمیان بے تکلف بات چیت کا ذریعہ ہوتے ہیں، یہ مکتوب نگار کی نفسیات کے مطالعے کا عمدہ ذریعہ سمجھے جاتے ہیں، خطوط سے انسان کی سیرت کا جیسا اندازہ ہوتا ہے ویسا کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہو سکتا، مکتوب نگاری کی سب سے بڑی خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں ایجاز و اختصار ہو، لطافت ہو، اور اس میں اُنس و موانست کی ایسی فضا پائی جائے جس سے یوں محسوس ہو

کہ ایک شخص براہ راست کہہ رہا ہے اور دوسرا سُن رہا ہے۔ خط میں ایسی باتیں ہوں جن میں عام انسانی جذبے کے لئے ایک وسیع تر اپیل پائی جاتی ہو مکتوب نگاری کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں عمومیت اور تنوع پایا جاتا ہو، نیز یہ کہ خطوط میں بے تکلفی، بے ساختگی، خلوص اور ذاتی تاثرات بھی پائے جاتے ہوں۔

مکتوباتِ نبوی کی اثرانگیزی :

مکتوباتِ نبوی میں لطافت ہے، انشاپردازی ہے، ایجاز و اختصار ہے، انس و محبّت کی فضا ہے، ان میں عام انسانی جذبے کو متاثر کرنے کے جملہ عناصر موجود ہیں، جملے عموماً چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ خطوط کے الفاظ نہایت معنی خیز ہوتے ہیں، یہ اس عظیم اور انقلاب آفریں شخصیت کی تحریریں ہیں جس نے پوری دنیا کے فکر و تصور کے زاویے بدل دئے تھے جس نے عرب جیسی پس ماندہ قوم کو سارے جہاں کی قیادت بخش دی تھی، اس نے ایک دین عطا کیا، ایک طرزِ حیات سکھلایا، ایک نئی سیاست اور تہذیب دی، نیا نظامِ عدالت بخشا، ایک صحت مند حکمت اور سرگرم عمل دانش عنایت کی، ایسے ضوابط دئے جو پوری دنیا میں انسانوں کے ایک عظیم گروہ کا چودہ سو برس سے ہر مشکل اور تاریخ کے ہر نئے موڑ پر ساتھ دیتے رہے ہیں۔ ان خطوط میں تبلیغی جذبے کی آبیاری کا سامان بھی ہے اور تزکیۂ باطن اور اصلاحِ نفس کے لئے رہ نمائی بھی موجود ہے، اس طرح یہ خطوط انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے اپنے اندر بڑی اہمیت اور ہمہ گیر افادیت رکھتے ہیں اور نسلِ انسانی کے ہر فرد بشر کے لئے مشعلِ راہ اور شمعِ ہدایت ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب عام طور پر بہت مختصر ہوتے ہیں۔ ان میں لفظ و بیان کی نمائش کے بجائے سادگی اور حقیقت پسندی کا طرز نمایاں ہے، ان میں فلسفیانہ موشگافیوں اور منطقی نکتہ آفرینیوں کے بجائے پیغام نبوی کی سادگی، دل نشینی اور خلوص کا نقش دل پر اثر کرتا جاتا ہے، آپ سادہ اور عام فہم انداز میں اپنی دعوت کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے، دوسرے رہنماؤں کی طرح یہ جذبہ کارفرما نہ تھا کہ خطوط کے ذریعے سے اپنی سیادت و قیادت کے لئے زمین ہموار کی جائے اور اس طرح سے اپنی پُرزور نگارش اور سحر بیانی کا مظاہرہ کر کے مرعوب بنایا جائے، یہی وجہ ہے کہ مکاتیبِ نبوی میں حشو و زوائد کا کہیں دُور دُور تک گزر نہیں ہے، یہ مقدس تحریریں روح پرور بھی ہیں اور ایمان افروز بھی، یہ جہاں اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ ان میں وہ گہرائی اور کشش بھی ہے جو لکھنے والے کی صداقت پر دلالت کرتی ہے، یہ مکاتیب صدق و راستی کی ایک دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں، ان کے چند لفظوں میں جو کشش ہے وہ ایک پورے دفتر میں نہیں مل سکتی، ان خطوط کے مطالعے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کا اندازِ فکر کیا تھا؟ روح کی تشنگی اور دلوں کی بیداری کا کیا عالم تھا؟ کفر کی سیاہی اور شرک کی ظلمت کی کیا کیفیت تھی؟ اسلام جو اس وقت کا ایک بڑا انقلاب تھا کیا پیغام لے کر آیا تھا؟ اور اس پیغام کے جو اثرات و نتائج مرتب ہوئے ان کی نوعیت کیا تھی؟ عہد نبوی کے انقلاب کو سمجھنے میں یہ مکتوباتِ گرامی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ مکتوب الیہم جن میں عیسائی، یہودی، مجوسی اور مشرک ہر طرح کے افراد شامل تھے آپ نے انہیں کس طرح مخاطب فرمایا، ان سے کس حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئے؟ اور یہ کہ خود ان لوگوں پر کیا تاثرات

مرتب ہوئے؟ انہوں نے اسلام کا خیر مقدم کیا یا اسے رد کر دیا؟ یہ سب باتیں مکاتیبِ نبوی سے آپ کو معلوم ہوں گی۔

مکاتیبِ نبوی کی تدوین: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات کے پیش نظر ہم عصر بادشاہوں عرب کے حکمرانوں، ہم سایہ قوموں اور مختلف قبائل وافراد کے نام جو مکتوب گرامی ارسال فرمائے اور عرب کے قبیلوں سے جو سیاسی اور معاشرتی معاہدے کئے وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے، حدیث اور سیرت پاک کی کوئی کتاب ان کے ذکر سے خالی نہیں ہے، بعض علماء نے ان کو جمع کر کے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں، ان میں ڈاکٹر حمید اللہ کی "الوثائق السیاسیہ" بڑی جامع تصنیف ہے، صحابۂ کرامؓ میں مکتوباتِ نبوی کو سب سے پہلے حضرت عمرو بن حزم انصاریؓ نے جمع کیا تھا، یہ مجموعہ ۲۱ مکاتیب گرامی پر مشتمل تھا، ابن طولون کی کتاب میں یہ مکاتیب موجود ہیں، بعد میں وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ گزشتہ ڈیڑھ سو سال کی مدت میں چار مکتوباتِ نبوی بجنسہٖ اپنی اصلی حالت میں دست یاب ہو چکے ہیں۔ یہ مکتوبات حبشہ کے بادشاہ، مصر کے حکمران، بحرین کے گورنر، اور فارس کے شہنشاہ خسرو پرویز کے نام ہیں، ان کے عکس اس مجموعے میں شامل ہیں۔

اردو میں اس موضوع پر دو کتابیں ملتی ہیں، صاحبزادہ عبدالمنعم خاں کی رسالاتِ نبویہ اور مولانا حفظ الرحمٰن کی بلاغ مبین رسالاتِ نبویہ میں مکتوباتِ نبوی کی کافی تعداد جمع کر دی گئی ہے، یہ بڑی قابلِ قدر کتاب ہے، مگر اس کا طرزِ تحریر اتنا پرانا ہو چکا ہے کہ موجودہ مذاق کے لئے اس سے استفادہ ممکن نہیں رہا ہے۔ اس کے علاوہ پیغامِ نبوی کی تبلیغی روح، انسانی ذہن کو جن

نتائج کی طرف لے جانا چاہتی ہے اس کی طرف اس کتاب سے ذہن منتقل نہیں ہوتا، البتہ "بلاغِ مبین" میں تبلیغی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مگر اس میں صرف چند خطوط ملتے ہیں۔

غرض کہ ہماری زبان میں اس موضوع پر کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تبلیغی و تشریعی خطوط اور سیاسی و معاشرتی معاہدوں کو سہل و سلیس اور شگفتہ انداز میں جمع کر دیا گیا ہو۔ [1]

زیرِ نظر کتاب مکتوباتِ نبوی، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خطوط اور معاہدوں کو حتی الامکان جمع کر دیا گیا ہے، ان خطوط سے اسلام کی دعوت و تبلیغ کو غیر مسلموں تک پہنچانے کے لئے حکمت و موعظت کی وہ روشنی ملتی ہے جس سے وقت کے اہم تقاضوں اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے، اس امت کے موجودہ دور کی اصلاح صرف اسی طریقے پر چل کر ہو سکتی ہے، جس طریقے پر آغازِ اسلام میں ہو چکی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا تھا ضرورت ہے کہ ہم بھی دنیا کی شیرازہ بندی کے لئے اسی طریقے کو اپنا رہنما اصول بنا کر اپنائیں۔

مکتوباتِ نبوی اردو کی خصوصیات: یہاں چند باتیں مکتوباتِ نبوی کی ترتیب اور ترجمے کی نسبت عرض کرنی ضروری ہیں۔

مکتوباتِ نبوی میں جو طرز اختیار کیا گیا ہے اس میں جدید تقاضوں اور نئے ذہن کو اس طرح ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے ایک اوسط درجے

---

[1] الوثائق السیاسیہ کا اُردو ترجمہ ابھی حال میں پاکستان سے شائع ہوا ہے۔

کے پڑھے لکھے آدمی کے ذہن وفکر سے زیادہ سے زیادہ مفاہمت قائم رکھی جاسکے، ترجمے میں بڑی حد تک اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ پیغامِ نبوی کے منشاء ومفہوم کی پوری ترجمانی ہو سکے، اسی کے ساتھ زبان وبیان کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس میں مکاتیبِ نبوی کی اصل روح یعنی اسلام کی دعوت و تبلیغ اور غیر مسلم ذہن کو خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے، تاکہ انسانیت کی تعمیر میں اسلام کا موقف روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

اب تک مکتوباتِ نبوی کا کوئی ایسا ترجمہ موجود نہیں تھا، جسے اطمینان کے ساتھ غیر مسلموں کو دیا جا سکے، یہ ایک بڑی کوتاہی ہے جو اب تک ہماری جانب سے ہوتی رہی ہے، حالانکہ اس پیغامِ نبوی کو زیادہ سے زیادہ بندگانِ خدا تک پہنچانا ملت کا اوّلین فرض ہے۔

مکتوباتِ نبوی محض عقیدت اور تبرک کی چیز نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ زبردست تاریخی اہمیت کے حامل ہیں، دنیا میں بہت سے پیغمبر گزرے ہیں جن کو مختلف قومیں مانتی ہیں مگر یہ صرف پیغمبر آخرالزماں کی خصوصیت ہے کہ ان کے اپنے زمانے کے آثار اب تک اپنی ابتدائی شکل میں موجود ہیں، یہ چیزیں آپ کی شخصیت اور دعوت کو تاریخی حیثیت عطا کرتی ہیں جب کہ تمام پیغمبروں اور رہنمایانِ مذاہب کی شخصیت اور دعوت بلا استثناء صرف اعتقاد اور مذہبی روایت کی حیثیت رکھتی ہے۔

۲ - جن مقامات اور ممالک میں مکاتیبِ نبوی روانہ کئے گئے ــــ وہاں کے جغرافیائی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی حالات بھی مختصر طور پر بیان کر دئیے گئے ہیں، تاکہ کسی قدر یہ اندازہ ہو سکے کہ بعثتِ نبوی کے زمانے میں دنیا کن حالات سے گزر رہی تھی، اسی کے ساتھ خطوط کے آخر میں اُن کے نتائج بھی بیان

کر دیئے گئے ہیں۔

۳ ۔ تمام اہم مقامات پر حوالے دیئے گئے ہیں، بعض مقامات پر ایک سے زائد حوالے بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔

۴ ۔ مکاتیبِ نبوی کی تدوین میں تاریخی ترتیب پیش نظر رکھی گئی ہے کیونکہ کسی تحریک کے ارتقائی منازل کی ترجمانی کے لئے تاریخی ترتیب بہت ضروری سمجھی جاتی ہے، زمانۂ نبوت میں عرب میں خطوط پر تاریخ لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ اگرچہ محدثین و مؤرخین نے بعض مکاتیبِ نبوی کے ساتھ ان کے زمانۂ تحریر کی صراحت کردی ہے مگر مکتوبات کی بڑی تعداد ایسی ہے جس میں زمانۂ تحریر کی تصریح نہیں ملتی، اس لئے ان کی ترتیب زمانی معلوم کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ خود مکتوباتِ گرامی کے متن سے اس بارے میں مدد لی جائے اس لئے قرائن سے ان کی تاریخ متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اغلب تو یہ ہے کہ یہ ترتیب صحیح ہے یا قریب قریب صحیح ہے۔ مگر وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس باب میں کہاں تک کامیابی ہو سکی ہے۔

۵ ۔ ترجمے کی زبان کے بارے میں ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ اردو میں خطاب کے لئے کئی لفظ مروّج ہیں، جیسے آپ، تم، تو۔ جو باختلاف مدارج مراتب استعمال کئے جاتے ہیں مگر عربوں میں یہ تفریق نہ تھی، وہاں اگر مخاطب واحد ہے تو خواہ وہ کسی بھی درجے اور مرتبے کا ہو صیغۂ واحد ہی سے مخاطب کیا جاتا ہے۔

مگر اردو میں مخاطب کے مراتب کا لحاظ رکھنا لازمۂ تہذیب ہے اس لئے مکاتیب کے ترجمے کی زبان میں اُن تعظیمی مراتب کا لحاظ رکھا

گیا ہے جو اردو زبان میں ضروری سمجھے جاتے ہیں، اس لئے صیغۂ واحد مخاطب کا ترجمہ روشِ عام سے ہٹ کر "تو" کے بجائے آپ یا تم کیا گیا ہے۔

۶ - عربی ناموں کے پڑھنے میں عموماً دشواری پیش آتی ہے اور بہت کم لوگ انہیں صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں، اس بنا پر صحتِ تلفظ کے خیال سے اسماء و اعلام پر اعراب لگا دیے گئے ہیں۔

۷ - مکتوباتِ نبوی کے آخر میں عام طور پر مصنفین مُہرِ نبوت کی عبارت نہیں لکھتے مگر چونکہ یہ لازمی چیز تھی اور صلح حدیبیہ کے بعد خطوط کے آخر میں مُہرِ نبوت کے ثبت ہونے کا ذکر تمام روایات میں پایا جاتا ہے اس لئے ہر مکتوب نبوی کے آخر میں مہرِ نبوت کی عبارت محمدؐ رسول اللہ لکھ دی گئی ہے۔ اسی طرح شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا بھی التزام کیا گیا ہے۔

۸ - نام مبارک کے ساتھ "صلعم" کے اختصار کے بجائے صلی اللہ علیہ وسلم پورا لکھا گیا ہے تاکہ پڑھنے والے درود کے ثواب اور برکت سے محروم نہ رہیں۔

پیغامِ نبوی کی نسبت ہماری ذمّہ داری :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تمام انسانوں کیلئے ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصّے میں رہتے ہوں، ہماری پوری ذمہ داری ہے کہ خدا کے آخری پیغمبر کی تعلیمات اور اُس کے پیغام کو ہر زبان میں منتقل کر کے ہر شخص تک اس کو پہنچانے کی بھرپور کوشش کریں اور دنیا کو بتائیں کہ یہ تعلیمات صرف مسلمانوں کی میراث نہیں ہیں بلکہ اُس میں اتنے ہی حصہ دار دوسرے لوگ بھی ہیں جتنے خود مسلمان ہیں، اِس پیغامِ نبوی کو نظر انداز کرنا انسانیت کا سب سے بڑا نقصان ہے، اور

بنی نوع انسان کو اس عظیم نعمت سے محروم رکھنا ہے جو عملی دنیا میں انسانیت کی سب سے زیادہ قیمتی متاع ہے!

حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے جس میں مخاطب اگرچہ شخص واحد ہوتا ہے مگر زبانِ نبوّت سے نکلنے کے بعد بات صرف مخاطب تک محدود نہیں رہتی بلکہ روئے زمین پر قیامت تک پیدا ہونے والے انسان اس کے مخاطب بن جاتے ہیں، اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ بارگاہِ رسالت کی یہ اہم مراسلت صرف ان کے مکتوب الیہم تک محدود ہو کر رہ جائے؟ اگر یہ درست نہیں اور یقیناً نہیں ہے تو پھر اس پیغامِ نبوی کو زیادہ سے زیادہ بندگانِ خدا تک پہنچانا ہمارا اور آپ کا اولین فرض ہونا چاہیئے یہ ہر زمانے کے لوگوں کے لئے عام ہیں، مگر افسوس ہے کہ اب تک اس نقطۂ نظر سے اس پیغامِ نبوی کو عام کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے، خدائے بزرگ و برتر اس کوشش کو قبول فرمائے اسے مؤثر اور نتیجہ خیز بنانا صرف اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے۔!

آخر میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ایسے مُہتَم بالشّان کام میں غلطیوں اور کوتاہیوں کا باقی رہ جانا لازمۂ بشریت ہے، اس لئے اپنی کمزوریوں کے پورے احساس و اعتراف کے ساتھ یہ اوراق پیش کر رہا ہوں، اغلاط اور خامیوں پر جو حضرات مطلع فرمائیں گے ان کا تہہِ دل سے ممنون اور شکر گزار ہوں گا۔

مدّت ہوئی مکتوباتِ نبوی کا پہلا ایڈیشن "مکتوبات و معاہدات" کے نام سے شائع ہوا تھا، عوام اور اہلِ علم کے حلقوں میں اسے حسنِ قبول اور پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا، اکثر اخبارات و رسائل نے اس کے کچھ حصّوں

کو اور بعض نے پوری کتاب کو نمایاں طور پر اپنے صفحات میں جگہ دی ہے، یہ قبولِ عام راقم سطور کے لئے عظیم سرمایۂ سعادت و مسرت ہے ھٰذا مِن فضلِ ربّی، ورنہ من آنم کہ من دانم!

مکتوباتِ نبوی کے اس دوسرے ایڈیشن میں بہت سے خطوط اور معاہدات کا اضافہ ہو گیا ہے اور اب اسے مزید ترتیب و تہذیب کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، خدائے بزرگ و برتر کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اب یہ کتاب اپنے موضوع پر تقریباً مکمل ہو گئی ہے، اور امید ہے کہ نقشِ اوّل کے مقابلے میں یہ نقشِ ثانی انشاء اللہ زیادہ پسند کیا جائے گا۔

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ!

گدائے بارگاہِ رسالت

(مولانا) سیّد محبوب رضوی غفرلہٗ

۲۷، ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ

۱۰، مئی ۱۹۷۵ء

نبیِّ رحمت کا اِرشاد

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط

(سورۂ مائدہ رکوع ۱۰)

"اے پیغمبر. جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، اس کو لوگوں تک پہنچا دیجئے۔"

کتنی مبارک تھی وہ ساعتِ صبح جو عالمِ رنگ و بو میں بہارِ جاوداں کا پیغام لے کر آئی، اور آفتابِ ہدایت کی لازوال شعاعوں سے شبستانِ عالم کے گوشے گوشے کو منوّر کر گئی!

ہجرتِ نبوی کا چھٹا سال ختم ہو چکا ہے، ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم حُدَیبیہ کی امن پرور صلح سے (جس کو قرآن حکیم میں) فَتْحًا مُّبِیْنًا اور نَصْرًا عَزِیْزًا سے تعبیر کیا گیا ہے) فارغ ہو کر مسجد نبوی میں رونق افروز ہیں، جاں نثار صحابۂ کرام رضؓ شمع رسالت کے گرد پروانہ وار جمع ہیں، شروع محرّم ۷ ھ، ۶۲۸ء کی ایک جاں فزا صبح کو یکایک زبانِ وحیِ ترجمان سے ارشاد ہوا:-

"اے لوگو! خدائے برتر نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، میں کل دنیا کے لئے خدا کا رسول بن کر آیا ہوں، اس لئے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا

پیغام تمام دنیا تک پہنچا دینا چاہتا ہوں تاکہ خدا کی حجت پوری ہو جائے اور دعوتِ ربانی اور پیغامِ الٰہی سے کائنات کی کوئی جماعت محروم نہ رہے۔" جاؤ! خدا کے بھروسے پر دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کا پیغام سنادو! دیکھو! تمہارا وجود اور تمہاری زندگی، اللہ کا پیغام اُس کے بندوں تک پہنچانے کے لیے وقف ہونی چاہئے۔ خدا کی جنت اس شخص پر حرام ہے جو لوگوں کے معاملات میں شریک رہتا ہے اور ان کو اچھے کاموں کی نصیحت و تلقین نہیں کرتا!" [1]

یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر پہنچانے میں طرح طرح کی اندرونی رکاوٹیں پیش تھیں مگر صلح حدیبیہ کے التوائے جنگ کے معاہدے سے وہ تمام رکاوٹیں اور مزاحمتیں دور ہو گئیں جو اب تک اشاعتِ اسلام کی راہ میں قدم قدم پر سنگِ گراں بنی ہوئی تھیں، صلح کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں ہر جگہ سُرعت کے ساتھ اسلام کا پیغام پہنچنے لگا، چنانچہ دو ہی سال کے اندر لوگ اس کثرت سے مشرف باسلام ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے، [2] اندرونی رکاوٹوں کے دور ہو جانے کے بعد اب ضرورت تھی کہ اسلام کی دعوت کو قرب و جوار کے ممالک میں پہنچانے کے ذرائع

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۸۵ و طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۹۔

[2] تاریخ طبری واقعہ حُدَیبیہ۔

اختیار کیے جائیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سایہ ممالک کے فرماں رواؤں کے نام دعوتِ اسلام کے مکتوباتِ گرامی روانہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا حضرت سلمان فارسی رض اور بعض دوسرے صحابہ رض نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ "روم و ایران کے بادشاہوں کا دستور یہ ہے کہ وہ کسی تحریر کو اس وقت تک مستند نہیں مانتے جب تک اس پر مہر لگی ہوئی نہ ہو"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رائے پسند فرمائی اور اس پر عمل کے لئے حکم دیا کہ چاندی کی انگوٹھی کی مہر تیار کی جائے مہر میں اسمِ مبارک محمد رسول اللہ اوپر نیچے تین سطروں میں نقش کیا گیا۔ ؎

دنیا کے نقشے پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ جزیرہ نمائے عرب ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تین براعظموں کے مقام اتصال پر واقع ہے، زمانۂ قدیم میں مشرق و مغرب کے درمیان یہی ملک عالمی تجارت کا ذریعہ رہا ہے۔ مشرق کا تجارتی مال کاروانوں کے ذریعے عرب ہی کی راہ سے مغرب میں پہنچتا تھا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ پیغامِ ربانی کی دعوت و تبلیغ کے لئے یہ موزوں ترین مقام تھا۔

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دو دور ہیں۔ پہلا دور مکی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرا مدنی زندگی سے، ٹھیک اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور معاہدات کے دور بھی دو ہیں۔ پہلا دور صحابہ کرام رض کی ہجرت حبشہ سے شروع ہوتا ہے جو ہجرتِ نبوی سے ۸ سال قبل ۶۱۴ء میں ہوئی تھی اور دوسرے

؎ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۵۔

دور کا آغاز صلح حدیبیہ کے بعد ۷ ہجری، ۶۲۸ء سے سمجھنا چاہئے۔
چنانچہ اسی تاریخی ترتیب کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور معاہدات کو پیش کیا جا رہا ہے، سب سے پہلا مکتوبِ گرامی حبش کے بادشاہ کے نام تحریر فرمایا گیا تھا۔

شاہِ حبش کے نام

حبش، عرب کے جنوب میں مشرقی افریقہ میں واقع ہے حبش عربی نام ہے، یونانی میں اسے اِتھوپیا (ETHIOPIA) کہتے ہیں، دنیا کے موجودہ نقشے میں یہ اے، بی، سینیا کے نام سے موسوم ہے، حبشی زبان میں بادشاہ کو نجوس (NEGUS) کہتے ہیں. نجاشیؔ اسی نجوس کا معرّب ہے، حبش کا رقبہ دو لاکھ ستانوے ہزار مربع میل ہے۔

حبش اور اسلام کے تعلقات بہت قدیم ہیں، آغازِ اسلام میں مہاجرین صحابہؓ کا اوّلین قافلہ اسی ملک میں پناہ گزین ہوا تھا۔

بعثتِ نبوی کے زمانے میں حبش کے تخت پر اَصحمہ نامی بادشاہ متمکن تھا، اس کا خاندان چوتھی صدی عیسوی سے حبش پر حکمراں تھا۔ یہ خاندان پہلے بت پرست تھا، رومی شہنشاہیت (رومن امپائر) نے مصر کے ذریعے یہاں عیسائیت کی بنیاد ڈالی، اسکندریہ کے ایک بشپ [1] نے یہاں اپنے مشن کا ایک مرکز قائم کیا۔ رفتہ رفتہ تمام ملک بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہوگیا۔ [2]

مکہ مکرّمہ کی وسیع سرزمین جب اسلام کے حلقہ بگوشوں پر خدائے واحد کا نام لینے کے "جرم" میں تنگ ہوگئی اور قریشِ مکہّ کے مظالم

---

[1] بشپ کے لغوی معنی نگہبان کے ہیں، کلیسا میں خدمت دین کا یہ ایک بڑا عہدہ ہے، جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری یوحنا نے قائم کیا تھا۔ (تواریخ مسیحی کلیسا ص ۱۳)

[2] تواریخ مسیحی کلیسا ص ۲۶۸۔

حد سے گزر گئے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ ہجری، ۶۱۴ء قبل ہجرت
بیں مظلوم پرستارانِ توحید کو اجازت دی کہ وہ ہجرت کرکے حبش چلے جائیں۔
شاہ حبش سے امید ہے کہ وہ حسنِ سلوک سے پیش آئے گا۔

مہاجرین کے پہلے قافلے کے سالار حضرت عثمان ذی النورین تھے،
عرصے تک ہجرت کا سلسلہ جاری رہا اور تقریباً ایک سو مرد اور عورتیں حبش
میں جمع ہو گئے، مہاجرین کا آخری قافلہ ۷ ہجری، ۶۲۹ء میں حبش سے واپس
آیا ـــ مہاجرین کے دوسرے قافلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے
بھائی حضرت جعفر طیارؓ بھی تھے، خاندانِ رسالت (بنی ہاشم) میں یہ پہلے
نوجوان تھے جو اسلام میں داخل ہوئے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس مرتبہ شاہ حبش کے نام ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا، مکتوباتِ
نبویؐ میں غالباً یہ سب سے پہلا نامۂ مبارک ہے۔ اس میں لکھا تھا:-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے
محمد رسول اللہ کی جانب سے ـــ نجاشی شاہِ حبش کے نام
میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں،
جو تمام کائنات کا حاکم ہے، پاک ہے، امان دینے والا اور
سلامت رکھنے والا ہے!
میں اقرار کرتا ہوں کہ عیسیٰ ابنِ مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ
ہیں جن کو پاک اور برائی سے محفوظ مریمؑ بتول کی طرف
ڈالا گیا، اور عیسیٰ بطنِ مریم سے جلوہ افروز ہوئے، اللہ
نے ان کو اپنی روح اور دَم سے اسی طرح پیدا کیا جس
طرح اس نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا، میں

آپ کو اس خدائے واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں، اس پر ایمان لایئے، خدا کی فرمانبرداری میں میرا ساتھ دیجئے میری پیروی اختیار کیجئے اور میری رسالت کو تسلیم کر لیجئے، کیوں کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں! میں نے اللہ کا پیام خلوص کے ساتھ آپ کو پہنچا دینے میں خیر خواہی کی ہے میری ہمدردانہ نصیحت کو قبول کرنا آپ کا کام ہے میں آپ کی رعایا کو بھی یہی دعوت دیتا ہوں۔ میں اپنے چچا زاد بھائی جعفر رضؓ کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھیج رہا ہوں، جب یہ آپ کے پاس پہنچیں تو حکومت کے غرور و تکبر کو ترک کر کے ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے!

اس پر سلامتی ہو جس نے راہِ راست کی پیروی کی۔[1]

مکتوب نبوی میں عام طور پر توحید کی دعوت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کوئی انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو معبود نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ مخلوق ہے، اور مخلوق کو خالق کے برابر درجہ دینا اپنی اور خالق دونوں کی توہین ہے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۷۸۹۔

حبش میں اسلام کا تعارف

قریشِ مکہ کو یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ مسلمان حبش میں امن و سکون کی زندگی گزار سکیں، انہوں نے شاہ حبش کے دربار میں مہاجرین کی واپسی کے لئے ایک وفد بھیجا، اور نجاشی کو مشتعل کرنے کے لئے کہا کہ "یہ لوگ عجیب و غریب عقائد رکھتے ہیں جن سے نہ ہم واقف ہیں اور نہ آپ"۔

شاہ حبش نے وفد کی اس شکایت پر مہاجرین سے ان کے عقائد دریافت کئے۔ اس موقع پر مہاجرین کی طرف سے حضرت جعفرؓ نے برجستہ ایک تقریر کی جس میں پہلے عرب جاہلیت کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کو بیان کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کر کے بتایا کہ آپ کیا تعلیمات پیش کرتے ہیں، پھر اُن مظالم کا ذکر کیا جو حضور اکرمؐ کی پیروی اختیار کرنے والوں پر قریش کے لوگ ڈھا رہے تھے، آخر میں فرمایا کہ دوسرے ملکوں کے بجائے ہم نے آپ کے ملک کا رُخ اس امید پر کیا ہے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا، یہ پُر حقائق اور بصیرت افروز تقریر اسلام کے فکر و نظر اور عقائد و اعمال کا شاہکار مرقع ہے، حضرت جعفرؓ نے کہا:

شاہِ ذی جاہ! ہم ایک سخت جاہل قوم تھے، مصنوعی اور خود ساختہ بتوں کی پرستش ہمارا مذہبی شعار تھا، مردار خوری، بدکاری اور بے رحمی ہماری معاشرت کا اہم جزو بن گیا تھا، ہم نہ ہمسایہ کے حقوق سے واقف تھے اور نہ اخوت و ہمدردی

سے آشنا، ہر طاقت ور کمزوروں کو کھا جانے پر فخر کرتا تھا۔ یہ تھا ہمارا معیارِ زندگی!

ہماری اس تباہ حالی کا دور عرصۂ دراز سے قائم تھا کہ یک بہ یک خدائے برتر نے ہماری قسمت کا پانسہ پلٹ دیا اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر بھیجا جس کے نسب و حسب سے ہم پوری طرح واقف ہیں، جس کی سچائی اور امانت کا حال ہم پر روشن ہے اور جس کی عفت و پاک دامنی ہر وقت ہماری نظروں میں رہی ہے، وہ آیا اور اس نے ہمیں ہدایت کی اور وہ روشن شمع ہمیں دکھلائی جس نے ہماری آنکھوں سے ہماری بدکرداری اور جہالت کی تاریکی کے تمام پردے چاک کر دیے!

اس نے کہا کہ تم صرف خدائے واحد کی پرستش کرو، اور اسی کو اپنا خالق اور اپنا مالک سمجھو بُت پرستی کو چھوڑ دو، تمہارے یہ خود ساختہ معبود تمہیں نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان! تم راہی کی بنیاد باپ دادا کی کورانہ تقلید ہے!

اس نے ہمیں تعلیم دی کہ ہمیشہ سچ بولو، امانت میں کبھی خیانت نہ کرو، ہم سایہ کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھو، خوں ریزی اور خدا کی حرام کی ہوئی باتوں سے بچو، فحش کاموں اور جھوٹ کے قریب نہ جاؤ، یتیم کا مال نہ کھاؤ، اور پاک دامن کو تہمت نہ لگاؤ، خدائے واحد کی عبادت کرو، روزہ رکھو اور

اموال کی زکوٰۃ دیا کرو۔

بادشاہ سلامت! اس نبی نے اسی قسم کے اور بہت سے بہترین امور کی ہمیں تعلیم دی ہے، ہم نے اُس کی تصدیق کی، اس کو خدا کا پیغمبر سمجھا اور اس پر ایمان لائے اور جو کچھ اس نے خدا کا حکم ہمیں سنایا، ہم نے اس کی پیروی کی۔ ہم نے خدا کو ایک جانا، شرک سے توبہ کی، حلال کو حلال سمجھا، اور حرام کو حرام جانا! یہ ہے ہمارا جرم جس پر ہمارے ہم وطنوں نے ہمیں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا، اور ہم نے آپ کے ملک میں آ کر پناہ لی ہے۔"

روحانی اور اخلاقی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں کہ ان ہی قدروں پر انسانیت کی بنیادیں قائم ہیں۔

شاہ حبش پر اس پُر حقائق تقریر کا بڑا اثر ہوا، اس نے قریش کے وفد کو صاف جواب دیدیا کہ ایسے پاکیزہ عقائد رکھنے والے نیکوکار لوگوں میں واپس کر کے ظالموں کے ظلم و ستم کا شکار ہرگز ہرگز نہ بننے دوں گا۔ [1]

حبشہ سے مسلمانوں کو ہمیشہ جذباتی لگاؤ رہا ہے، مسلمانوں نے صحرائے افریقہ کے ایک ایک گوشے میں اپنی حکومتیں قائم کر دیں مگر اپنے بالکل قریب کے ملک حبشہ کو کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا چونکہ حبشہ میں مہاجرین صحابہؓ کی ایک چھوٹی سی جماعت کو آغازِ اسلام میں گوشۂ عافیت نصیب ہوا تھا، مسلمانوں نے اس جذبۂ احسان مندی کا یہ صلہ دیا کہ اُن

---

[1] مسند احمد جلد اول ص ۲۰۱-۲۰۳۔ و سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۱۱۶-۱۱۷۔

کہ کسی فاتح لشکر نے تاریخ کے طویل دور میں کبھی حبشہ کا رُخ نہیں کیا، حالانکہ حبشہ چاروں طرف مسلم حکومتوں سے گھرا رہا ہے، مگر مسلمانوں نے تاریخ اخلاق کے اس واقعے کو کبھی فراموش نہیں کیا۔

شاہ حبش کے نام اس مکتوبِ گرامی کے مضمون کو
جناب الم مظفّر نگری نے حسبِ ذیل نظم میں پیش کیا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسول حق کی طرف سے، بنام نجاشی — یہ نامہ ہے، پئے تبلیغ دیں برسمِ قدیم
سلامتی کی ہوں برکات، اس پہ شام و سحر — جو راہِ راست پہ ہو گامزن بقلب سلیم
میں اس خدا کا ہوں مداح، جو کہ یکتا ہے — ہے برگزیدہ بہ معبودیت وہ ربِّ کریم
ازل سے مالکِ کُل کائناتِ عالم ہے — پناہِ امن و سکوں ہے اسی کی ذاتِ قدیم
شہادت اس کی میں دیتا ہوں عیسیٰ مریم — کلامِ حق بھی ہیں اور ہیں خدا کی روحِ عظیم
وہ روح جو ہوئی القا وجودِ مریمؑ پر — بنیں وہ مادرِ پیغمبرِ خدائے حکیم
خدا نے روح سے اپنی کیا انہیں پیدا — پھر ان کو پھونکا بمریم بحکمت و تنظیم
ہوئی تھی جیسی کہ تخلیقِ آدمِ خاکی — اسی طرح بنِ مریم ہوئے بہ فیضِ کریم
میں اس خدا کی طرف، اب تمہیں بلاتا ہوں — خدائی جس کی ازل سے ہے بے شریک و سہیم
اطاعت اس کی محبت کے ساتھ لازم ہے — اور اس کے بعد مری پیروی بعقلِ سلیم
میں لے کے آیا ہوں پیغامِ حق جو دنیا میں! — کرو قبول تم اس کو ہو، گر عقیل و فہیم
تمہیں بھی، اور تمہاری تمام فوج کو بھی — بلا رہا ہوں خدا کی طرف بعزمِ صمیم
ادا فریضۂ تبلیغ کر دیا میں نے — قبول کرنے میں اب اس کے تم کرو تقدیم
جو پیروانِ ہدایت ہیں، ہو سلام اُن پر — حقیقتہً ہے انہیں کے لئے بہشتِ نعیم

اللہ
رسول
محمد

معاہدۂ مدینہ

ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکّہ مکرّمہ میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے مبارک کام کا آغاز کیا تو قریش نے ابتداءً حیرت کا اظہار کیا، پھر نفرت اور آخر کار مخالفت و معاندت پر اتر آئے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام قبول کرنے والوں پر طرح طرح کے لرزہ خیز مظالم ڈھانے لگے، جب مقامی حالت ناقابلِ برداشت ہو گئی اور جسمانی اذیتوں سے جان کے لالے پڑ گئے تو نبوّت کے تیرھویں سال ربیع الاوّل ۶۲۲ عیسوی میں آپ نے مدینہ منوّرہ ہجرت فرمائی۔

مدینہ منوّرہ میں (جو اب تک یثرب کے نام سے موسوم تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد مدینۃُ الرسول کے نام سے موسوم ہوا) مدینہ میں ان عرب قبائل کے علاوہ جن کے بعض خوش نصیب افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے یہودیوں کے بھی مختلف قبائل آباد تھے۔

یہاں مختصر طور پر یہ بتا دینا ضروری ہوگا کہ عرب میں اس وقت تک قبائلی نظام رائج تھا، کوئی باقاعدہ مرکزی حکومت نہ تھی، ہر قبیلے کا الگ الگ سردار رہتا تھا اس لامرکزیت کا لازمی نتیجہ خانہ جنگی تھی جس میں عرب صدیوں سے مبتلا تھے اور ان کا لامتناہی سلسلہ کسی طرح ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔

ہجرت کے بعد جب اسلام مدینہ منورہ میں پہنچا تو اس کی حیثیت

دعوت سے بڑھ کر ایک شہری اسٹیٹ کی ہو گئی، اس ریاست کے سربراہ اعلیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، حضور اکرمؐ نے مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ کو "حرم" قرار دے کر ایک متحدہ مرکز بنا دیا اور ایک ایسی سلطنت قائم کی جو خاندان و قبیلے کی عصبیت اور رنگ و نسل کے امتیاز سے ماورا تھی، اس میں ایک ایسا نظام رائج کیا جس کی بنیاد تقویٰ اور عدل و انصاف پر رکھی گئی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں قیام کے بعد وہاں کے منتشر اجزا کو ایک مرکز پر لانے کی مساعی کا آغاز ہوا، آپ نے مدینہ میں ایک ایسے معاشرے کی تشکیل فرمائی جس میں دینی اور اخلاقی تبلیغ کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور تہذیبی و تمدنی نظام کی بنیادوں کو بھی استوار کیا گیا، اور یہ عظیم کام اتنی قلیل مدت میں بسرعت انجام پذیر ہوا کہ تاریخ میں اس سے پہلے اتنے بڑے انقلاب کا کہیں سراغ نہیں ملتا، مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے علاوہ یہودیوں کے بھی متعدد قبائل آباد تھے، اوس و خزرج کے مقابلے میں یہودی زیادہ تعلیم یافتہ، صناع، دولت مند اور متمدن تھے۔ اوس و خزرج بھی ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے، یہودیوں نے مدینہ اور اس کے اطراف میں تجارت کے ساتھ سودی لین دین کا کاروبار بھی پھیلا رکھا تھا، تمام آبادی ان کے قرضوں سے زیر بار رہتی تھی، اسلحۂ جنگ کے ذخیرے بھی بڑی مقدار میں اُن کے پاس موجود رہتے تھے۔

ان لوگوں میں اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ ان سے سیاسی تعلقات کی نوعیت متعین ہو جائے، کیونکہ قریش یہ جان کر کہ مسلمان مکہ سے چلے گئے ہیں مطمئن ہو کر نہیں بیٹھے تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی جماعت مدینہ میں جمع ہو رہی ہے تو

انہوں نے اسلام کے اس نئے مرکز کو تباہ کرنے کی تیاری شروع کر دی تھی اس لئے ضروری تھا کہ مدینہ کے چاروں طرف یہود کی جو بستیاں تھیں مسلمان اُن سے اپنے سیاسی تعلقات واضح طور پر متعین کر لیں تاکہ قریش کے حملے کے وقت یہودی ان کے مددگار نہ بن سکیں۔ یہودی ایک بڑی طاقتور قوم تھے، مدینہ کے دوسرے دو بڑے قبیلوں اوس و خزرج کی باہمی جنگوں میں یہودی ایک دوسرے کے حلیف بن کر شامل ہوا کرتے تھے۔ اوس و خزرج میں ہمیشہ باہم جنگ رہتی تھی یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ جنگ میں اوس کا ساتھ دیتا تھا، اور دوسرا قبیلہ بنو نضیر خزرج کا حلیف ہوتا تھا۔

اوس و خزرج کے بہت سے افراد حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آتے ہی یہودی قبیلوں کے ساتھ امن و امان کا معاہدہ کیا اور آپس میں صلح و امن کے ساتھ رہنے کی بنیاد ڈالی، معاہدے کی رو سے فریقین اس بات کے ذمہ دار تھے کہ مدینہ میں امن و امان قائم رکھیں گے۔ اور اگر کوئی غنیم مدینہ میں حملہ آور ہوگا تو سب مل کر مشترکہ طور پر دفاع اور مقابلہ کریں گے، اس معاہدے کو موجودہ اصطلاح میں "بقائے باہم" کا معاہدہ کہا جا سکتا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے دونوں فریقوں کو ترقی کے یکساں مواقع حاصل تھے۔ مشترکہ ذمہ داریوں کی بنیاد پر امن و آشتی کے ساتھ اسلام کے پھلنے پھولنے اور برگ و بار لانے کے لئے موزوں ترین فضا یہی ہو سکتی تھی، لیکن آگے چل کر یہودیوں نے نہ صرف یہ کہ معاہدے کا کوئی احترام نہیں کیا بلکہ وہ قریش مکہ سے برابر سازباز کرتے رہے، اور جن مقاصد کے لئے معاہدہ

عمل میں آیا تھا ان کو خود یہودیوں نے پامال کر دیا، مگر اوس و خزرج معاہدے پر قائم رہے اور ان کی لامتناہی خانہ جنگیوں کا سلسلہ یک لخت رک گیا۔ یہ معاہدہ "۵۲" دفعات پر مشتمل تھا، اس میں ابتدائی ۲۵ دفعات مسلمانوں اور عرب قبائل سے متعلق ہیں اور آخر کی ۲۷ دفعات میں یہودیوں کے حقوق و فرائض سے بحث کی گئی ہے جو انصار کے بعد مدینہ منورہ کی دوسری بڑی طاقت تھے۔

یہ معاہدہ بقول ڈاکٹر حمید اللہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور (CONSTITUTION) ہے، [1] جو خدا کے آخری پیغمبر نے نوع انسانی کو عطا فرمایا۔

معاہدے میں صاف طور سے اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ منبع اقتدار ذاتِ خداوندی ہے، مسلمانوں میں تعداد کی کمی سے جو کم زوری اور خطرات پیدا ہو سکتے تھے اس کے تدارک کے لئے انہیں راہِ ہدایت پر ہونے کا اطمینان دلا کر نصرتِ خداوندی کا یقین دلایا گیا ہے۔

پناہ دہی کا حق انفرادی طور سے ہر چھوٹے بڑے شخص کو دیا گیا ہے اور پناہ کے وعدے کا احترام پوری امت پر واجب قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] ممالک کے عام قواعد و قوانین کم و بیش تحریری صورت میں تو ہر جگہ ملتے ہیں لیکن دستورِ مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریر میں لانا اس سے قبل تاریخ کے اوراق میں کہیں نہیں ملتا۔ منوسمرتی (سنہ ۵۰۰ ق م) میں بے شبہ راجہ کے فرائض کا بھی ذکر ہے، اور کوتلیا ارتھ شاستر (سنہ ۳۰۰ ق م) اور اس کے ہم عصر ارسطو کی تصانیف میں بھی سیاسیات پر مستقل کتابیں ملتی ہیں، لیکن یہ سب یا تو درسی اور مشاورتی کتابوں کی حیثیت رکھتی ہیں یا کسی مقام کے دستور کا تاریخی تذکرہ ہیں، کسی مقتدرِ اعلیٰ کی طرف سے نافذ کردہ مستند دستور مملکت کی حیثیت ان میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" جلد اوّل ص ۷۴-۷۶ مؤلفہ ڈاکٹر حمید اللہ استاذِ قانون و اسلامیات پیرس یونیورسٹی۔

اس طرح آزادئ عمل اور بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان اخوت و مساوات قائم کر دی گئی ہے۔

معاہدے میں انصاف میں مداخلت کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ معاملات میں جانب داری برتنے اور اپنے قریب ترین رشتے داروں تک کی بے جا حمایت کرنے کی کوشش سے روکا گیا ہے اور اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ ہر ضرر پہنچانے والے کو سزا دینے میں پوری طرح ہر شخص کا ہاتھ بٹائے۔

یہودیوں کو مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی حقوق میں صراحت کے ساتھ مساوات قائم کر کے "پورے حقوقِ شہریت" عطا کئے گئے ہیں اور ان کو مذہبی آزادی دے کر نہایت فیاضانہ رواداری کا معاملہ برتا گیا ہے، ان کی شریعت اور ان کے حقوق کی مساوات تسلیم کی گئی ہے چنانچہ معاہدے میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ دشمن سے کسی جنگ کی صورت میں اگر مسلمان اور یہودی اتحادِ عمل کریں گے تو ہر حلیف اپنے مصارفِ جنگ خود برداشت کرے گا۔

اس معاہدے کے ذریعے مدینہ منورہ کو مکّہ مکرمہ کی طرح حرم قرار دے کر ایک متحدہ مرکز بنا دیا گیا ہے اور ایک ایسا نظام قائم کیا گیا۔ جو ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں میں بہت جلد رائج ہو گیا۔

اس معاہدے کے متن کا ترجمہ یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ا - خدا کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ معاہدہ مہاجرین، قریش اور اہلِ یثرب (مدینہ) میں سے اسلام قبول کرنے والوں اور ان

سب لوگوں کے لئے نافذ ہوگا جو مذکورہ جماعتوں کے ساتھ متفق ہوں اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک رہیں۔

۲ - غیر معاہدین کے مقابلے میں معاہدین کی ایک علیحدہ جماعت شمار ہوگی۔

۳ - مہاجرین قریش بجائے خود ایک جماعت ہیں، وہ حسب سابق اپنے مجرموں کی جانب سے دِیت (خون بہا) کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے اور اپنے قیدیوں کو خود ہی فِدیہ دے کر چھڑائیں گے، یہ سب کام ایمان و انصاف کے اصول کے ماتحت ہوں گے۔

۴ تا ۱۱ - بنی عوف، بنی الحارث، بنی ساعدہ، بنی جُشَم، بنی النجار، بنی عمرو، بنی النبیت اور بنی الاوس اپنی اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے اور حسب دفعہ ۲ اپنی اپنی دیت باہم مل کر ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کو خود ہی فدیہ دے کر چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام کام اصول دیانت اور انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے[۱]

۱۲ - مسلمانوں میں اگر کوئی مفلس کسی ایسے جرم کا مرتکب ہو جس پر دیت واجب ہوتی ہے، یا کہیں قید ہو جائے اور فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دوسرے مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ وہ اس شخص کی جانب سے دیت یا فدیہ ادا کر کے اس کو چھڑائیں تاکہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں نیکی اور ہمدردی رونما ہو۔

---

[۱] اصل معاہدے میں مذکورہ بالا قبائل کے لئے ہر ایک کے ساتھ ان ہی الفاظ کا اعادہ کیا گیا ہے، ترجمے میں اختصار کے لئے سب کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

۱۳ - کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے آزاد کردہ غلام کی مخالفت نہیں کرے گا۔

۱۴ - مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ہر ایسے شخص کی علی الاعلان مخالفت کریں جو فتنہ و فساد برپا کرتا ہو اور خلقِ خدا کو ستاتا ہو یا زبردستی کوئی چیز حاصل کرنا چاہے اور سرکشی اختیار کرے، ایسے شخص کو سزا دینے میں تمام مسلمان آپس میں متفق رہیں گے خواہ وہ شخص ان میں سے کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔

۱۵ - کسی مسلمان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ کسی مسلمان کو کسی کافر (محارب) کے بدلے میں قتل کرے، یا کسی مسلمان کے مقابلے میں کسی محارب کو مدد پہنچائے۔

۱۶ - خدا کا عہد، ذمہ داری اور پناہ ایک ہی ہے، یعنی اگر کسی مسلمان نے کسی کو پناہ دے دی تو اس کی پابندی تمام مسلمانوں پر لازم ہوگی، خواہ پناہ دینے والا ادنیٰ درجے کا مسلمان ہی کیوں نہ ہو، تمام مسلمان دوسروں کے بالمقابل آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

۱۷ - جن یہود نے ہمارے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے ان کے متعلق مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کو مدد دیں اور مواسات کا برتاؤ کریں، ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے اور نہ اُن کے خلاف ان کے دشمن کو مدد دی جائے۔

۱۸ - سب مسلمانوں کی صلح ایک ہی ہوگی، جب اللہ کی راہ میں جنگ ہو تو کوئی مسلمان دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر دشمن سے اس وقت تک صلح نہیں کرے گا جب تک وہ صلح سارے مسلمانوں کے لئے

برابر اور یکساں نہ ہو۔

۱۹ - ان تمام جماعتوں کو جو ہمارے ساتھ جنگ میں حصہ لیں گی نوبت بہ نوبت آرام کرنے کے لئے موقع دیا جائے گا۔

۲۰ - جو مسلمان جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو جائیں ان کے پس ماندگان کا تکفل تمام مسلمانوں پر واجب ہو گا۔

۲۱ - بلاشبہ تمام متقی اور پرہیز گار مسلمان راہ راست اور سب سے اچھے طریقے پر ہیں۔

۲۲ - کوئی غیر مسلم معاہد قریش کی جان و مال کو کسی طرح کی پناہ نہ دے گا اور نہ کسی غیر مسلم کو کسی مسلمان کے مقابلے میں مدد پہنچائے گا۔

۲۳ - کوئی شخص اگر کسی مسلمان کو قتل کر دے اور ثبوت موجود ہو تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ ہاں اگر مقتول کا وارث دیت لینے پر راضی ہو جائے تو دیت ادا کر کے گلو خلاصی ہو سکتی ہے، تمام مسلمانوں پر بلا استثناء اس امر کی تعمیل لازمی ہو گی، مذکورہ امور کے علاوہ اور کوئی چیز قابلِ قبول نہ ہو گی۔

۲۴ - کسی مسلمان کے لئے جس نے اس معاہدے کو تسلیم کر کے اس کی پابندی کا اقرار کر لیا ہے اور وہ خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے یہ ہرگز جائز نہ ہو گا کہ وہ کوئی نئی بات پیدا کرے اور نہ یہ جائز ہو گا کہ وہ کسی ایسے شخص سے معاملہ رکھے جو اس معاہدے کا احترام نہ کرتا ہو، جو شخص اس امر کی خلاف ورزی کرے گا قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہو گا اور اس بارے میں اس کا کوئی عذر اور توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

۲۵ - اہلِ معاہدے میں جب کسی چیز کے متعلق آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کے فیصلے کے لئے خدا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رجوع کیا جائے گا۔

۲۶ - اس معاہدے کے بعد یہود پر لازم ہو گا کہ وہ جنگ کی حالت میں جب کہ مسلمان کسی دشمن کے ساتھ برسرِ پیکار رہوں مسلمانوں کو مالی امداد دیں۔

۲۷ تا ۳۶ - بنی عوف، بنی النجار، بنی الحارث، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی الاوس بنی ثعلبہ، بنی جفنہ، اور بنی الشطیبہ کے یہود جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے اور مسلمانوں کے حلیف ہیں اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی یا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہو گا۔ [1]

۳۷ - یہود کے مذکورہ بالا قبائل کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں۔

۳۸ - معاہدہ کرنے والوں میں کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر فوجی اقدام نہیں کرے گا۔

۳۹ - کسی زخم یا ضرب کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔

---

[1] اصل معاہدے میں مذکورۂ بالا قبائل کے لئے ہر ایک کے ساتھ ان ہی الفاظ کا اعادہ کیا گیا ہے، ترجمے میں بنظر اختصار سب کو یک جا کر دیا گیا ہے۔

جو شخص بھی عہد شکنی کرے گا وہ اس کی سزا کا مستحق ہو گا، اور جو شخص اس معاہدے کی زیادہ سے زیادہ وفادارانہ تعمیل کرے گا، خدا اس کی مدد کرے گا۔

۴۰۔ اگر مسلمان اور یہود معاہدین کے خلاف کوئی تیسری قوم جنگ کرے تو ان تمام معاہدین کو متفق ہو کر لڑنا ہو گا، وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور باہم بہی خواہی اور وفا شعاری ہو گی، یہودی اپنے مصارف جنگ برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے مصارف۔

۴۱۔ معاہدہ کرنے والے فریقین پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوص اور خیر خواہی کا برتاؤ کریں، کوئی کسی پر ظلم اور ناانصافی نہ کرے، اور مظلوم کو مدد پہنچائے۔

۴۲۔ یہود اس وقت تک مسلمانوں کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔

۴۳۔ یثرب کا وہ میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہے، اس معاہدے میں شریک ہونے والوں کے لئے حرم ہو گا۔[1]

---

[1] حرم کی اصطلاح ایک نیم مذہبی اور نیم سیاسی مفہوم رکھتی ہے، اس کا مذہبی مفہوم یہ تھا کہ وہاں کی ہر چیز کو ایک تقدس حاصل رہے، وہاں کے چرند پرند کا شکار نہ کیا جائے، وہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں، وہاں خون ریزی نہ کی جائے، اور وہاں آنے والوں کو دوران قیام میں امن اور پناہ میں سمجھا جائے، خواہ مجرم ہی کیوں نہ ہوں، حرم کا سیاسی مفہوم یہ تھا کہ وہ اس شہری مملکت کی حدود کا تعین کرتا تھا۔ (عہد نبوی کا میدانِ جنگ" مؤلفہ ڈاکٹر حمید اللہ، ص ۱۱، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۴۵ء)

۴۴ - پناہ گزین سے بھی وہی برتاؤ کیا جائے گا جو پناہ دہندہ کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے، پناہ گزین پر اس معاہدے کی تعمیل لازم ہوگی اور اسے عہد شکنی کی اجازت نہ ہوگی۔

۴۵ - کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۴۶ - اہل معاہدہ میں اگر کوئی حادثہ یا اختلاف رونما ہو جس سے نقضِ امن کا اندیشہ ہو تو اس کے فیصلے کے لئے خدا اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رجوع کیا جائے گا، جو شخص اس معاہدے کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کرے گا خدا اس کے ساتھ ہوگا

۴۷ - قریشِ مکہ اور ان کے کسی مددگار کو کوئی شخص پناہ نہیں دے گا۔

۴۸ - اگر کوئی یثرب (مدینہ) پر حملہ آور ہوگا تو مسلمان اور یہود دونوں فریق مِل کر مدافعت کریں گے۔

۴۹ - اگر مسلمان کسی سے صلح کریں گے تو یہود بھی اس صلح کے پابند ہوں گے، اور اگر یہود کسی سے صلح کریں گے تو مسلمانوں پر بھی لازم ہوگا کہ یہود کے ساتھ ایسا ہی تعاون کریں، البتہ کسی فریق کی اپنی مذہبی جنگ میں دوسرے فریق پر تعاون کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

۵۰ - یثرب پر حملہ کی صورت میں ہر جماعت کو اس حصّے کی مدافعت کرنا ہوگی جو اس کے بالمقابل ہو۔

۵۱ - قبیلۂ اوس کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس معاہدے میں شریک ہونے والوں کو حاصل ہیں بشرطیکہ وہ بھی

وفاداری کا اظہار کریں، جو اس معاہدے کی زیادہ سے زیادہ وفاداری کے ساتھ تعمیل کرے گا، خدا اُس کا حامی و مددگار ہے۔

۵۲ - اس معاہدے میں شریک ہونے والی جماعتوں میں سے اگر کسی فریق یا جماعت کو جنگی ضرورت سے مدینہ سے باہر جانا پڑے تو وہ امن و حفاظت کی مستحق ہوگی، اور جو مدینہ میں رہے اس کے لئے بھی امن ہوگا، کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا اور نہ کسی کے لئے عہد شکنی جائز ہوگی جو اس معاہدے کا سچے دل سے احترام اور تعمیل کرے گا اس کے لئے اللہ اور اس کا رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نگہبان ہیں۔[۱]

اس معاہدے کے ایک فریق مسلمان تھے اور دوسرا فریق مشرکینِ مدینہ اور یہودیوں کا تھا، اس میں وہ سب لوگ بھی شامل تھے جو مشرکین اور یہودیوں کے حلیف تھے اور مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں آباد تھے۔

معاہدے کا خلاصہ یہ ہے کہ جس فریق کے جو معاہدات آپس میں ہیں ان کا احترام کیا جائے گا، اور ان شرائط کی پوری تائید کی جائے گی، جو ان کے حلیف ہوں گے ان سے تعاون کیا جائے گا اور جو مخالف ہوں گے اُن سے کوئی تعلق نہیں رکھا جائے گا، معاہدے کے

---

[۱] ابن ہشام جلد اول ص ۱۷۸، ۱۷۹، از البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۲۴ — ۲۲۶، والوثائق السیاسیۃ ص ۱ - ۷۔

دونوں فریق اپنے اپنے مذہب میں آزاد ہوں گے۔
اس بارے میں کوئی ایک دوسرے پر جبر نہ کر سکے گا،
اس معاہدے کو سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک طرح کا "بقائے باہم" اور "متحدہ
دفاع" کا معاہدہ ہے، جس کی رُو سے شہر مدینہ ایک
حرم یعنی سیاسی وحدت یا ایک شہری مملکت قرار
دیا گیا ہے۔"

معاہدۂ قبیلہ جہینہ

ہجرت کے بعد قریش کی مخالفت نے قبائل عرب میں ایک آگ لگادی تھی، کسی قبیلے کی جانب سے اطمینان نہیں رہا تھا، مدینہ پر ہر وقت حملے کا خطرہ رہتا تھا، صحابہ کرامؓ راتوں کو پہرے دیتے تھے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ مدینہ کے یہودیوں سے مذکورہ بالا معاہدے کے علاوہ مدینہ کے اطراف و جوانب میں رہنے والے قبائل سے بھی رفاقت و خیر سگالی کے معاہدے کر کے اتحاد و یک جہتی کی فضا قائم کی گئی، جن قبیلوں سے معاہدے کئے گئے ان میں سب سے پہلا قبیلہ جہینہ کا تھا، یہ واقعہ ۱ ہجری، ۶۲۲ عیسوی کا ہے۔

یہ قبیلہ مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ینبوع کے قریب بحر احمر کے نزدیک آباد تھا، اسی کے قریب دوسرے دو قبیلے مُزَینہ اور بنو ضمرہ رہتے تھے، بنو ضمرہ سے بھی باہمی رفاقت کا معاہدہ ہوا جسے آگے چل کر اس کے حلیف بنو مدلج نے بھی تسلیم کر لیا۔ یہ علاقہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ جو قبیلے آمادۂ اتحاد نہیں ہوئے ان سے غیر جانبداری کا پیمان لیا گیا اور طے پایا کہ وہ یا تو فریقین سے یکساں مراعات برتیں گے یا پھر بالکل غیر جانب دار رہیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ینبوع میں قبیلہ جہینہ کا ایک

وفد خدمت نبوی میں معاہدۂ حلیفی کے لئے حاضر ہوا، آپؐ نے دریافت فرمایا، "تم کون لوگ ہو؟"

"انہوں نے جواب دیا "ہم بنی غیّان ہیں"۔ غیّان کے معنی سرکشی کے ہیں، اس لئے آپؐ نے فرمایا، "نہیں! تم بنی رُشدان ہو"۔ رُشدان کے معنی ہدایت پانے کے ہیں۔ یہ لوگ جس وادی میں رہتے تھے اس کا نام "غوی" تھا، جس کے معنی گم راہی کے ہیں، آپؐ نے تبدیل فرما کر "رُشد" رکھ دیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ناموں کو جن میں برُائی کا پہلو نکلتا تھا ناپسند فرماتے تھے، اس لئے عادتِ شریفہ یہ تھی کہ ہمیشہ برے ناموں کو اچھے ناموں سے تبدیل فرما دیا کرتے تھے، ان لوگوں سے مندرجہ ذیل معاہدہ عمل میں آیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱ ۔ قبیلۂ جہینہ کی جان و مال کو امن حاصل ہوگا۔

۲ ۔ جو شخص ان پر زیادتی کرے یا حملہ آور ہو اس کے مقابلے میں ان کو مدد دی جائے گی۔

۳ ۔ لیکن جو زیادتی یا جنگ ان کے اہل وعیال کے درمیان ہو، یا ان کے مذہبی معاملات سے متعلق ہو اس میں امداد لازم نہ ہوگی۔

۴ ۔ ان لوگوں کے قرب وجوار میں جو نیک اور پرہیزگار لوگ ہوں گے ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو جہینہ کو حاصل ہیں۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد، جلد ۳ ص ۶۴، ۶۷

جُہَینہ کے لئے دوسرا فرمانِ رسالت

کچھ عرصے کے بعد اس قبیلے کے اکثر افراد مشرّف باسلام ہو گئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لئے ایک فرمانِ رسالت تحریر فرمایا، جس میں قبولِ اسلام کے بعد ان کے فرائض کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔ اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبیلۂ جُہَینہ میں سے جو اسلام لائے، نماز پڑھے، زکوٰۃ ادا کرتا رہے، خدا اور اس کے رسول کا اطاعت گذار رہے اور مالِ غنیمت سے خُمس نکالتا رہے، اپنے اسلام کا اعلان کرے اور مشرکین سے علیحدگی اختیار کرے، وہ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہے۔

مرہونہ املاک پر واجب الادا قرضوں میں مسلمان ہو جانے کے بعد صرف اصل رقم کی ادائیگی ہو گی رہن کا سود باطل ہو گا۔

پھلوں کی زکوٰۃ میں پیداوار کا دسواں حصّہ ادا کرنا ہو گا جو شخص ان لوگوں میں شامل ہو گا اس کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے اور یہی امور اس پر بھی عائد ہوں گے۔[1]

محمد رسول اللہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۴، ۲۵، ۲۷۔

مُعاہدہ بنو ضمرہ

مکّہ مکرّمہ سے شام اور مصر وغیرہ کو جو کارروانی راستہ جاتا تھا بنو ضَمُرہ کے قبیلے کا مسکن اسی راستے میں تھا، یہ بہت بڑا اور بااثر قبیلہ تھا۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے ینبوع کا کئی مرتبہ سفر فرمایا۔ ینبوع [1] مدینہ منورہ سے ۱۳۰ میل کے فاصلے پر بحرِ احمر کے کنارے مکّہ مکرّمہ سے شام جانے والے قافلوں کا ایک بڑا اسٹیشن تھا، نہر سوئز کی تعمیر سے پہلے یورپ اور افریقہ کے قافلے زیادہ تر اسی راستے سے آتے جاتے تھے اس راستے میں جو مختلف قبائل بستے تھے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیف رہنے کے معاہدے فرمائے، بعض معاہدوں میں دوامی حلیفی اور باہمی فوجی امداد کا ذکر ہے اور بعض میں قبائل سے صرف غیر جانب دار رہنے اور دشمن کو مدد نہ دینے کا وعدہ لیا گیا ہے۔

۲ ہجری، ۶۲۳ عیسوی کے آغاز پر صفر کے مہینے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ضمرہ سے جنگ نہ کرنے اور حلیف رہنے کا وعدہ لیا۔ اس معاہدہ کا مضمون یہ تھا:۔

---

[1] ینبوع، مدینہ منورہ کی قدیم بندرگاہ ہے جو بحر احمر پر واقع ہے، قدیم زمانے میں یورپ اور افریقہ کی شاہراہیں یہاں سے گزرتی تھیں، موجودہ سعودی حکومت نے اس کو جدید طرز کی بندرگاہ بنادیا ہے، مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ ۱۳۰ میل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ تحریر اللہ کے رسول محمد کی جانب سے۔ بنی ضمرہ کے لئے ہے۔

١ - ان لوگوں کو جان و مال کا امن حاصل ہو گا۔

٢ - جو شخص ان پر حملہ کرے گا، اس کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی۔

٣ - ان لوگوں پر واجب ہو گا کہ ہمیشہ پیغمبر کی مدد کرتے رہیں اور خدا کا پیغمبر جب ان کو مدد کے لئے بلائے تو یہ لوگ مدد دیں، مگر مذہبی جنگوں میں مدد دینا ضروری نہ ہو گا۔

٤ - یہ لوگ جب تک اپنے معاہدے پر قائم رہیں گے ان کی مدد کی جائے گی۔

٥ - اس معاہدے پر اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے۔[1]

اسی طرح کے اور بھی متعدد معاہدے آپ نے بنی ضمرہ کے قرب و جوار کے قبیلوں سے فرمائے، ان سب معاہدات کے الفاظ قریب قریب وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ٣ ص ٢٧۔

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے طبقات ابن سعد، جلد ٣ ص ٢٤۔

بنی زُرعہ اور بنی رَبعہ کے لئے

ہجرت کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جُہَینَہ کی جن مختلف شاخوں سے جنگ میں حلیف رہنے کا معاہدہ فرمایا، ان میں بنی زُرعہ اور بنی رَبعہ بھی تھے، اس معاہدے میں دشمنوں سے ان قبیلوں کی حفاظت اور امداد کا وعدہ کیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی یقین دہانی بھی کی گئی ہے۔

معاہدے کا متن یہ ہے:۔

١ ۔ بنی زُرعہ اور بنی رَبعہ کی جان و مال کو امن حاصل ہوگا۔

٢ ۔ جو شخص ان پر حملہ آور ہوگا، اس کے مقابلے میں بنی زرعہ اور بنی رَبعہ کی مدد کی جائے گی۔

٣ ۔ لیکن ان کے اندرونی جھگڑوں میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

٤ ۔ ان قبیلوں کے قرب و جوار میں جو نیک اور پرہیزگار لوگ ہوں گے ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو قبیلوں کے لوگوں کو حاصل ہوں گے۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ٣ ص ٢٧۔

معاہدۂ بنو غفار

بنو غفار عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا، قبولِ اسلام سے قبل اس کا پیشہ راہزنی تھا، یہ لوگ قبیلوں اور قافلوں پر چھاپے مارتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، مشہور جلیل القدر صحابی ابوذر غفاری رضؓ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، یہ ابتداً زبردست راہ زن تھے، حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ "میں اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے قبیلے میں واپس آیا اور اس کو اسلام کی دعوت دی، قبیلے کے نصف لوگ ہجرت سے قبل اسلام لے آتے، بقیہ لوگ ہجرت کے بعد داخلِ اسلام ہوئے۔ [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ غفار کی نسبت ارشاد فرمایا:۔ "غفار غفر اللہ لہا"، غفار کو اللہ نے بخش دیا۔ [2] مکہ مکرمہ سے جو کارواں راستہ شام و فلسطین کی طرف جاتا ہے اسی شاہراہ پر قبیلۂ غفار آباد تھا۔

بنو غفار نے وفد بھیج کر معاہدے کی پیش کش کی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما کر معاہدہ تحریر فرمایا، جس میں تحریر تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ ۔ بنو غفار مسلمانوں میں سے سمجھے جائیں گے، انھیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو ہیں، اور بنو غفار پر بھی وہی امور عائد

---

[1] طبقات ابن سعد جلد، تذکرہ حضرت ابوذر غفاری رضؓ۔
[2] سوانح ابوذر غفاری رضؓ ص ۵۰۔

ہوں گے جو مسلمان پر عائد ہوں گے۔

۲ ۔ محمد النبی نے ان کی جان و مال کی حفاظت کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری کا معاہدہ کیا ہے۔

۳ ۔ انہیں ایسے دشمن کے خلاف مدد دی جائے گی جو ان پر ظالمانہ حملہ آور ہو گا۔

۴ ۔ ان لوگوں پر واجب ہو گا کہ جب اللہ کا نبی ان کو مدد کے لئے بلائے تو یہ مدد دیں، مگر مذہبی جنگوں میں ہر فریق غیر جانب دار رہے گا۔

۵ ۔ جو شخص اس معاہدے سے روگردانی کرے گا اس کے لئے یہ معاہدہ حجت نہ ہو گا۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۷۔

ابوسفیان کے نام

مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ پر قریش کی جانب سے جن گوناگوں مظالم کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی بدستور جاری رہا۔ قریش نے ایک ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر پہلا حملہ ۲، ہجری میں کیا، پھر دوسرے سال ۳ ہجری میں تین ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوئے، پہلے حملے میں قریش کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا اور دوسری جنگ میں جو احد کے مقام پر ہوئی مسلمانوں کو اگرچہ بھاری نقصان پہنچا مگر قریش کا یہ حملہ بھی ان کی توقعات کے برخلاف ان کے لئے فیصلہ کن نہ ہو سکا، اس لئے ۵ ہجری میں قریش نے زبردست تیاری کے ساتھ حملہ کیا، اس مرتبہ دس ہزار کا جرّار لشکر ان کے ساتھ تھا، خیبر کے یہود بھی اس حملے میں بڑی تعداد میں قریش کے ساتھ تھے، عرب کی قبائلی جنگوں میں اتنے بڑے لشکر کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ قریش کو پورا یقین تھا کہ وہ پہلے ہی حملے میں مدینہ پر قابض ہو جائیں گے، یہ لشکر ابوسفیان کی قیادت میں جب مدینہ منورہ کی جانب بڑھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے شمال میں خندق کھدوا کر قریش کے راستے کو مسدود کر دیا، قریش نے خندق کو دیکھا تو وہ ششدر و پنج میں پڑ گئے، خود ابوسفیان بھی تلملا اٹھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تہدید آمیز خط لکھا جس میں اپنے لشکر کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا

کہ "قریش کے خوں آشام دلاوروں نے کعبہ میں قسم کھائی ہے کہ لات کی آبرو ہر قیمت پر رکھی جائے گی۔ یہ لوگ آپ کو ملیا میٹ کرنے کے لئے آرہے ہیں، مدینہ کی وہ تمام یادگاریں جن پر آپ کو فخر ہے اب برباد ہونے والی ہیں، ہم اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک آپ کو قتل نہ کرلیں"

ابوسفیان کے اس چیلنج کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا:

"تمہارا خط ملا، مجھے معلوم ہے کہ تم ہمیشہ سے خدائے تعالیٰ کے خلاف غرور وتکبر میں مبتلا ہو۔

تم نے مدینہ پر ایسا حملہ کرنے کا ذکر کیا ہے جس میں تمہارے ساتھ لشکر جرار ہے، جو مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے آیا ہے، تو واضح ہو کہ یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہے! اگر وہ چاہے گا تو آپ لوگوں سے لات وعزیٰ کا نام لینے کی طاقت بھی سلب کر سکتا ہے۔ تمہیں اس پر حیرت ہے کہ مجھے (مدافعت کے لئے) خندق کا طریقہ معلوم نہ تھا تو واضح ہو کہ یہ طریقہ مجھے اللہ تعالیٰ نے القا فرمایا ہے، اس لئے کہ تمہارا اور تمہارے ہمراہیوں کا غیظ وغضب یہاں تک آپہنچا ہے کہ تم مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تل گئے ہو۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمہاری خام امیدوں کا پورا ہونا تو کجا اب وقت آگیا ہے کہ لات وعزیٰ اور منات ونائلہ ایک ایک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے

جائیں گے۔ [1]

قریش نے کئی ہفتے تک مدینہ منورہ کا محاصرہ جاری رکھا مگر ان کو اپنے لشکرِ جرار کے باوجود مدینہ پر غلبہ حاصل نہ ہو سکا، ایک روز اس زور کی آندھی چلی کہ خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں چولہوں پر سے الٹ گئیں، اونٹ اور گھوڑے بھاگ پڑے، اس افراتفری میں قریش کے رہے سہے حوصلے پست ہو گئے، ہمتوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور ایک ہی رات میں میدانِ جنگ قریش سے خالی ہو گیا، قریش کا مدینہ پر یہ آخری حملہ تھا، اس کے بعد انہیں کبھی اس کی جرأت نہ ہو سکی۔ [2]

اسلامی جہاد کی حقیقت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے تحفظ کے لئے جو جنگیں لڑنی پڑیں، مخالفین نے ان کو بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

دنیا میں تاریخی لحاظ سے جو بڑی بڑی غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی غلط فہمی جہاد یعنی اسلامی جنگوں کی نسبت

---

[1] الوثائق السیاسیۃ، مؤلفہ ڈاکٹر حمید اللہ ص ۱۰ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۴۱ء۔

[2] ابو سفیان نے دھمکی دی تھی کہ اگر اس مرتبہ قریش ناکام رہے تو آئندہ پھر حملہ کیا جائے گا۔ مگر تین سال کے بعد ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر یہی ابو سفیان اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے اور قریش کا سارا زور ختم ہو گیا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پیغمبرانہ انداز میں لات و عزیٰ وغیرہ کے ٹکڑے ہو جانے کی پیش گوئی فرمائی تھی وہ تین چار سال ہی کی مدت میں حرف بحرف پوری ہو گئی۔ مکہ مکرمہ اور طائف وغیرہ جو ان بتوں کے مرکز تھے ان پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور پورا جزیرہ نمائے عرب اسلام کی آغوش میں آگیا۔

بھی ہے، حالانکہ دنیا میں امن وامان کا انحصار ہمیشہ اسی پر موقوف رہا ہے۔

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح صرف ظاہری رسم ورواج کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسا فلسفۂ زندگی ہے، جس میں دین اور دنیا دونوں کو سمو دیا گیا ہے۔ اسلام ایک سراپا عمل زندگی کا نام ہے، وہ جس طرح رضائے الٰہی اور فلاحِ آخرت کا ضامن ہے اسی طرح دنیوی مسائل کے حل کے لئے موزوں ترین نظامِ زندگی بھی ہے، یہ ایک ایسا دین ہے جس کی تعمیر انسانی فطرت کی بنیادوں پر کی گئی ہے، اسلام چاہتا ہے کہ انسان جہاں اخلاقی کردار کے اعتبار سے سماج میں راست باز اور پسندیدہ ہو وہیں اس کو دینی لحاظ سے بھی نیکوکار ہونا چاہیئے، اگر ایک طرف سماج سے اس کا تعلق درست ہو تو دوسری جانب حقِ عبودیت کی ادائیگی بھی اس کی زندگی کا لازمی جزو ہو، اسلام روحانی اور مادی دنیا کے درمیان توازن پیدا کرتا ہے، وہ انسانیت کے لئے ایک جامع نظریۂ حیات اور انسانی فطرت سے مکمل مناسبت رکھتا ہے، اسلام بدی کی ہر شکل کو چیلنج کرتا ہے، وہ نوعِ انسانی کو ایک زندگی بخش نظام اور ابدی روحانیت کی دعوت دیتا ہے، وہ ایک مکمل روحانی و اخلاقی اور سیاسی و شہری نظام کا مجموعہ ہے، اس لئے اس میں مذہب و سیاست کی تفریق نہیں پائی جاتی، اسلام چونکہ صرف تارک الدنیا اور گوشہ نشینوں کا مذہب نہیں ہے، بلکہ وہ دنیا کا عملی مذہب ہے، وہ بیک وقت دنیوی و اخروی زندگیوں میں نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کا داعی ہے اس لئے اس نے اپنی بقا اور تحفظ کے لئے ایسے احکام بھی دئے ہیں جو دنیوی معاملات اور سیاست و تعزیرات سے تعلق رکھتے ہیں۔

مذاہب کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ وہ شخصی معاملہ ہے

اور صرف فرد تک محدود ہے، انسان کی اجتماعی زندگی سے اس کی حدود جداگانہ ہیں، اس کے برعکس اسلام بیک وقت دنیا اور دین دونوں کا جامع اور ظاہر و باطن کا کفیل ہے، دوسرے مذاہب کی طرح اسلام زندگی کو دو حصّوں میں تقسیم نہیں کرتا، دینی زندگی اور دنیوی زندگی کے دو جدا جدا تصوّر اسلام میں نہیں پائے جاتے' اسلام ایک ایسا نسخۂ کیمیا دیتا ہے جو دین کو دنیا اور دنیا کو دین بنا کر دونوں میں ایسا اتحاد پیدا کر دیتا ہے کہ دیکھنے والے کے نزدیک دین و دنیا کے مابین حد فاصل کھینچنا آسان نہیں ہے۔

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح صرف دعاؤں اور عبادات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ تزکیۂ اخلاق اور اخروی فوز و فلاح کے ساتھ جملہ دنیوی ضروریات کا بھی مطالبہ کرتا ہے، یہ ایک ایسا مکمل قانون ہے جو انسان کی روحانی تربیت کے ساتھ اس کی دنیوی اور مادّی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، یہ ایک مکمل دستورِ حیات ہے' اس میں زندگی کے ہر پہلو کے اصول و قواعد اور ضوابط موجود ہیں' اسلام انسان کے لئے دنیوی راحت اور اخروی سعادت دونوں کو ایک ساتھ فراہم کرنا چاہتا ہے، وہ عقائد و عبادات کی تلقین کے ساتھ دنیوی نظم و نسق کی درستگی پر بھی زور دیتا ہے، اسلام اخلاق، معاشرت، قانون اقتصادیات اور سیاست و تمدّن کے اصولوں کی بنیاد پر قائم ہے اور عدل و انصاف کا علم بردار ہے، وہ جس طرح فرد کی رہنمائی کرتا ہے اسی طرح اجتماعی معاملات بھی اس کی حدود میں شامل ہیں۔ درحقیقت روحانیت اور سیاست کے متعلق اسلام اپنے اندر ایک مخصوص انفرادیت رکھتا ہے، دوسرے

مذاہب میں جو روحانیت کا تصور پایا جاتا ہے اسلام کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے، دوسرے مذاہب میں روحانیت کے یہ معنی ہیں کہ دنیا کے کاموں سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے اور زندگی ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر عبادتِ خداوندی میں بسر کی جائے، ان مذاہب کے نقطۂ نظر سے دنیا اور دین دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ مسیحیت میں روحانیت کے اسی تصور کے باعث رہبانیت پیدا ہوئی ــــ روحانیت کا یہی تصور ہندو مذہب، بدھ ازم اور جین ازم میں بھی پایا جاتا ہے۔

اسلام "دینِ فطرت" ہے، وہ فطرتِ انسان کو مفلوج اور معطل نہیں کرتا، نہ اس کو نظرانداز کرتا ہے، بلکہ اس پر پوری نظر رکھتا ہے۔ اس کے تقاضوں کو جانچتا ہے، تولتا ہے پھر ان کو پورا کرتا ہے، البتہ ایسی حدود متعین کر دیتا ہے جن سے فطرت اپنی اصلیت پر قائم رہ سکے، نہ اس میں بگاڑ پیدا ہو اور نہ وہ مسخ ہو، جذبۂ ترقی انسان کا فطری جذبہ ہے، وہی قوم قابلِ قدر اور زندہ کہلانے کی مستحق ہے جس میں ترقی کرنے کا جذبہ ہو، جس قوم یا فرد میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا جذبہ نہ ہو اس کو مردہ سمجھا جاتا ہے۔

دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام روحانی اور مادی دنیا کے درمیان توازن پیدا کرتا ہے، اس میں جتنی اہمیت عبادت اور روحانیت کو دی گئی ہے اتنی ہی اہمیت معاملات اور سیاست کو بھی حاصل ہے، اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ دنیوی معاملات اور تعزیرات کو بدکردار و ظالم اور انصاف سے بیگانہ لوگوں کے ہاتھوں میں دے کر

ظلم وتعدّی، فتنہ وفساد، بدامنی اور ناانصافی کو ابھرنے کا موقع دیا جائے۔ اسلام کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ زندگی سے فرار کی نہیں بلکہ اس کی تعمیر و تشکیل کی تعلیم دیتا ہے، دنیا سے کنارہ کش ہو جانے کا نام اسلام نہیں ہے، روحانیت کا مقصدِ عظیم خدا کی کامل اطاعت اور بندگی ہے، اس بندگی کا مطالبہ ہے کہ اپنی اصلاح و تعمیر کے بعد دوسروں کی اصلاح و تعمیر کی جائے، اس لئے ہر وہ عمل جس کا تعلق انسانیت کی تعمیر سے ہے وہ اسلام میں عین روحانیت ہے، اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق واضح رہ نمائی کرتا ہے، جہاد انسانی زندگی کا ایک بڑا اہم شعبہ ہے، امن کے بقا اور انسانی زندگی کے لئے جنگ ناگزیر ہے۔ قیام امن کے لئے جس طرح ڈاکوؤں اور قاتلوں کو سزا دینا ضروری ہے اسی طرح انسان کی اجتماعی زندگی کے تحفّظ کے لئے جنگ بھی ازبس ضروری ہے، تاریخ انسانی کا تجربہ بتلاتا ہے کہ شر زیادہ تر اسی وجہ سے کامیاب ہوتا ہے کہ نیکی خاموش رہتی ہے اور اپنی آواز بلند نہیں کرتی۔

انسانیت کی اصلاح کے لئے ایک نظریہ تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے اور بدوں کو بھی موقع دیا جائے کہ وہ اپنی بدی کے لئے خاطر خواہ میدان وسیع کریں، جو ایک گال پر تھپڑ مارے اس کے سامنے دوسرا گال بھی پیش کر دیا جائے، اسے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ شیروں کو پالا جائے اور سانپوں کو دودھ پلایا جائے، اور ان کے پھاڑ کھانے اور ڈس لینے پر اُف تک نہ کی جائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت خوش آئند اخلاقی تعلیم ہے مگر اب تک یہ صرف راہبانہ زندگی تک محدود رہ سکی ہے، متمدّن دنیا میں اس پر

کاربند ہونا ناممکن ہے، یہ عمل انسانی فطرت کے مطابق نہیں ہے۔ مجرموں کو سزا دینا اور ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانا انسانی زندگی کیلئے ناگزیر ہے۔ مجرم کو سزا دے کر اگر جرائم کا سدِّ باب کیا جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں بے شمار مخلوق کو تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر زیادتی کرنے والوں کو سزا نہ دی جائے تو زندگی کے تحفظ کے ذرائع ختم ہو جائیں گے۔ انسانیت کی فلاح کے لئے طاقت کا استعمال نہ کرنا انسانیت نوازی نہیں بلکہ انسانیت کے ساتھ دشمنی کرنا ہے!

اس لئے دوسرے مذاہب کے برعکس اسلام کہتا ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، اور جو نیک نہیں ہیں کوشش کرو کہ وہ بھی نیک بن جائیں، اس کوشش کا نام تبلیغ ہے، انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ جس چیز کو ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں دوسروں کے لئے بھی اُسی کے خواہش مند ہوں۔

لیکن اگر لوگوں کو نیک بنانے اور امن قائم کرنے میں ظلم و فساد سے ٹکر ناگزیر ہو جائے تو پھر انسانیت کی فلاح کی خاطر طاقت کا استعمال ازبس ضروری ہے، اسلام کی اصطلاح میں اسی کا نام جہاد ہے، جس کے معنی لغت میں جدوجہد اور کوشش کے ہیں، حملہ آور کا مقابلہ نہ کرنا بہت بڑی کمزوری ہے، اپنا دفاع اور بچاؤ ایک فطری عمل ہے۔ اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو یہ فطری تقاضے کو نظر انداز کرنا ہے، چنانچہ خود وہ قومیں بھی جو مقابلہ اور تشدّد کی شدومد سے مخالفت کرتی رہی ہیں ضرورت پیش آنے پر مقابلہ و تشدد میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔

اسلام میں جنگ کا تصور دفعِ فساد اور قیامِ امن کے لئے ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے جنگ اس لئے لڑی جاتی ہے کہ نیکی مغلوب نہ ہونے پائے، روئے زمین پر امن برقرار رہے، طاقت کا پانسہ اہل شر کے ہاتھ میں دے دینا کائنات کو ظلم وجور اور فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنا دینا ہے، چنانچہ اسلام نے جنگ کی اجازت دیتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اس حد تک جنگ کی جاسکتی ہے کہ شر وفساد کی طاقتیں مغلوب اور خیر وصلاح کی طاقت غالب آجائے تاکہ دنیا امن وامان کا گہوارہ بن سکے۔

کوئی نظام، کوئی تحریک، کوئی مقصد اور کوئی وجود خواہ وہ کتنا ہی معصوم اور بے ضرر ہو اس کی حفاظت اور بقا کے لئے صلابت اور قوت کی ضرورت ہے، فطرت کا یہی قانون ہے جو ساری کائنات میں جاری وساری ہے، شاعر مشرق نے اس قانونِ فطرت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

تمیزِ خار وگل سے آشکارا
نسیمِ صبح کی روشن ضمیری
حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

دین اور روحانیت کا مقصد ہے خدا کی کامل اطاعت اور بندگی، اور اس بندگی کا مطالبہ ہے کہ اپنی تعمیر واصلاح کے بعد دنیا کی اصلاح وتعمیر کی جائے۔ ہر وہ عمل جس کا تعلق اصلاحِ خلق اور تعمیرِ جہاں سے ہے وہ اسلام کے نقطۂ نظر سے عین دین بھی اور عین روحانیت بھی ہے اور یہی اسلام کی وہ جامعیت ہے جو اسے دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔!

عَمرو بن مُرّہ جُہَنی کے نام

عمرو[1] بن مُرّہ جہنی بیان کرتے ہیں کہ "میں اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ حج کے لئے گیا ہوا تھا۔ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ کعبہ سے ایک نور بلند ہوا جس کی روشنی میں مدینہ اور جُہَینہ کے پہاڑ صاف نظر آتے تھے، اتنے میں ایک آواز سنائی دی، کوئی کہہ رہا تھا "ظلمت جاتی رہی اور روشنی نمودار ہو گئی، خاتم الانبیاء مبعوث ہو گئے۔ اسلام ظاہر ہو گیا، اصنام لوٹ گئے اور مودّت و محبت کا دور آ گیا۔!"

گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی، میں نے لوگوں سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا کہ قریش میں ضرور کوئی نئی بات ہونے والی ہے، کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ایک شخص نے جس کا نام نامی احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، میں یہ خبر سن کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا۔

آپ نے فرمایا "اے عمرو! اللہ نے مجھے نبی بنا کر اپنی تمام مخلوق کے لئے بھیجا ہے۔ میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ ناحق کُشت و خون سے منع کرتا ہوں، بت پرستی سے روکتا ہوں اور سال بھر میں ایک

---

[1] اگر صرف ع، م، ر (عمر) لکھا ہوا ہو تو اسے عُمر پڑھنا چاہئے اور اگر ع، م، ر کے بعد واؤ بھی ہو (عمرو) تو اسے عَمر بروزن جَبر پڑھئے۔

مہینے کے روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں۔

جو شخص میری ان باتوں کو قبول کرتا ہے اس کے لئے آخرت میں جنت کی بشارت ہے، اور جو رُوگردانی کرے اس کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ پس اے عمرو! مجھ پر ایمان لے آؤ، خدائے بزرگ و برتر تمہیں دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔

میں نے عرض کیا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تحسین و آفرین کہی۔

میں نے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے آپ اپنے قبیلے میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں، کیا عجب ہے کہ وہ لوگ میری نصیحت قبول کر کے آپ پر ایمان لے آئیں۔

آپؐ نے مجھے چند بیش قیمت نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، کہ لوگوں سے نرمی اور سہولت سے بات کرنا، سختی نہ کرنا، اپنے قبولِ ہدایت پر تکبّر نہ کرنا اور حسد سے ہمیشہ بچتے رہنا۔"

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر اپنے لوگوں میں واپس آیا اور آپ کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے لوگوں سے کہا کہ اے میرے عزیزو! میں اللہ کے نبی کا قاصد بن کر آیا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ، اور ان کے حکم کی تعمیل کرو، تمہیں دنیا اور آخرت کی بھلائی حاصل ہو گی۔"

سوائے ایک شخص کے جس کا انجام میں نے عبرت ناک دیکھا اور سب لوگوں نے میری بات کو قبول کر لیا، میں ان کا وفد لے کر بارگاہِ

اقدس میں حاضر ہوا، آپؐ نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور ہماری درخواست پر ایک فرمان عطا فرمایا، جس میں ہمارے لئے ہدایت فرمائی گئی تھی، اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے ہے، اس نے اپنے رسول کی زبان پر حق ظاہر کیا اور اسے بولنے والی کتاب دی، عمرو بن مرہ جہنی کو اپنی زمین پر کلیتہً اختیار ہو گا، وہ جہاں چاہیں اپنے مویشیوں کو چرائیں اور پانی پلائیں بشرطیکہ اپنے جانوروں کی مقررہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، کھیتی کے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

اس معاہدے پر اللہ اور تمام مسلمان گواہ ہیں۔[1]

---

[1] کنز العمال بحوالہ رسالت نبویہ ص ۲۲۵ - ۲۲۸ -

معاہدہ حُدَیبِیَہ[1]

ذی قعدہ ۶ ہجری، ۶۲۸ عیسوی میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابۂ کرام رضؓ کے ساتھ عُمرَہ[2] کا قصد فرمایا، جب مکّہ مکرّمہ دو منزل رہ گیا تو ایک شخص نے آکر خبر دی کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکّہ مکرّمہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا کہ قریش کو سمجھائیں کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ لڑنا مقصود نہیں ہے۔ قریش نے حضرت عثمان رضؓ کو روک لیا، ادھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو صحابۂ کرام رضؓ سے فرمایا، اگر ایسا ہے تو جب تک ہم عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لیں گے — یہاں سے نہ ہٹیں گے، یہ فرما کر آپؐ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابۂ کرام رضؓ سے فیصلہ کن

---

[1] آج کل حدیبیہ کو شمیسیہ کہتے ہیں، یہ مقام مکّہ مکرّمہ سے ۲۰ کلومیٹر پر جدہ کی جانب واقع ہے، جدہ سے مکّہ مکرّمہ کو جو سڑک جاتی ہے شمیسیہ اسی پر واقع ہے۔ یہاں سے "حدِ حرم" شروع ہو جاتی ہے جس جگہ "بیعتِ رضوان" کا واقعہ پیش آیا تھا وہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے، جو "بیعتِ رضوان" کے مقام کی نشان دہی کرتی ہے۔

[2] عمرہ: بہت سی باتوں میں حج کے مشابہ ایک عبادت ہے، لیکن حج کی طرح عمرے کے لئے کوئی زمانہ مخصوص نہیں ہے۔ حج فرض ہے اور عمرہ سنت ہے۔

[3] بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کی شہادت کی خبر صحیح نہ تھی۔

جنگ کے لئے جہاد پر بیعت لی، یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی۔ یہ واقعہ "بیعتہ الرضوان" کے نام سے موسوم ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت "لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ"

"بے شک اللہ مومنین سے راضی ہو گیا جب درخت کے نیچے
تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔"

میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ "لڑائی نے پہلے ہی قریش کا کس بل نکال کر انہیں کمزور کر دیا ہے، میں ان سے لڑنا نہیں چاہتا لیکن اس دین کی حفاظت کے لئے جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے، اگر انہوں نے لڑنے پر مجبور کیا تو میں ان سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری جان باقی ہے، یا اللہ مجھے کوئی اور حکم دے تاہم میں قریش سے بطورِ خود جنگ نہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔

قریش کی پیدل اور سوار فوج اس وقت مکّہ معظمہ سے کافی دور تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بہت اچھا موقع تھا کہ آپ حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کی خبر کو جنگ کے لئے وجہ جواز بنا کر بزور مکّہ معظمہ میں داخل ہو کر اسے فتح کر لیتے، اس وقت مکّہ معظمہ کی فتح میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی، لیکن اس میں زبردست خونریزی ہوتی، مگر چونکہ آپ کا مقصد محض فتوحات حاصل کرنا نہ تھا بلکہ امن و آشتی کا قیام اور فساد و طغیان کی بیخ کنی کرنا تھا اس لئے آپ نے بہر طور مصالحت ہی کو پسند فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام غزوات میں اس بات کو مدّ نظر رکھا ہے کہ مفتوح حقیقی اور مستقل امن سے قریب تر ہوں اور اسلام کے

اعلیٰ اصولوں کو اختیار کر کے اپنے کو مفتوح و مغلوب نہ سمجھیں، بلکہ اسلامی مساوات کے رشتے میں منسلک ہو کر کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ کا نمونہ بن جائیں اور دنیا کی معلمی و قیادت کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہو کر دارین کی کامیابی حاصل کریں، اس لئے اس موقع پر بھی آپؐ نے صلح کو جنگ پر ترجیح دی!"[1]

ابتداءً اگرچہ قریش کو یہی اصرار تھا کہ مسلمان مکّہ مکرّمہ میں قدم نہیں رکھ سکتے، مگر جب انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تیاری کا حال معلوم ہوا۔ تو ڈھیلے پڑ گئے اور یکے بعد دیگرے اپنے سفیر بھیجے۔

بڑے ردّ و قدح کے بعد بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہوا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر معاہدہ لکھنے کا حکم دیا، انہوں نے عنوان پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔

قریش کے سفیر سُہَیل بن عمروؓ نے اعتراض کیا کہ میں اس جملے کو نہیں جانتا، عرب کے طریقے کے مطابق (بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ) لکھو۔

آپ نے فرمایا "اچھا یہی لکھ دو۔" اس کے بعد آپؐ نے لکھوایا کہ "یہ وہ معاہدہ ہے جو محمدؐ رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا۔" سُہیل نے کہا "اگر ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، آپؐ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیے۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گو تم جھٹلاتے ہو لیکن خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں۔" یہ فرما کر آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ "اچھا اسی طرح لکھو۔" شرائطِ صلح یہ تھیں:

بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ

۱ - یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمدؐ بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے "حدیث دفاع" مصنفہ میجر جنرل اکبر خاں واقعہ صلح حدیبیہ ص ۲۴۷، ۲۵۵ و تاریخ طبری جلد ۳ واقعہ حدیبیہ۔

مصالحت کی ہے۔

۲ ۔ دس سال تک ہم آپس میں کوئی جنگ نہیں کریں گے۔

۳ ۔ اس مدت میں فریقین کا ہر شخص مامون و محفوظ ہوگا اور کوئی کسی کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گا۔

۴ ۔ قریش کا اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا تو اسے واپس بھیج دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مکّہ میں جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ [1]

---

[1] صلح حدیبیہ میں ایفائے عہد کا یہ واقعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل بن عمرو کے فرزند ابوجندل جن کو اسلام قبول کرنے کے "جرم" میں باپ نے قید کر رکھا تھا کسی طرح سے موقع پاکر نکل آئے اور پیروں میں بیڑیاں پہنے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچ گئے اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ! مجھے قریش کے مظالم سے بچائیے۔" مسلمانوں نے ان کو اس حال میں دیکھا تو تڑپ گئے۔ سہیل نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے لئے یہ منظر بڑا جگرپاش اور صبر آزما تھا۔ ایک طرف ابوجندل کا اسلام اور ان کی مظلومیت کا تقاضا تھا کہ انہیں قریش کے بے دردانہ مظالم سے نجات دلائی جائے اور دوسری طرف معاہدے کا احترام ان کو واپس کرنے کے لئے مجبور کرتا تھا۔ آپ نے معاہدے کے احترام میں ابوجندل کو سہیل کے حوالے کر دیا اور ابوجندل سے فرمایا "میں معاہدہ کر چکا ہوں، اس کے خلاف نہیں کر سکتا، ابوجندل! صبر و ضبط اور استقامت سے کام لو، اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو، وہ عن قریب تمہاری خلاصی کے لئے ضرور کوئی راہ نکالے گا اور تم جلد اس مصیبت سے نجات پا جاؤ گے۔"

چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد ابوجندل کو قریش کے مظالم سے نجات مل گئی۔

(تاریخ طبری جلد ۳ واقعہ صلح حدیبیہ)

ابوجندل کے یہ والد سہیل بن عمرو اسلام کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے، ہجرت سے قبل اسلام کے خلاف سخت اشتعال انگیز تقریریں کرتے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

۵ - قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدے میں شریک ہو جائیں۔

٦ - اس مرتبہ مسلمان واپس چلے جائیں، اگلے سال آئیں، مگر تین دن سے زیادہ مکہّ میں قیام نہ کریں۔

۷ - ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام سے باہر نہ ہو اور نیام تھیلے میں ہو۔ لہ

صلح حدیبیہ کی یہ شرائط بہت سخت اور مسلمانوں کے سراسر خلاف تھیں، خصوصاً دفعہ ۴، ۷ تو قطعاً قریش کے حق میں تھیں اور ان سے مسلمانوں کی کمزوری اور بے بسی کا اظہار ہوتا تھا، صحابۂ کرامؓ محسوس کرتے تھے کہ قریش کے مقابلے میں دب کر صلح کی گئی ہے، معاہدے کی

خلاف ہمیشہ زہر اگلتے رہتے تھے، یہ قریش کے بہترین خطیب تھے، فتح مکہّ کے بعد جان کے خوف سے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے اور اپنے بیٹے ابو جندل کو پیام بھیجا کہ "میری جان بخشی کرائو"۔ ابو جندل نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ نے ان کی تمام گذشتہ خطاؤں سے درگذر فرما دیا۔ عفو و کرم کے اس معجزے کو دیکھ کر سہیلؓ بے دام اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور پھر اپنی تمام عمر اسلام کی بہترین خدمات میں گزاری۔ اسد الغابہ میں ہے کہ سہیل بن عمرو سے زیادہ نمازیں پڑھنے والا، روزے رکھنے والا، صدقہ دینے والا اور آخرت کے دوسرے اعمال میں تن دہی کرنے والا کوئی نہ تھا، کثرت عبادت سے سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے، رنگ روپ بدل گیا تھا، جب قرآن کی تلاوت کرتے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری ہو جاتا تھا۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲، ۳ حالات سہیل بن عمرو)

لہ تاریخ طبری جلد ۳ واقعہ حدیبیہ)

دفعہ ۲ تو ان کے لئے قطعی طور پر ناقابلِ قبول تھی، کوئی مسلمان قریش کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اسے اپنے یہاں روک سکتے ہیں مگر قریش کا کوئی آدمی اگر مسلمانوں کے ہاتھ آ جائے تو وہ اسے چھوڑ دینے کے پابند ہوں گے، معاہدے کی دفعات یہی بتاتی تھیں کہ یہ قریش کی فتح اور مسلمانوں کی شکست ہے۔ اس لئے صحابۂ کرام رضؓ کو یہ مغلوبانہ معاہدہ بہت شاق گزرا، وہ اگرچہ اسے قبول کرنے کے لئے قطعاً آمادہ نہ تھے۔ تاہم انہوں نے شیوۂ تسلیم ترک نہیں کیا اور نہ دامنِ اطاعت ہاتھ سے چھوڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دور بیں نظر مستقبل کے امکانات پر تھی، آپ محسوس فرما رہے تھے کہ ہمارا آدمی جب قریش کے یہاں قید ہوگا تو محض قیدی نہیں ہوگا بلکہ وہ اپنے اخلاق و کردار سے اسلام کا مبلّغ ہوگا۔ آپ نے غایت تدبّر کے ساتھ مستقبل کے روشن امکانات کو سامنے رکھا اور وقتی طور سے جس قیمت پر بھی ممکن ہو سکا جنگ کے بجائے صلح کا راستہ اختیار فرمایا، چنانچہ بعد کے واقعات سے آپ کا اندازہ صحیح ثابت ہوا، اور اس صلح کے بطن سے وہ عظیم واقعہ ظاہر ہوا، جس کو خدائے علیم وخبیر نے "فتح مبین" سے تعبیر فرمایا ہے۔

حدیبیہ کی صلح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس غیر معمولی تدبّر دور اندیشی اور امن پسندی اور اسی کے ساتھ آپ کے صحابۂ کرام رضؓ نے جس اطاعت و فرماں برداری کا ثبوت دیا وہ انسانی تاریخ کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اگرچہ ظاہر میں یہ صلح مغلوبانہ تھی اور سطحی نظر میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس میں قریش کی جیت ہوئی ہے مگر درحقیقت یہی وہ صلح تھی جس میں آپ کو نہ صرف یہ کہ مکمل طور پر اخلاقی فتح حاصل ہوئی بلکہ یہی مصالحت آئندہ اسلام کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذریعہ بنی۔

معاہدۂ صلح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا قصد فرمایا تو اثنائے راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو "فتحِ مبین" سے تعبیر کیا تھا۔[1]

تقریباً سب ہی مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور مشرک الگ الگ رہتے تھے، صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول بڑھا اور دن رات کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز زیادہ پھیلتے گئے، اس کا یہ اثر ہوا کہ دو سال کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لاتے ۱۸ سال کی طویل مدت میں نہیں لاتے تھے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الجہاد و کتاب الشروط۔

[2] تاریخ طبری جلد ۳ واقعہ حدیبیہ۔

شاہِ حبش کے نام دوسرا مکتوبِ نبوی

محرّم ۷، ہجری، ۶۲۹ عیسوی میں جب ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ حکمرانوں کے نام نامہ ہائے مبارک روانہ فرمائے تو شاہِ حبش کو پھر ایک مکتوبِ گرامی ارسال فرمایا، بارگاہ رسالت کے سفیر حضرت عمرو بن امیۃ الضمریؓ جب شاہ حبش کے دربار میں پہنچے تو مکتوبِ گرامی پیش کرتے ہوتے انہوں نے نجاشی کے سامنے ذیل کی اثر انگیز تقریر کی:۔

قاصدِ نبوّت کی اثر انگیز تقریر

شاہِ ذی جاہ! میرے ذمّے حق کی تبلیغ ہے اور آپ کے ذمّے حق کی سماعت! کچھ عرصے سے ہم پر آپ کی شفقت و محبّت کا یہ حال ہے کہ گویا آپ اور ہم ایک ہی ہیں، ہمیں آپ کی ذات پر اس قدر اطمینان ہے کہ ہم آپ کو کسی طرح اپنی جماعت سے علیٰحدہ نہیں سمجھتے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہماری طرف سے آپ پر حجّت قطعی ہے، جس قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر والدین کے پیدا کر دیا اسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے بطنِ مادر سے پیدا کیا ہے! ہمارے اور آپ کے درمیان انجیل سب سے

بڑی شہادت ہے۔ اس نبیؐ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں خیر و برکت کا ورود اور فضیلت و بزرگی کا حصول ہے!
شاہ عالی جاہ! اگر آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ کیا تو اس نبی امیؐ کا انکار آپ کے لئے اسی طرح وبالِ جان ہوگا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار یہود کے حق میں وبالِ جان ثابت ہوا۔
میری طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بعض دیگر اشخاص مختلف بادشاہوں کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے قاصد بنا کر بھیجے گئے ہیں، مگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو امید آپ کی ذات سے وابستہ ہے، دوسروں سے ایسی امید نہیں ہے، آپ سے اس بارے میں پورا اطمینان ہے کہ آپ اپنے اور خدا کے درمیان اپنی گزشتہ نیکی اور آئندہ کے اجر و ثواب کا خیال رکھیں گے۔"

کچھ عرصہ پہلے حضرت جعفرؓ کی معجز بیانی سے نجاشی اسلام کی دعوت سے واقف ہو چکا تھا، قاصدِ نبوت کی اس پُر اثر تقریر نے اس کے سینے میں شمعِ ایمان روشن کر دی، سفیر رسالت سے مخاطب ہو کر بولا:۔
"عمرو! بخدا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وہی برگزیدہ پیغمبر ہیں جن کی آمد کا ہم اور یہود انتظار کر رہے ہیں، بے شک جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تھی ٹھیک اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کی بشارت دی ہے، دونوں میں سرِ مو فرق نہیں ہے۔
اس بارے میں میرے لئے خبر اور مشاہدہ دونوں برابر ہیں مگر اہلِ حبش میں میرے حامی و مددگار بہت کم ہیں، اس لئے تم مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنی قوم میں کافی مددگار پیدا کر لوں اور اہلِ حبش کے اسلام قبول کرنے کے لئے زمین ہموار ہو جائے۔

یہ کہہ کر نجاشی تختِ شاہی سے نیچے اتر آیا، نامۂ مبارک کو ہاتھ میں لے کر تعظیماً آنکھوں سے لگایا اور ترجمان کو بلوا کر پڑھنے کا حکم دیا۔[1]

فرمانِ رسالت میں لکھا تھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

من محمّد رسول اللّٰہ، الی النجاشی عظیم الحبشہ

سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

امابعد

فانی احمد الیک اللّٰہ الذی
لا الٰہ الا ھو الملک القدوس
السلام المومن المھیمن و
اشھد ان عیسی ابن مریم
روح اللّٰہ و کلمۃ القاھا الیٰ
مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۔

فحملت بعیسی من روحه ونفخه کما خلق
آدم بیده وانی ادعوک الی اللہ وحدہ لاشریک
له والموالاة علی طاعة وان تتبعنی وتؤمن
بالذی جاءنی فانی رسول اللہ وانی ادعوک
وجنودک الی اللہ عزوجل وقد بلغت و
نصحت فاقبل نصیحتی ۔ والسلام علی من
اتبع الھدیٰ

اللہ
رسول
محمد

مکتوب گرامی کا ترجمہ یہ ہے :۔

خدائے رحمان و رحیم کے نام سے ـــــ محمد رسول اللہ کی جانب سے ـــــ حبش کے بادشاہ نجاشی کے نام۔

اُس پر سلامتی ہو جو راہِ راست اختیار کرے۔ میں اُس خدا کی تعریف کرتا ہوں جو معبودیت میں یکتا ہے، کُل کائنات کا مالک ہے، برگزیدہ ہے، امن و سلامتی کی پناہ گاہ صرف اسی کی ذات ہے اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابنِ مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم بتول پاک دامن پر القاء کیا کہ وہ خدا کے نبی عیسیٰ کی والدہ بنیں، پس اللہ ہی نے ان کو اپنی روح سے پیدا کیا اور اس کو حضرت مریم میں پھونک دیا، جیسا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔

اب میں آپ کو خدائے واحد لاشریک لہٗ کی اطاعت و مودت اور محبت کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ کو میری پیروی اختیار کرنی چاہئے اور خدا کا جو پیغام میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لانا چاہئے۔

میں آپ کو اور آپ کے لشکر کو اللہ عزّوجل کی طرف بلاتا ہوں، پس میں نے تبلیغ اور نصیحت کا فریضہ ادا کر دیا ہے، آپ کو چاہئے کہ اسے قبول کریں۔

پیروانِ ہدایت پر سلام ہو۔[1]

اللہ
رسول
محمد

نجاشی فرمانِ رسالت کو سنتا جاتا تھا اور متاثر ہوتا جاتا تھا۔ جوں ہی مضمون ختم ہوا فرطِ شوق میں نامۂ مبارک کو بوسہ دے کر سر پر رکھ لیا اور جواب میں حسب ذیل معروضہ لکھا:۔

نجاشی کا جواب

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام۔ اصحمہ نجاشی کی جانب سے۔ السّلام علیک یا نبی اللہ! آپ پر اللہ کی رحمت اور برکت ہو، وہ خدا جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی

---

[1] الوثائق السیاسیہ ص ۲۵ ؛ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵ ؛ سیرت حلبیہ جلد ۲ ص ۲۴۲۔

ہے جس نے اسلام کا راستہ دکھایا اور میری رہ نمائی کی۔
بعد ازاں اے خدا کے نبی! آپ کے مکتوبِ گرامی کی
زیارت کا مجھے شرف حاصل ہوا، آپ نے حضرت عیسیٰ
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے میں زمین و
آسمان کے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ
علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے زیادہ کچھ نہیں! ہم نے ان
تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے جو آپ نے ہم تک
پہنچائیں۔ آپ کے چچا زاد بھائی اور ان کے رفقاء ہمارے
مقرب ہیں۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں! میں
نے آپ کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے
لئے بیعت کر لی ہے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا ہوں۔
اے اللہ کے نبی! میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارھا
کو بھیجتا ہوں۔ اگر آپ کا حکم ہو گا تو میں خود بھی حاضر
ہو جاؤں گا۔ والسلام علیک ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ [1]

حضرت عمروؓ نجاشی کا خط لے کر دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔
اور تمام واقعات گوش گزار کئے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ ص ۸۹۔ سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۳۴۴۔

اصل مکتوباتِ نبوی کی دست یابی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلام کے جو خطوط روانہ فرمائے تھے ان میں سے اب تک چار اصل نامہ ہائے مبارک دست یاب ہو چکے ہیں، یہ مقدس خطوط حبش، مصر، بحرین اور ایران کے فرماں رواؤں کے نام بھیجے گئے تھے۔ مکتوباتِ نبوی میں ان چاروں خطوط کے فوٹو اپنی اپنی جگہ پیش کئے گئے ہیں۔

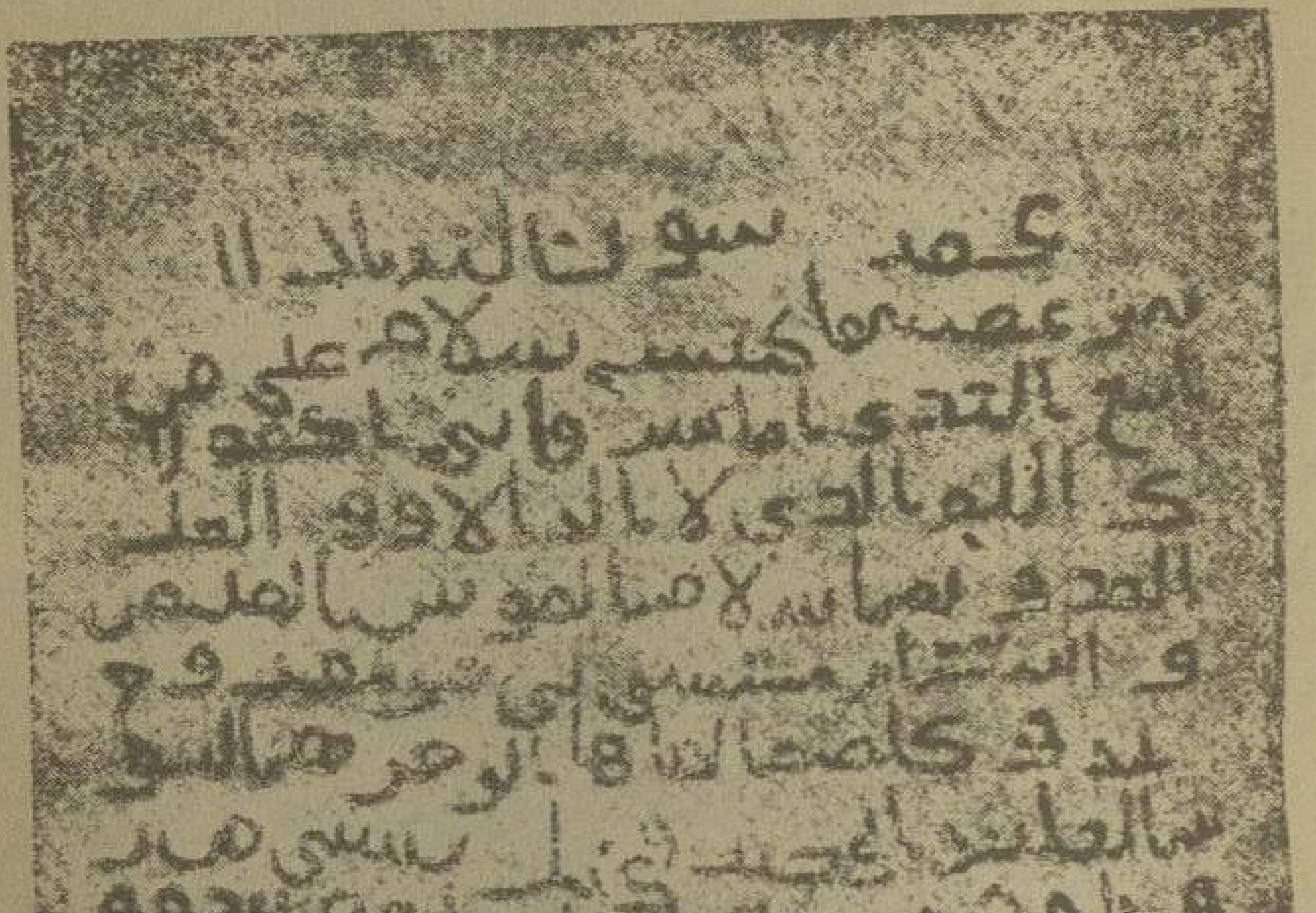
دوسری جنگِ عظیم کے آغاز میں حبش کے دارالسلطنت ادیس آبابا کے ایک مسلم اخبار "برہان اسلام" نے یہ خبر شائع کی تھی کہ ہیلا سلاسی شاہ حبش نے اپنے خزانے سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نامہ مبارک نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھلایا تھا۔[1]

یہ نامۂ مبارک جھلی پر لکھا ہوا ہے جو ساڑھے تیرہ انچ لانبی اور نو انچ چوڑی ہے۔

اس میں مہر کے علاوہ سولہ سطریں ہیں۔ یہ بھورے رنگ کی سیاہی سے لکھا ہوا ہے۔[2] فوٹو میں بسم اللہ اور مہرِ مبارک صاف

---

[1] [2] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی مؤلفہ ڈاکٹر حمید اللہ ص ۱۶۹ - ص ۱۸۲ -



مکتوب نبوی بنام نجاشی شاہ حبش

نہیں آسکی ہیں۔ لہ

روایتِ حدیث کا ایک بیّن ثبوت

بارگاہِ رسالت ﷺ کے جو خطوط اب تک دریافت ہوئے ہیں اُن کی تعداد چار ہے، ان خطوط کی عبارتیں حرف بحرف ٹھیک وہی ہیں جو حدیث و سیر کی کتابوں میں چودہ سو سال سے درج چلی آتی ہیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ ان مکاتیبِ نبوی کا انکشاف تیرہویں صدی ہجری کے نصف آخر اور اس کے بعد ہوا ہے، عبارتوں کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت کم کہیں کوئی جزوی لفظ اپنے ہم معنی لفظ سے بدلا ہوا ہے۔

مکتوبِ نبوی بنام مُنذِر کے عکس کی تیسری سطر میں لا الہ غیرہٗ لکھا ہوا ہے اور کتابوں میں یہ عبارت لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ درج ہے۔ یعنی معنی میں کوئی فرق نہیں ہے، اس طرح کے قابلِ نظر انداز فرق کے علاوہ دونوں متن بالکل یکساں ہیں ان خطوط کی عبارت میں کوئی قابلِ لحاظ تفاوت نہیں ہے۔ اس انکشاف سے نہ صرف احادیث کے راویوں کی بے نظیر قوتِ حافظہ کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ حدیث

لہ زمانہ نبوت میں عرب میں حروف پر نقطے اور زبر زیر وغیرہ لگانے کا رواج نہیں تھا، اس لئے مکتوباتِ نبوی کے حروف پر نقطے نہیں ہیں۔ اسلام جب غیر عربوں میں پھیلا تو قرآن شریف کی صحیح تلاوت کے لئے پہلی صدی ہجری کے اختتام پر حجاج بن یوسف ثقفی نے قرآن شریف میں نقطے اور اعراب لگوائے۔

عہد نبوت میں عربی زبان کا رسم الخط، موجودہ رسم الخط سے کافی مختلف تھا، عربی رسم الخط کی ابتدا یمن سے ہوئی ہے، یمنی خط کو خط مسند کہتے تھے یہی رسم الخط آگے چل کر خط کوفی کے نام سے موسوم ہوا اور رجب چوتھی صدی ہجری میں خط کوفی نے ترقی پاکر موجودہ خط نسخ کی شکل اختیار کی تو قرآن شریف اسی رسم الخط میں لکھا جانے لگا اور رفتہ رفتہ خط کوفی کا خاتمہ ہوگیا۔

ہیں اس کے راویوں کی انتہائی حزم و احتیاط کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ پیروانِ مذاہب کی تاریخ میں یہ بات آپ اپنی مثال ہے۔

ذخیرۂ احادیث میں دو قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں، ایک "روایت باللفظ" کہلاتی ہے، اور دوسری "روایت بالمعنیٰ" سے موسوم ہے۔ "روایت باللفظ" کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی نے جن الفاظ کو جس طرح سنا انہیں بعینہٖ کسی تغیر و تبدل کے بغیر روایت کیا گیا اور پھر اسی طرح یہ حدیث روایت در روایت کے بعد محدثین تک پہنچی، جنہوں نے بے کم و کاست اسے اپنی کتاب میں نقل کر کے درج کر دیا، ایسی احادیث کے الفاظ گویا وہی ہیں جو زبانِ نبوت سے نکلے ہوئے ہیں۔

"روایت بالمعنیٰ" کا مطلب یہ ہے کہ راوی نے جو کچھ زبانِ نبوت سے سنا اس کے بعینہٖ مضمون کو اپنے الفاظ میں روایت کر دیا، اس میں حدیث کا مفہوم تو وہی ہوتا ہے جو ان الفاظ کا تھا جو زبانِ نبوت سے ادا ہوئے تھے مگر اس میں الفاظ کم و بیش راوی کے اپنے بھی ہوتے ہیں۔

دست یاب شدہ مکاتیبِ نبوی کی عبارتوں کی مطابقت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی عبارتیں "روایت باللفظ" کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں، یعنی ان کے الفاظ بھی بالکل وہی ہیں جو زبانِ نبوت سے ادا ہوئے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ راویانِ حدیث اپنی بے نظیر قوتِ یادداشت سے زبانی روایتیں بیان کرتے تھے، بڑی بڑی طویل روایتیں بسند متصل ان کو یاد رہتی تھیں، محدثین نے احادیث کی صحت دریافت کرنے کے لئے ایسے اصول و قواعد وضع کئے ہیں جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ رواۃِ حدیث میں ایک ایک شخص کے حالات کی نہایت احتیاط سے تنقیح کی گئی ہے، ان کے مدارج مقرر

کر دیے گئے ہیں اور یہاں تک بتلادیا ہے کہ کس کی بات کہاں تک قابلِ قبول ہے اور کہاں تک لائقِ رد ہے۔

روایتِ حدیث و سیرت میں مصنفین نے یہ اصول پیشِ نظر رکھا ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے وہ شریکِ واقعہ کی زبانی ہو، اگر بیان کرنے والا خود واقعہ میں شریک نہیں تھا تو وہ شریکِ واقعہ کے تمام راویوں کے نام بترتیبِ روایت بتلائے، نیز یہ بھی تحقیق ضروری قرار دی گئی کہ جو لوگ سلسلۂ روایت میں مذکور ہیں وہ کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کا حافظہ تو کمزور نہیں تھا؟ جھوٹ اور غیبت سے تو ان کی زبان آلودہ نہیں تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ ان کا ذہن سطحی تھا یا بالغ نظر تھے؟ عالم تھے یا جاہل؟ جب یہ تمام حالات بہم پہنچ جاتے اور روایت جانچ کے معیار پر پوری اترتی تب نقل کی جاتی، ورنہ ترک کر دی جاتی تھی۔ اس سے محدثین کے تحقیق و تفتیش کے بلند ترین معیار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے پانچ لاکھ رُواۃِ حدیث کے حالات اسماء الرجال کی کتابوں میں موجود ہیں۔

عباسی خلیفہ قائم بامراللہ (۴۲۲ ہجری، ۱۰۳۰ عیسوی۔ ۴۶۷ ہجری ۱۰۷۴ عیسوی) کے سامنے ایک یہودی نے ایک تحریر پیش کی اور یہ دعویٰ کیا کہ اس تحریر کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کا جزیہ معاف فرما دیا ہے، اس تحریر پر صحابہ کی شہادتیں ثبت ہیں اور اسے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے لکھا ہے، یہ تحریر تصدیق کے لیے مشہور مؤرخ علامہ خطیب بغدادی (وفات ۴۶۳ ہجری، ۱۰۷۰ عیسوی) کو دی گئی۔ خطیب نے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ تحریر جعلی ہے، اور جب ان سے اس کے جعلی ہونے کا ثبوت طلب کیا گیا تو خطیب نے بتلایا کہ اس پر حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضؓ کی گواہی ثبت ہے۔ حالانکہ حضرت معاویہ رضؓ ۸ ہجری، ۶۳۰ عیسوی میں فتح مکہ کے موقع پر ایمان

لاتے تھے اور غزوۂ خیبر اس سے پہلے ۷ ہجری، ۶۲۸ عیسوی میں ہو چکا تھا، نیز اس پر حضرت سعد بن معاذ رضؓ کے دستخط بھی ہیں جو ۵ ہجری، ۶۲۶ء میں غزوۂ خندق میں شہید ہوئے ہیں۔

غرض کہ محدثین کے اصولِ درایت نے تحریر کی ملمع کاری کی قلعی کھول کر رکھ دی، درحقیقت ماضی کے حالات اور واقعات کی صحت و تحقیق اور تنقید کے لئے جس قدر علمی و عقلی طریقے اب تک دریافت ہو سکے ہیں، ان میں سب سے زیادہ مضبوط طریقہ محدثین ہی کا طریقہ ہے۔ احادیث کی تنقید و تصدیق کے لئے عقلِ انسانی کے نزدیک جو بھی آخری ذرائع ہو سکتے تھے ان سب کو محدثین نے احادیث کی صحت کے لئے استعمال کیا ہے، مشاہدے کے سوا اگر کوئی راہ تحقیق و یقین کی ممکن ہے تو ان ذرائع سے بڑھ کر ہر گز نہیں ہے۔

حدیث، دنیا کا وہ علم ہے جو ادنیٰ اور کم درجے میں بھی دنیا کی کسی قوم کے پاس نہیں ہے۔

دنیا کی کسی بھی قوم کا تاریخی ذخیرہ استناد کا وہ معیار پیش نہیں کرتا جس کا ثبوت حدیث کی کتابوں میں دیا گیا ہے۔ اسلام کی حفاظت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور سیرت و کردار کو ہمیشہ کے لئے بے کم و کاست محفوظ کر دینے کا جو کارنامہ مسلمانوں نے فنِ روایت کی تحقیق و ترتیب اور تہذیب کے ذریعے انجام دیا ہے وہ ایسا اہتمام بالشان، بے مثال اور کمالِ فہم و درایت کا شاہکار ہے جس کی مثال کسی قوم میں نہیں ملتی۔

اس فن کے موجد بھی مسلمان تھے اور خاتم بھی ان کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔

صحتِ حدیث کے سلسلے میں محدثین کے علمی شعور اور احساسِ ذمہ داری

کا اس سے کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے حدیث کے ایک ایک راوی کی تفصیلات تلاش کر کے ان کی چھان بین کی اور اس کے لئے ایک مستقل علم "اسماء الرجال" کے نام سے وضع کیا، انھوں نے اسماء الرجال کی کتابوں میں راویانِ حدیث کے حالاتِ زندگی اور ان کے علمی و عملی مقام کو کسی رو رعایت کے بغیر آئینہ بنا کر رکھ دیا ہے کہ کون معتبر ہے اور کون غیر معتبر ہے، گفتار و کردار کے لحاظ سے اس کی حیثیت کیا ہے، صدیاں گزر جانے کے باوجود آج تک احادیث کے ساتھ اس اہتمام کو پوری احتیاط کے ساتھ برقرار رکھا گیا ہے اور اس کی پوری پوری نگہداشت کی گئی ہے کہ احادیثِ نبوی میں کوئی خلط ملط یا اضافہ اور کمی نہ ہونے پائے۔

حدیث نبوی کو سند متصل کے ساتھ روایت کرنے کا طریقہ اقوامِ عالم کی تاریخ میں ایک عجیب و غریب منفرد اور انوکھا طریقہ ہے۔ یہ صحتِ روایت کے لئے ایک ایسی بے نظیر کسوٹی ہے جس کی کم تر درجے کی مثال بھی کہیں اور نہیں ملتی! روایتِ حدیث میں سند متصل کے لئے یہ اصول اختیار کیا گیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی بات بیان کرے تو اسے یہ بتانا پڑے گا کہ اس نے یہ بات کس سے سنی ہے، یہاں تک کہ روایت کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔ جب یہ تمام کڑیاں متصل طور پر پائی جائیں تب روایت قابلِ اعتماد قرار پاتی ہے، ورنہ اسے رد کر دیا جاتا ہے، اس کے لئے محدثین نے بڑی دقیقہ سنجی اور ژرف نگاہی کے ساتھ حدیثِ نبوی کے لئے اصول و قواعد وضع کئے ہیں جنہیں "اصولِ حدیث" کا نام دیا گیا ہے، انھوں نے اس موضوع پر بڑی گراں قدر کتابیں لکھی ہیں۔ اسی کے ساتھ محدثین نے اسماء الرجال کی کتابوں میں روایانِ حدیث کے حالاتِ زندگی

کے متعلق بڑے وسیع پیمانے پر تفصیلی معلومات جمع کر دی ہیں۔ اس طریقے سے فراہم شدہ معلومات کی روشنی میں ہم آج بھی ایک ایک حدیث کے بارے میں یہ تحقیق کر سکتے ہیں کہ کون سی حدیث اپنی صحت کے لحاظ سے کس درجے کی ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ احادیثِ نبوی ہم تک کس قدر احتیاط کے ساتھ قابلِ اعتماد ذرائع سے پہنچی ہیں۔

بعد میں مؤرخین نے فلسفۂ تاریخ میں محدّثین کے انہی اصول و قواعد سے کم و بیش استفادہ کیا ہے، مگر انہیں انتہائی کوشش کے باوجود تاریخ میں محدّثین کے اس طریقے کو اپنانے اور استعمال کرنے میں وہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی جو محدّثین کے یہاں عام طور پر بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

حدیث کی کتابوں میں روایتِ حدیث کا عام طریقہ یہ ہے کہ کتاب کے مصنف سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک درمیان میں جتنے راوی آئے ہوں ترتیب وار ان سب کے نام حدیث میں لئے جائیں۔ مثلاً امام بخاریؒ جو تیسری صدی ہجری کے نصفِ اوّل کے محدّث و مصنف ہیں، جب کسی حدیث کو اپنی کتاب صحیح بخاری میں درج کرتے ہیں تو اسے اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

ہم سے حمیدی نے یہ حدیث بیان کی، حمیدی نے کہا کہ ہم سے سفیان نے حدیث بیان کی، اور سفیان سے یحییٰ بن سعید انصاری نے بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن ابراہیم تیمی نے یہ حدیث سنائی اور انہوں نے علقمہ بن وقاص لیثی سے سنی اور علقمہ نے اس حدیث کو عمر بن خطاب سے منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انما الاعمال بالنیات (صحیح بخاری جلد اوّل باب کیف کان بدء الوحی)

یعنی "اعمال کے نتائج نیتوں پر ہی موقوف ہیں"۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امام بخاری کے درمیان میں بالترتیب حسب ذیل ۶ راویانِ حدیث پائے جاتے ہیں:۔

عمر بن خطابؓ ، علقمہ بن وقاص لیثیؒ ، محمد بن ابراہیم تیمیؒ ، یحییٰ بن سعید انصاریؒ سفیانؒ ، حمیدیؒ۔

حدیث کی تمام بنیادی کتابوں میں روایتِ حدیث کا یہی طریقہ برتا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مصنفِ کتاب تک جتنے راوی درمیان میں ہوں ان سب کے نام حدیث کے شروع میں بیان کر دیے جائیں تاکہ حدیث سے اشتغال رکھنے والا ہر شخص کسی بھی حدیث کی صحت و سقم کے بارے میں بطورِ خود بھی فیصلہ کر سکے۔

روایتِ حدیث میں صرف سند یعنی راویانِ حدیث کے نام بیان کر دینے پر ہی اکتفاء نہیں کیا جاتا بلکہ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے یہ بات بھی بطورِ خاص ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ راوی ہر طرح کے اخلاقی عیوب اور کمزوریوں سے پاک ہو، سوجھ بوجھ رکھتا ہو، اس کا حافظہ قوی ہو اور اسے احادیث کے یاد رکھنے میں یہ قدرت حاصل ہو کہ بے ساختہ پوری احتیاط کے ساتھ حدیث بیان کر سکے اور جو روایت بیان کرے اس میں نہ تو سلسلۂ روایت کا کوئی راوی چھوٹنے پاتے اور نہ راویوں کی ترتیب میں فرق آنے پاتے!

کسی بھی حدیث کے متعلق جب تک یہ باتیں بدرجۂ اتم نہ پائی جائیں روایت قابلِ قبول قرار نہیں پاتی، صحتِ روایت کے یہ ایسے جامع اصول ہیں جن کا حدیث کے سوا آج تک کسی دوسری جگہ استعمال نہیں کیا جا سکا ہے!

شاہ حبش کے نام تیسرا نامۂ مبارک

بارگاہِ رسالتؐ سے حضرت عَمرو بن اُمَیَّہ الضمری کو دوبارہ مکتوب گرامی لے کر حبش جانے کا حکم ہوا، اس مرتبہ سفارت کا مقصد یہ تھا کہ مہاجرین کو مدینہ واپس بلایا جائے، مکتوب گرامی میں اصحمہ نجاشی کے قبولِ اسلام پر اظہارِ مسرت کیا گیا تھا۔ فرمانِ رسالت میں تحریر تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم،

آپ کے اوپر سلامتی ہو، آپ نے ہمارے ساتھ حسنِ سلوک برتا، ہمیں آپ کے اوپر پورا اعتماد ہے، ہم نے آپ سے جس چیز کی امید کی وہ پوری ہوئی اور جس بات کا خوف کیا اس سے مامون و محفوظ رہے۔ وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

محمد رسول اللہ

اس نامۂ مبارک کی تحریر کا شرف حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو حاصل تھا۔ نجاشی نے احتیاط کے ساتھ یہ دونوں فرمان ہاتھی دانت کے ایک ڈبے میں رکھ دیئے اور کہا کہ جب تک یہ فرمان موجود ہیں مجھے یقین ہے کہ اہلِ حبش مامون و محفوظ رہیں گے [1]۔

جیسا کہ نجاشی نے ابتداءً حضرت عمروؓ سے کہا تھا کہ اہلِ حبش میں میرے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۶۔

حامی و مددگار بہت کم ہیں اس لئے مجھے مہلت دو کہ میں اپنے لئے مددگار پیدا کرلوں، مگر نجاشی کو اس کا موقع نہ مل سکا اور رجب ۹ ہجری ۶۳۰ عیسوی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

اشاعتِ اسلام کے اسباب

جو لوگ اسلام پر بزور شمشیر پھیلنے کا الزام لگاتے ہیں ان کے لئے حبش کی تاریخ بڑی سبق آموز ہے۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ اصحمہ نجاشی کے تمام جانشین اسلام سے بے بہرہ رہے، مگر اس کے باوجود آج بھی ایک کروڑ پچاس لاکھ کی آبادی میں پینتالیس لاکھ مسلمان موجود ہیں، یعنی کل آبادی کا ۳۰ فی صد۔ یہی نہیں بلکہ حبش کی تہذیب و تمدن میں بھی اسلامی رنگ نمایاں ہے۔
(اٹلس آف اسلامک ہسٹری ص ۵)

اگر یہ لوگ اسلام کی صداقت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تو سوچنا چاہئے کہ اسلام کی یہ صداقت دوسروں کو مسلمان بنانے میں کیوں مؤثر نہ ہوئی ہوگی؟

اسی کے ساتھ حبش کی تاریخ سے مسلمانوں کی جنگوں اور فتوحات پر اعتراض کے مسئلے کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ نصف صدی کی قلیل مدت میں آدھی دنیا مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گئی، روم و ایران جو اس زمانے میں دو سب سے بڑی طاقتیں تھیں ان کو مسلمانوں کے لئے جگہ خالی کر دینی پڑی، مگر ان زبردست فتوحات کے باوجود حبش کے ملک کو جو عرب کے بالکل پہلو میں واقع ہے مسلمانوں نے کبھی نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، وہاں آج تک

بھی عیسائیت ہی حکم راں ہے، دنیا کی تاریخ میں احسان شناسی اور سپاس گزاری کا یہ کوئی معمولی واقعہ ہے؟

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام صرف ان ہی طاقتوں سے نبرد آزما ہوا ہے جو اپنی طاقت کے زعم میں ایک طرف اسلام کو ختم کر دینے کے لئے برسرِ پیکار ہوئیں اور دوسری طرف انہوں نے دنیا کے امن کو خطرے میں ڈال دیا، تاریخ مسلمانوں کی کسی ایسی جنگ کا پتہ نہیں دیتی جو محض اس لئے لڑی گئی ہو کہ فتح حاصل کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے، قرآنِ کریم کا اس بارے میں صاف فیصلہ یہ ہے کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں کسی پر کوئی زبردستی نہیں ہے۔"

ہندوستان میں مسلمانوں نے چھ سو سال سے زائد حکومت کی، اور پورے ملک کو ایک مرکز کے تحت متحد کر دیا، مگر اس کے باوجود اس عظیم ملک میں مسلمانوں کا تناسبِ آبادی ۲۵ فی صد سے آگے نہ بڑھ سکا، اگر اسلام کی اشاعت میں واقعتہً تلوار کا دخل ہوتا تو حبش اور ہندوستان میں مسلمانوں کے تناسب آبادی کے موجودہ نتائج کو یقیناً ایک دوسرے کے برعکس ہونا چاہئے تھا۔

اسلام نے انسانیت کو مساوات کے پیغام کے ساتھ عقائد اور مذہب کی آزادی بھی عطا کی ہے، اسلام میں اقرار و انکار کے دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ یعنی دین کے معاملے میں ہرگز کوئی جبر نہیں ہے!

متحدہ اقوام نے چودہ سو سال کے بعد حقوقِ انسانی کے چارٹر میں مذہب اور عقائد کی آزادی کا اعلان کیا ہے، مگر اسلام میں یہ حقوق شروع ہی سے موجود ہیں، ماضی میں جس طرح اسلام کی اشاعت ہوئی ہے، آج بھی اس کا نمونہ موجود ہے، چنانچہ براعظم افریقہ اس میں پیش پیش ہے۔ افریقی ملک دن بدن اسلام

کی جانب بڑھ رہے ہیں، افریقی باشندے، اسلامی تعلیم، اسلامی مساوات، اسلامی اخوت اور اسلامی رواداری سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے ہیں، حالانکہ افریقہ میں اسلامی مبلغین کی کوئی منظم جماعت موجود نہیں ہے، اس کے برخلاف، امریکہ، کناڈا اور برطانیہ کے مشنری اور تعلیمی ادارے منظم طور پر سرمائے کی بے پناہ طاقت کے ساتھ افریقہ کے حبشی باشندوں میں تعلیم اور ہسپتالوں کے ذریعے عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت میں رات دن کوشاں ہیں، مگر جب تعلیم افریقی باشندوں کے دل و دماغ کو روشن کر دیتی ہے تو وہ مسیحیت کے بجائے اسلام کی آغوش میں پناہ گزیں ہو جاتے ہیں۔

عیسائی مشنریوں کی جانب سے اسلام کی اس غیر معمولی اشاعت کا سبب یہ بتلایا جاتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی تعلیمات زیادہ آسان ہیں، اسی کے ساتھ اسلام میں ذات پات، رنگ اور نسلی امتیاز کا نہ پایا جانا وہاں کے لوگوں کے لئے اسلام کی جانب کشش کا باعث ہے

اس صدی کے دوران افریقہ میں اسلام غیر معمولی تیزی کے ساتھ پھیلا ہے، اس کے بعض علاقوں میں بیسویں صدی کے آغاز میں مسلم آبادی کا تناسب ۱۰ فی صد تھا، لیکن اب یہ تناسب ۶۰ فی صد تک پہنچ گیا ہے۔ حبشہ جو افریقہ میں مسیحی آبادی کا علاقہ اور چرچ کا مرکز ہے، وہاں بھی مسلم آبادی ۶۰ فی صد تک پہنچ گئی ہے۔

(روزنامہ "دعوت" دہلی، اجتماع نمبر ۱۹۷۴، ص ۱۸۱)

موجودہ زمانے میں اسلام دنیا کا دوسرا سب سے بڑا مذہب ہے، اس وقت تین چوتھائی مسلمان غیر عرب ہیں، بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ اس صدی کے آخر تک اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن جائے گا۔

چنانچہ بہت سے انصاف پسند مصنفین نے اس الزام کی زبردست تردید کی ہے، ابھی چند سال ہوتے پنڈت جواہر لال نہرو نے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کے بارے میں تاریخ کی اس بہت بڑی گمراہی کو دور کر کے اصل حقیقت کو واضح کیا تھا، پنڈت جی نے سلطان سعود اوّل کے دورۂ ہند کے دوران میں لال قلعے کی ایک استقبالیہ تقریب میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

اسلام جو ایک بڑا اور عظیم الشان مذہب ہے اور جس نے دنیا پر گہرے اثرات ڈالے ہیں، ہندوستان میں پُرامن اور دوستانہ طریقے سے داخل ہوا، وہ اپنے ساتھ امن اور صلح کا پیغام لایا، ہندوستان نے بھی اپنی روایات کے مطابق اس کا خیر مقدم کیا اور یوں ہندوستان میں اسلام کو قائم ہونے کا موقع ملا۔ اس کے بعد مختلف لوگوں نے زور آزمائیاں شروع کر دیں، مگر وہ سیاسی میدان تک محدود رہیں، بعض لوگ غلطی سے آپس کی لڑائیوں کو مذہبی لڑائیاں تصوّر کرنے لگے ہیں، ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی مذہب کو استعمال کیا گیا ہو، لیکن مجموعی حیثیت سے یہ تمام لڑائیاں محض سیاسی تھیں۔"

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی مؤرخہ ۲ دسمبر ۱۹۵۵ء ص ۳ کالم ۱)

اور سچ تو یہ ہے کہ اب مدت سے یہ اعتراض عجائب گھروں میں پڑا ہوا اپنی بوسیدگی اور فرسودگی کا اعلان کر رہا ہے۔ حبش، سیام، انڈونیشیا، ملایا، سیلون، برما، فلپائن، چین اور روس کے ۲۰ کروڑ مسلمانوں کی عظیم تعداد اس غلط فہمی کی تردید کے لئے ازبس کافی ہے، ان میں سے کسی ملک میں بھی مسلمان کبھی فاتحانہ حیثیت سے داخل نہیں ہوتے۔

قیصرِ روم کے نام

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی سیاسی قوتوں کے دو بڑے مرکز تھے جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں خلیج فارس کے ساحل پر ایرانی حکومت قائم تھی اس کا رقبہ فرغانہ و افغانستان سے لے کر یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ اس وقت ایشیا کی سب سے بڑی سلطنت اور ایک عظیم الشان تہذیب کا گہوارہ تھی، اور مغرب میں بحر احمر کے کناروں سے لے کر بحرِ اسود تک وہ سلطنت پھیلی ہوئی تھی جو تاریخ میں روم (بازنطین) کے نام سے مشہور ہے۔ دونوں حکومتوں کی سرحدیں عرب کے شمال میں عراق کے مشہور دریاؤں دجلہ و فرات پر آکر ملتی تھیں۔ یہ اپنے زمانے کی طاقت ورترین سلطنتیں تھیں۔ اور اپنے جاہ و جلال اور قوت و سطوت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے زیادہ پُرشوکت و عظمت حکومتیں سمجھی جاتی تھیں۔

روم اس زمانہ میں اٹلی کے دارالسلطنت کا نام ہے، عرب بازنطین (BYZANTINE) کو روم کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں بازنطین کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ اس کے مشرقی علاقے میں جو ایشیائے کوچک، مصر، شام اور فلسطین وغیرہ ممالک پر مشتمل تھا کونسٹنٹائن نے ۳۲۶ء میں آبنائے باسفورس کے کنارے پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام کونسٹنٹائن (CONSTANTINE) رکھا جو اب قسطنطنیہ یا استنبول کہلاتا ہے۔ مغربی حصے کا دارالسلطنت بدستور روم رہا۔ اسلامی تاریخوں میں روم سے مراد رومی شہنشاہیت کا مشرقی حصہ ہے۔ روم کا شہنشاہ قیصر کہلاتا تھا۔ (CAESAR)

مؤرخ ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON) کے بیان کے مطابق یہ اپنے وقت کی مہذب ترین سلطنت تھی، قیصرِ روم کو سیاسی اقتدار کے ساتھ مذہبی قیادت بھی حاصل تھی۔

آفتابِ رسالت کے طلوع پر چند سال گزرے تھے کہ ۶۱۳ء میں خسرو پرویز شہنشاہِ ایران نے رومی سلطنت پر ایک بھرپور حملہ کیا اور عراق، شام اور مصر کو فتح کرتا ہوا ایشیائے کوچک میں داخل ہو گیا۔ ہرقل (HERCLIUS) (۶۱۰ - ۶۴۱ء) قیصرِ روم اس سیلاب کو روک نہ سکا، ۶۱۷ء تک روم کے تمام مشرقی صوبوں پر ایران کا قبضہ ہو گیا، یہاں تک کہ ایرانیوں کے محاصرے سے خود روم کا مشرقی دارالحکومت قسطنطنیہ خطرے میں پڑ گیا۔

آتش پرست ایرانیوں نے رومی علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد مسیحیت کو مٹانے کے لئے شدید ترین مظالم شروع کر دئیے، عیسائیوں کے مذہبی شعائر کی توہین کی گئی، گرجاؤں کو مسمار کر دیا گیا، اور ان کی جگہ آتش کدے تعمیر کئے گئے مقدس صلیب کی وہ لکڑی جس کی نسبت عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اس پر مسیح نے جان دی تھی، بیت المقدس سے نکال کر ایران کے پایۂ تخت مدائن پہنچا دی گئی۔

اس وقت خسرو پرویز کی نخوت و غرور کا عجیب عالم تھا، اس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو خسرو پرویز نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا:

"سب خداؤں سے بڑے خدا، تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام:

تُو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے، کیوں نہ تیرے خدا

نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچا لیا؟ میں اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک تو اپنے صلیبی خدا کو چھوڑ کر آتش پرستی اختیار نہ کرے گا۔" [1]

ایک طرف تو یہ واقعات ہو رہے تھے اور دوسری طرف مکہ کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ سے تنگ تر ہو رہی تھی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ۶۱۵ء میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش میں پناہ لینی پڑی تھی، اور مکہ میں بچے کھچے مسلمان شعب ابی طالب میں محصور تھے، قریش نے یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے، چنانچہ قریش کے تمام قبائل نے ایک معاہدہ کیا کہ کوئی شخص خاندانِ بنی ہاشم سے نہ قرابت کرے گا اور نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا، یہ معاہدہ لکھ کر کعبہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا گیا۔

جب مکہ میں رومیوں کی مغلوبیت کی خبر پہنچی تو قریش نے خوب خوشی منائی۔ وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ایران کے آتش پرست فتح پا رہے ہیں اور تمہاری طرح سے وحی و رسالت کے ماننے والے عیسائی شکست پر شکست کھاتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ایک دن ہم بھی تمہیں اور تمہارے دین کو مٹا کر رکھ دیں گے۔

خسرو پرویز کی فتح ایسی فیصلہ کن تھی اور قیصر ہرقل کی شکست ایسی فاش تھی کہ مستقبل میں رومیوں کے سنبھلنے کا دور دور تک کوئی امکان نظر نہ

---

[1] THE HISTORY OF THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE VOL. II P. 788

آتا تھا، اسی طرح مسلمان انتہائی کمزوری اور بے بسی کی حالت میں مبتلا تھے، قریش نے ان کا مکمل معاشرتی بائیکاٹ کر کے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا، عین اس نازک ترین اور مایوس کن موقع پر قرآن حکیم نے مسلمانوں کی دل جوئی کے لئے یہ محیر العقول اعلان کیا:

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

سورۂ روم :- ۶

رومی قریب کے ملک میں مغلوب ہو گئے ہیں، مگر مغلوب ہونے کے بعد چند سال میں وہ پھر غالب آجائیں گے، پہلے اور پیچھے سب اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہوں گے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، وہ غالب اور مہربان ہے، خدا کا وعدہ ہے، خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

(سورۂ روم :۶۰)

قرآن حکیم نے اس پیشین گوئی میں دو باتیں کہی تھیں، پہلی بات یہ ہے کہ رومی چند سال میں غالب آجائیں گے، دوسری خبر یہ دی گئی ہے کہ خود مسلمانوں کو بھی اس وقت خدا کی مدد سے خوشی نصیب ہوگی۔

تاریخ زوال روما کا مصنف ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ "جب یہ پیشین گوئی کی گئی تو کوئی بھی پیشگی خبر اتنی بعید از وقوع نہیں ہو سکتی تھی" یہ تو ایک عیسائی مورخ کا تاثر ہے، خود مسلمان اپنی کمزوری اور بے بسی کے جس نازک ترین دور سے گزر رہے تھے اس میں ان کے پنپنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا

ایسی حیرت انگیز پیشین گوئی پر عربوں کا خاموش رہنا غیر ممکن تھا، چنانچہ ابی بن خلف نے علانیہ طور پر دعویٰ کے ساتھ اس کا انکار کیا اور کہا کہ "یہ ناممکن ہے، واقعات کی رفتار اس کے صریح خلاف ہے"۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جن کی قوتِ ایمانی غیر متزلزل اور پہاڑ کی طرح مضبوط تھی اُبیّ بن خلف سے شرط لگائی کہ اگر رومی ایران پر غالب نہ آئے تو ایک سو اونٹ وہ ابی کو دیں گے اور بصورتِ دیگر ابی ایک سو اونٹ صدیق اکبرؓ کو دے گا۔

اس شرط کے چند سال بعد ۶۲۲ء میں ادھر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور ادھر قیصرِ روم قسطنطنیہ کے ایرانی محاصرے سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہرقل جس کو پے در پے شکستوں نے اتنا مایوس کر دیا تھا کہ وہ قسطنطنیہ سے فرار ہو کر افریقہ جانے کی تیاری کر رہا تھا، دفعتہً اس کے ارادے میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ گبن لکھتا ہے کہ "وہی ہرقل جس کی ہمت پست ہو چکی تھی اور جس کا دماغ اس سے پہلے کچھ کام نہیں کرتا تھا، اب اس نے ایک نہایت کامیاب منصوبہ بنایا۔ ۶۲۲ء میں جب ہرقل اپنی فوجیں لے کر قسطنطنیہ سے روانہ ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ دنیا رومن امپائر کا آخری لشکر دیکھ رہی ہے۔ تاریخ کے نمایاں کرداروں میں سے ایک غیر معمولی کردار وہ ہے جو ہم ہرقل کے اندر دیکھتے ہیں، ہرقل جانتا تھا کہ ایرانیوں کی بحری طاقت کمزور ہے، اس نے اپنے بحری بیڑے کو پشت سے ایران پر حملے کے لئے تیار کیا، اس نے اپنی فوجیں بحرِ اسود کے راستے سے گزار کر آرمینیا میں اتار دیں اور وہاں سے ایران پر ایک بھرپور حملہ کیا، ایرانی اس غیر متوقع حملے سے گھبرا گئے اور ان کے قدم اُکھڑ گئے، ہرقل نے دوسرے سال آذربائجان میں گھس کر ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

خداوندِ عالم کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے، اسی زمانے ۲ ہجری، ۶۲۴ عیسوی) میں مسلمانوں کو بدر کے مقام پر قریش کے مقابلے میں پہلی بار عظیم الشان فتح حاصل ہوئی اور اس طرح قرآنِ کریم کی دونوں پیشین گوئیاں جو شروع میں بہت ہی بعید از وقوع معلوم ہوتی تھیں دس سال کے اندر اندر بیک وقت پوری ہو گئیں۔

قیصرِ روم، ایران پر اس قدر شان دار فتح کی خوشی میں اپنے پایۂ تخت قسطنطنیہ سے پا پیادہ زیارت کے لئے بیت المقدس (JERUSALEM) آیا ہوا تھا، طمطراق اور شان و شوکت کا یہ عالم تھا کہ راستے میں جہاں قدم رکھتا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھائے جاتے تھے۔ [1]

روم اور فارس کے دربار بڑے جاہ و جلال اور شان و شوکت کے دربار تھے، امراء سلطنت، افسرانِ فوج اور خدم و حشم کی کثرت بڑی مرعوب کُن ہوتی تھی، بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کرنا لازمی تھا۔

بارگاہِ نبوت کے سفیر حضرت دحیہ بن خُلَیفَہ کلبی، فرمانِ رسالت لے کر جب بیت المقدس پہنچے تو لوگوں نے ان کو بتلایا کہ جب تم قیصر کے سامنے پہنچو تو تختِ شاہی کے قریب جاکر سجدہ کرنا دربارِ شاہی کا یہی دستور ہے۔

حضرت دحیہ نے جواب دیا کہ "ہم مسلمان ہیں، ہمارا مذہب خدا کی ذاتِ اقدس کے سوا کسی کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا، مجھ سے یہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔"

قیصر کے سامنے جب نامۂ مبارک پیش ہوا تو اس نے حکم دیا کہ عرب

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ ص ۸۵۔

کا اگر کوئی شخص مِل سکے تو لایا جائے۔"

اتّفاق سے بیت المقدّس کے قریب غزّہ[1] میں قریش مکّہ کے تاجروں کا ایک قافلہ مقیم تھا، امیرِ قافلہ ابوسفیان تھے جو ابھی تک اسلام نہ لائے تھے۔ قیصر کے آدمی جا کر قافلے کے لوگوں کو لے آئے۔ قیصر نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دربار منعقد کیا اور اہلِ عرب کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ "تم لوگوں میں کوئی شخص اس مدّعیٔ نبوت کا رشتہ دار ہے؟"

ابوسفیان نے کہا "میں اس کا رشتہ دار ہوں۔"

قیصر نے ان کو تخت کے قریب بلایا، اور ابوسفیان کے ہمراہیوں سے کہا کہ "تم اس شخص کے پیچھے بیٹھ جاؤ، میں اس سے کچھ سوالات کرتا ہوں، اگر کسی بات میں یہ جھوٹ بولے تو تم مجھ کو اشارہ سے بتلا دینا۔"

ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں نے ارادہ کیا کہ میں قیصر کے دل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات کو اہمیت نہ اختیار کرنے دوں۔ اس لئے میں نے قیصر سے کہا کہ "آپ اس کی وجہ سے کیوں خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں، جو بات آپ کو اس کے متعلق معلوم ہوئی ہے اس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان بہت کم ہے مگر میں نے دیکھا کہ میری اس بات کا قیصر پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اس کے برخلاف قیصر نے کہا کہ "تم صرف ان باتوں

---

[1] غزّہ جزیرہ نمائے سینا میں فلسطین اور مصر کا سرحدی مقام ہے۔ یہ فلسطین کے جنوب اور بحرِ روم کے مشرق میں واقع ہے، یہ ایک قدیم تاریخی شہر ہے، پندرہ سو سال قبل مسیح میں اس کی بنیاد پڑی تھی، جغرافیائی لحاظ سے غزّہ اہم مقام ہے، یہ قدیم زمانے میں بڑا تجارتی مرکز تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پردادا ہاشم کا تجارتی سفر کے دوران یہیں انتقال ہوا تھا۔

کا جواب دو جو میں تم سے اس کے متعلق دریافت کروں۔" میں نے کہا "آپ دریافت فرمائیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ:
"اگر مجھے اپنے دروغ گو مشہور ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور اس موقع پر جھوٹ بولتا۔"

اسلام کے بارے میں قیصر اور ابوسفیان کا مکالمہ

قیصر : "مدعیٔ نبوت کا خاندان کیسا ہے؟"
ابوسفیان : "نہایت شریف!"
قیصر : "پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے ہوتے ہیں، تاکہ ان کی اطاعت سے کسی کو عار نہ ہو۔"
قیصر : "کیا اس کے خاندان میں کسی اور نے بھی کبھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ یا اس میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟"
ابوسفیان : "کبھی نہیں۔"
قیصر : "اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، اور باپ دادا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے"
جن لوگوں نے اس کا مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحبِ اثر؟"
ابوسفیان : "کمزور لوگ ہیں!"
قیصر : "پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ اچھا اُس کے پیرو بڑھتے جا رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟"

ابوسفیان : "اس کے پیروؤں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔"
قیصر : "ایمان کی کشش کا یہی عالم ہے، اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔
کیا کچھ لوگ اس کے دین سے بے زار ہو کر اس کو چھوڑ بھی بیٹھتے ہیں؟"
ابوسفیان : "اب تک تو کسی نے ایسا نہیں کیا!"
قیصر : "ایمان کی خوبی یہی ہے کہ وہ جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ اپنی صداقت کے ساتھ دل نشین ہوتا ہے۔ ایمان کی لذت کی یہی تاثیر ہے کہ جب وہ دل میں بیٹھ جاتی ہے اور روح پر اپنا اثر کر لیتی ہے تو پھر جدا نہیں ہوتی۔"
"اس کے دعوئ نبوت سے قبل تم اسے سچا سمجھتے تھے یا کبھی اس کے جھوٹ کا بھی تمہیں تجربہ ہوا ہے؟"
ابوسفیان : "نہیں اُس نے جھوٹ کبھی نہیں بولا!"
قیصر : "جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہ بولے وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے! پیغمبر نہ کبھی جھوٹ بولتے ہیں اور نہ کسی کو دھوکہ دیتے ہیں۔
"کیا کبھی وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟"
ابوسفیان : "ابھی تک تو کبھی ایسا نہیں ہوا، لیکن اب جو معاہدۂ صلح ہوا ہے اس میں دیکھنا ہے کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں!"
قیصر : "پیغمبر عہد شکن نہیں ہوتے!
"کبھی اس کے ساتھ تمہاری جنگ ہوئی ہے؟"
ابوسفیان : "جی ہاں! کئی مرتبہ ہو چکی ہے۔"
قیصر : جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟"
ابوسفیان : "کبھی وہ غالب آئے اور کبھی ہم!"

قیصر: "خدا کے پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے۔ لیکن آخر کار کامیاب وہی ہوتے ہیں"۔
"وہ تعلیم کیا دیتا ہے؟"

ابوسفیان: "وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، پاک دامنی اختیار کرو، سچ بولو، لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، باپ دادا کے مشرکانہ طریقے کو چھوڑ دو، نماز پڑھو"۔

قیصر: "نبیِ موعود کی یہی علامتیں ہمیں بتلائی گئی ہیں، مجھے یقین تھا کہ عن قریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، مگر میرا یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں ہوگا"

ابوسفیان: "اگر تم نے جھوٹ نہیں بولا تو ایک روز وہ اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں ضرور مالک ہو جائے گا" اے کاش! میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا تو اُن کے پاؤں دھوتا۔"[1]

اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ نامۂ مبارک پڑھا جائے، فرمانِ رسالت میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

محمد کی جانب سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے —— ہرقل قیصرِ روم کے نام۔

اس پر سلامتی ہو جس نے راہِ راست اختیار کی —— !

بعد ازاں! میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، پس اگر سلامتی منظور ہے تو اسلام قبول کر لیجیے! اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر آپ نے انکار کیا تو ساری قوم کی گمراہی کی ذمہ داری بھی

---

[1] صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵ مطبوعہ اصح المطابع دہلی و تاریخ طبری جلد ۳ ص ۸۶ و ۸۷۔

آپ ہی کے اوپر ہوگی۔

اے اہلِ کتاب![1] اختلاف و نزاع کی ساری باتیں نظرانداز کر کے ایک ایسی بات پر متفق ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں طور پر مسلم ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنائیں!

اگر تمہیں اس بات سے انکار ہے تو تمہیں معلوم رہنا چاہئے کہ ہم بہرحال خدا کی یکتائی کا عقیدہ رکھتے ہیں![2]

اللہ
رسول
محمد

---

[1] یہاں سے آخر تک مکتوب گرامی میں سورۂ آلِ عمران کی ایک آیت نقل کی گئی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مخاطب کیا ہے۔

[2] تاریخ میں اس مکتوبِ گرامی کی موجودگی کا ساتویں صدی ہجری تک اسپین میں پتہ چلتا ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے مشہور مؤرخ و محدث علامہ سہیلیؒ نے اپنے زمانے میں اس کا اسپین میں موجود ہونا بیان کیا ہے صحیح بخاری کے شارح علامہ قسطلانی (۸۵۱ھ، ۱۴۴۷ء - ۹۲۳ھ، ۱۵۱۷ء) نے لکھا ہے کہ ملک منصور قلاوون صالحی ۶۷۸ھ - ۱۲۷۹ء - ۶۸۹ھ - ۱۲۹۰ء نے ۶۸۲ھ - ۱۲۸۳ء میں اسپین کے بادشاہ الفونسو کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی۔ شاہ الفونسو نے ملک منصور کے سفیر سیف الدین قلیج کو یہ مکتوب نبوی دکھلایا تھا، جو سونے کے ڈبے میں رکھا ہوا تھا، شاہِ اسپین نے سفیر مذکور کو بتلایا کہ "یہ پیغمبرِ اسلام کا وہ خط ہے جو ہمارے دادا قیصرِ روم کے نام بھیجا گیا تھا۔ (قسطلانی جلد اوّل ص ۶۷)

مکتوباتِ نبوی کی کتابت کے دوران قیصرِ روم کے نام اس نامۂ مبارک کا ابھی حال میں انکشاف ہوا ہے، اخبارات کی اطلاع کے مطابق یہ نامۂ مبارک کسی طرح اسپین سے مکہ مکرمہ پہنچ گیا، وہاں امیر عبداللہ کے ہاتھ لگ گیا، امیر عبداللہ شریف حسین شریف مکہ کے فرزند اور شرق اردن کے موجودہ بادشاہ شاہ حسین کے دادا تھے، امیر عبداللہ سے یہ مکتوبِ نبوی ان کی ایک ملکہ کے قبضے میں چلا گیا، ملکہ اب اسے ہدیہ کرنا چاہتی ہیں۔ ابوظبی کے حکمراں شیخ زید بن سلطان آل نہیان نے اس گراں قدر دستاویز کو حاصل کرنے کے لئے ملکہ کو دس لاکھ پونڈ (تقریباً دو کروڑ روپے) کی پیشکش کی ہے، اخبارات کے

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اہلِ دربار اس سے سخت مشتعل تھے، فرمانِ رسالت کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہو گئے۔ قیصر نے یہ رنگ دیکھ کر حضرت دحیہ رضؓ سے کہا کہ "اگر مجھے اپنے لوگوں سے اپنی جان کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور تمہارے نبی کا اتباع کرتا، وہ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔[1]"

ہر چند قیصر کے دل میں نورِ اسلام جلوہ افگن ہو چکا تھا مگر تخت و تاج کی محبت میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔[2]"

بیان کے مطابق کسی بھی نادر و نایاب مخطوطے کی یہ انتہائی قیمت ہے۔ شیخ زید اس مکتوبِ نبوی کو زیارت کے لئے ابوظبی کے ثقافتی مرکز (میوزیم) میں رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ نامۂ مبارک رق (کھال) پر لکھا ہوا ہے اور آٹھ سطروں پر مشتمل ہے، اس نامۂ مبارک کے اصلی ہونے کی تحقیق کا کام شیخ زید بن سلطان کے ثقافتی امور کے مشیر ڈاکٹر ابراہیم نے انجام دیا ہے، موصوف مصر کے ایک ممتاز عالم ہیں اس کے علاوہ دوسرے اور بھی ذرائع سے اس کے اصلی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اب تک دستیاب ہونے والا یہ پانچواں نامۂ مبارک ہے، چار مکتوباتِ نبوی اس سے پہلے دست یاب ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام ہے، دوسرا مصر میں رومی شہنشاہیت کے نائب السلطنت مقوقس کے نام ہے اور تیسرا البحرین کے ایرانی گورنر منذر کے نام ہے اور چوتھا مکتوبِ گرامی ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کے نام ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

سید محبوب رضوی

---

[1] صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵ مطبوعہ اصح المطابع دہلی تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۸۸ [2] صحیح بخاری میں ابوسفیان رضؓ کی ایک طویل روایت منقول ہے۔ جس میں ابن ناطور حاکم بیت المقدس کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ قیصر جب بیت المقدس آیا تو ایک روز صبح کو گھبرایا ہوا اٹھا۔ ایک شخص نے پریشانی کا سبب پوچھا تو قیصر نے کہا "آج رات میں نے ستاروں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ مختون قوم کا بادشاہ تمام ممالک پر غالب آنے والا ہے"، اس کے بعد اپنے ایک درباری کو جو علم نجوم کا ماہر تھا خط میں یہ کیفیت لکھ کر بھیجی، اس نے قیصر کی تائید کرتے ہوئے لکھا کہ:

"ایک نبی کی بعثت ہو چکی ہے، وہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً نبی ہیں"

(صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵ مطبوعہ اصح المطابع دہلی و تاریخ طبری جلد ۳، مکتوبِ نبوی بنام قیصرِ روم۔

قیصر کے یہاں انبیاء کی شبیہیں

سیرتِ عمرؓ میں علامہ ابن جوزیؒ نے جو تاریخ اسلام کے بہت مشہور محقق اور نقاد ہیں، حضرت دحیہؓ کی سفارتِ روم کے سلسلے میں قیصرِ روم کے محل میں انبیاء علیہم السلام کی ۳۱۳ شبیہوں کے موجود ہونے کا ایک عجیب اور دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ حضرت دحیہؓ کا بیان ہے کہ "جب قیصرِ روم نے اپنی قوم کے عمائد کو اسلام سے متنفر پایا تو مجلس برخواست کر دی اور دوسرے روز مجھے ایک عالی شان محل میں بلایا، وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کمرے میں چاروں طرف ۳۱۳ تصویریں لگی ہوئی ہیں، قیصر نے مجھے مخاطب کر کے کہا "یہ کل تصویریں جو تم دیکھتے ہو نبیوں اور پیغمبروں کی ہیں، کیا تم بتلا سکتے ہو کہ ان میں تمہارے نبی کی کون سی تصویر ہے؟ میں نے بغور دیکھ کر ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا کہ "یہ ہے۔"

قیصر نے کہا کہ "بے شک یہی آخری نبی کی تصویر ہے۔" قیصر نے پھر دریافت کیا کہ "اس تصویر کی داہنی جانب کی تصویر کو بھی پہچان سکتے ہو، یہ کس کی ہے؟"

میں نے بتلایا کہ "یہ نبی آخر الزماں کے ایک صحابی ابوبکر صدیقؓ کی تصویر ہے"

قیصر نے پھر پوچھا "اور یہ بائیں طرف کی تصویر کس کی ہے؟"

میں نے کہا "یہ ان کے دوسرے صحابی عمر فاروقؓ ہیں۔"

قیصر یہ سن کر کہنے لگا کہ "توریت کی پیشین گوئی کے مطابق یہی دو شخص

ہیں جن کے ہاتھوں سے تمہارے دین کی ترقی اوجِ کمال کو پہنچے گی"۔ لہ
حضرت دحیہؓ فرماتے ہیں کہ "میں جب سفارت کو انجام دے کر

لہ توراۃ وانجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو متعدد پیشین گوئیاں بیان کی گئی ہیں، ان کی موجودگی میں ہو سکتا ہے کہ کسی فن کارِ مصوّر نے ان علامات کے ذریعے سے آپ کی تصویر تیار کر لی ہو، تفصیل کے لئے دیکھئے رحمۃ للعالمین جلد اوّل ص ۱۲۰ لغایۃ ۱۲۵ ـــــ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی اس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ؁ (سورۂ بقرہ، رکوع ۱۷)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ اور انجیل) دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اسی طرح اُن (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی پہچانتے ہیں! مگر ان میں سے بعض لوگ (حسد و عناد کے سبب سے) دیدہ و دانستہ حق کو چھپاتے ہیں"۔

خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں خیبر کے یہود کو تحریر فرمایا تھا:۔

اے اہلِ توراۃ! کیا اللہ نے توراۃ میں یہ نہیں کہا کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں؟ اور کیا توراۃ میں مجھ پر ایمان لانے کے لئے لکھا ہوا موجود نہیں ہے میری نسبت توراۃ کی اس تصریح کے بعد کیا ہدایت اور گمراہی واضح نہیں ہو جاتی (ابو نعیم بحوالہ رسالت نبویہ ۳۲۰)

ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سفارت روم کے سلسلے میں حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی روایت سے اسی طرح کا واقعہ نقل کیا ہے انہیں بھی ہرقل نے انبیاء علیہم السلام کی تصویریں دکھلائی تھیں، تصویر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبسم فرماتے ہوئے دکھلایا گیا تھا۔ حضرت عبادہؓ کے دریافت کرنے پر ہرقل نے بتلایا "یہ تصویریں دانیال نبی کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہیں۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں جبیر بن مطعمؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بُصریٰ کی ایک عیسائی خانقاہ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تصویر دیکھی ہے جس میں حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ آپؐ کو دکھلایا گیا ہے۔ قیصر ہرقل کے واقعے کو عرب مؤرخین کے علاوہ بازنطینی مصنفین نے بھی لکھا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تو یہ تمام واقعہ آپ کو سنایا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ "قیصر نے سچ کہا، واقعی اسلام کی ترقی ان ہی دو شخصوں کے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ

۲۵۷ھ۔ ۸۷۰ء میں ایک شخص ابن وہب نے چین کے سفر میں شہنشاہِ چین کے دربار میں انبیاء علیہم السّلام کی تصاویر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصویر دیکھی تھی جس میں آپ کو اونٹ پر سوار دکھایا گیا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ کا مضمون بعنوان "حضرت ابوبکرؓ کی سفارت بنام ہرقل" مطبوعہ ماہنامہ "البلاغ"، کراچی، بابت ماہ رجب ۱۳۸۸ھ)۔

قرآن مجید اور مکتوبِ نبوی میں جس تحدی اور یقین کے ساتھ کہا گیا ہے اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب کے یہاں ضرور ایسی صاف وصریح علامات اور پیشین گوئیاں موجود تھیں جن کے ذریعے سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعض صحابہ کو بغیر شک و شبہ کے پہچانا اور شناخت کیا جاسکتا تھا، تاریخ طبری، اَلبدایۃُ والنہایہ، ابن کثیر اور تاریخ الکامل وغیرہ کے بیانات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب کے یہاں حضرت عمر فاروقؓ کی شناخت کی علامات بھی موجود تھیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

۱۷ھ، ۶۳۹ء میں جب حضرت عمروؓ بن عاص نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو وہاں کے کمانڈر ارطبون کے نام ایک خط بھیجا، جس میں ارطبون کو شہر حوالے کر دینے کے لئے لکھا گیا تھا، خط لے جانے کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا گیا جو رومی زبان جانتا تھا، مگر اس کو یہ تاکید کر دی گئی کہ وہ ارطبون پر اپنے رومی زبان جاننے کا اظہار نہ ہونے دے تاکہ خط کے بارے میں بیت المقدس کے لوگ آزادی کے ساتھ آپس میں جو گفتگو کریں اُسے سن کر انہیں مطلع کر دے۔ خط پڑھ کر ارطبون نے حاضرینِ مجلس سے کہا کہ "یہ ناممکن ہے کہ عمرو یروشلیم پر قبضہ کر سکے، یروشلیم کا فاتح صرف وہی شخص ہو سکتا ہے، جس کے نام میں صرف تین حرف ہوں گے۔ یہ کہہ کر ایک خاص وضع قطع اور حلیہ بیان کیا اور کہا کہ "میں نے خوب غور سے دیکھ لیا ہے عمرو کا یہ حلیہ نہیں ہے، اس لئے یہ شخص یروشلیم کو ہرگز فتح نہیں کر سکتا!" یہ کہہ کر قاصد کو لاپرواہی سے واپس کر دیا۔

قاصد نے حضرت عمروؓ بن عاص کے پاس آکر جو کچھ سنا تھا بیان کیا، انہوں نے کہا کہ "یہ تو خاص حضرت عمر فاروقؓ کی وضع قطع، علامت اور ان کا حلیہ ہے۔" (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاتھوں کمال تک پہنچے گی"۔ لہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اسی وقت بارگاہِ خلافت میں عریضہ بھیجا گیا، جس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لائے، اور وہاں کے لوگوں نے انھیں پہچان کر بلا تامل شہر حوالے کر دیا (تاریخ طبری جلد ۴ ص ۱۵۸ و تاریخ الکامل جلد ۲ ص ۱۹۳ و البدایۃ والنہایۃ جلد ۷، ص ۵۵)

اس میں شبہ نہیں کہ یہ واقعات حیرت انگیز ہیں، لیکن کسی واقعے کا محض حیرت انگیز ہونا اس کے ناممکن الوقوع ہونے کی دلیل نہیں ہوتا، تاریخ عالم کے کتنے واقعات ہیں جو حیرت انگیز ہونے کے باوجود اپنی حقیقت رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۵ء/ ۱۳۶۴ھ کے اواخر میں مجھے ہندوستان کے اسمبلی ہال (موجودہ لوک سبھا) کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، اسمبلی ہال کے قریب ہی لائبریری ہال تھا، اس کی دیواروں پر ہندوستان کے وائسرایوں کی قلمی تصویریں بنائی گئی تھیں، تصاویر کے چوکٹے ہال کی تعمیر کے ساتھ ہی بنا دئے گئے تھے، میں نے جس زمانے میں اس ہال کو دیکھا تھا اس وقت ہال میں صرف دو چوکٹے پُر ہونے سے باقی تھے۔

۱۹۴۵ء کے اواخر میں لارڈ ویول وائسرائے تھے، ان کی تصویر اس وقت تک بنائی نہیں گئی تھی۔ لارڈ ویول کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہوئے جن پر یہ عہدہ ختم ہو گیا اور ادھر لائبریری ہال کے دونوں خالی چوکٹے پُر ہو گئے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر ماؤنٹ بیٹن کے بعد کوئی اور وائسرائے آتا تو اس کے لئے اس نقشے میں گنجائش نہیں تھی۔

غور کیجئے! ایک مدت طویل گزر جانے کے بعد کیا یہ واقعہ حیرت انگیز معلوم نہیں ہوگا اور کیا اس وقت اس واقعے کو ناممکن الوقوع قرار دینا صحیح ہوگا؟

لہ سیرت عمر ابن جوزی مطبوعہ مصر۔ ص ۳۱۔

پاپائے روم کے نام

ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت دحیہ رضؓ کو قیصر کے پاس روانہ فرمایا تھا تو ساتھ ہی روم کے پاپائے اعظم ضُغاطِر کے نام بھی ایک مکتوبِ ہدایت ارسال فرمایا تھا۔ اس میں تحریر تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام اس پر جو خدا پر ایمان لایا، میں اس عقیدے پر ہوں کہ (حضرت) عیسیٰ بن مریم، اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں! خدا نے ان کو پاک دامن مریم پر القا کیا۔

میں خدا پر اور اس کی ان تمام کتابوں پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہوں، جو مجھ پر نازل ہوئیں اور جو (حضرت) ابراہیم و اسماعیل و اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر اتاری گئیں اور اسی طرح ان پر بھی میرا ایمان ہے جو (حضرت) موسیٰ و عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو ان کے رب کی جانب سے دی گئی ہیں! ہم ایمان و اعتقاد میں کسی ایک نبی کے تسلیم کرنے میں بھی باہمی فرق نہیں کرتے، ہم مسلمان (یعنی تسلیم کرنے والے) ہیں۔ سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔[1]

اللہ
رسول
محمد

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۸ و تاریخ طبری جلد ۳ ص ۸۸۔

پاپائے روم کی تصدیقِ اسلام

پاپائے اعظم نے فرمانِ رسالت کو دیکھ کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا کہ "بے شک یہ نبی برحق ہیں"۔

بعدازاں گرجا میں جاکر ایک مجمع سے خطاب کیا کہ :-

"اے لوگو! میرے پاس عرب کے پیغمبر احمدؐ کا خط آیا ہے۔ انہوں نے ہمیں خدائے واحد کے دینِ حق کی دعوت دی ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور احمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔[1]"

پاپائے اعظم کے اس اعلانِ حق و صداقت کو سن کر رومی سخت مشتعل ہوگئے اور اپنے اس عظیم پیشوا کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ جاں بحق ہوگیا[2]

حضرت دحیہؓ نے واپس آکر جب بارگاہِ رسالت میں یہ دونوں واقعے بیان کئے تو زبانِ وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا گیا کہ :

"کسریٰ راہیِ عدم ہوا، اس کے بعد اب کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد قیصر نہ ہوگا! (یعنی خسرو پرویز شہنشاہ ایران اور ہرقل قیصر روم کے بعد دونوں سلطنتوں کے اقتدار کا زوال ہوجائے گا، اور روم و ایران کے تخت پر پھر کسی کو ایسا اقتدار نصیب نہ ہوگا) قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم دونوں سلطنتوں

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۸۸ ، [2] ایضاً۔

کے خزانے اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے۔"

چنانچہ چند ہی سالوں کے بعد حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں دنیا نے دیکھا کہ یہ دونوں عظیم الشّان سلطنتیں شمعِ رسالت کے پروانوں کے قدموں کے نیچے تھیں۔[1]

قیصر کی آخری نصیحت: تاریخِ طبری میں ہے کہ قیصر جب شام سے قسطنطنیہ واپس ہونے لگا تو اس نے ایک مرتبہ پھر اہلِ دربار کو سمجھایا کہ:

"تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر ہماری مقدّس کتابوں میں موجود ہے اور ان کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبیِّ مَوعُود جن کا ہمیں انتظار تھا وہ یہی ہیں! اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم ان کی پیروی اختیار کرلیں تاکہ ہماری دنیا اور آخرت محفوظ ہوجائے۔"

اہلِ دربار بولے "اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ہم عربوں کے ماتحت ہوجائیں، حالانکہ دنیا میں ہماری سلطنت سب سے بڑی ہے اور ہم سب سے بڑی قوم ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم عربوں کے مقابلے میں یہ ذلّت گوارہ کرلیں۔

قیصر نے کہا "اگر تم اس کے لئے تیّار نہیں ہو تو تمہیں عن قریب عربوں کے مقابلے میں مغلوب ہونا پڑے گا۔"

یہ کہہ کر ناراضی کے ساتھ دربار سے اٹھ کھڑا ہوا اور قسطنطنیہ کے لئے روانہ ہوگیا، چلتے ہوئے قیصر نے سرزمینِ شام پر ایک پُرحسرت نظر ڈالی اور بولا "اے سوریہ! میں اب ہمیشہ کے لئے تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔[2]"

اور تاریخ گواہ ہے کہ قیصر کو پھر شام میں آنا نصیب نہیں ہوا۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے الفاروق حصہ اول علامہ شبلی، فتوحاتِ ایران وشام۔
[2] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۸۸۔

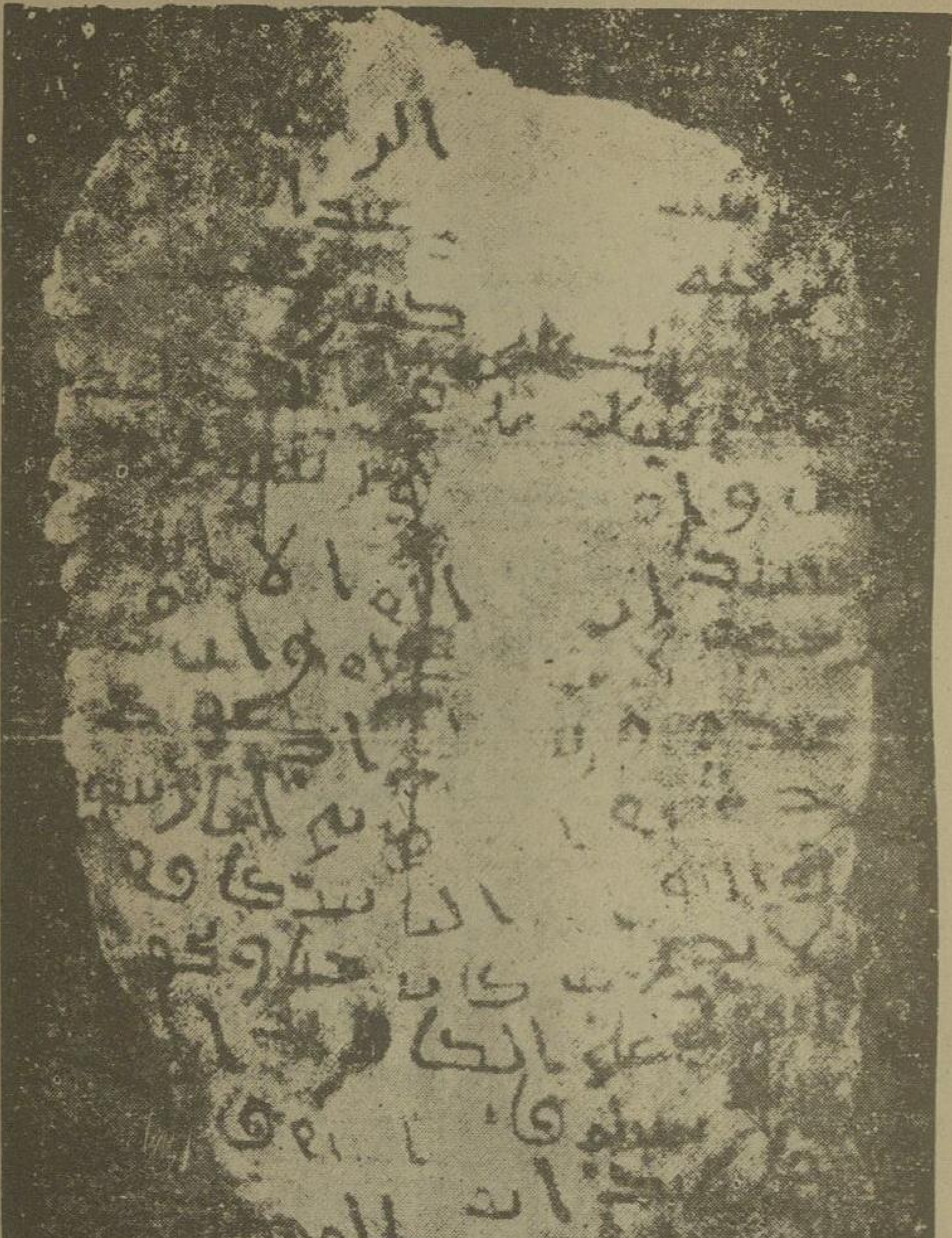
خسرو پرویز شہنشاہِ فارس کے نام

روم کی طرح فارس بھی قدیم ترین شہنشاہیت کا گہوارہ تھا، فارس وسطِ ایشیا کا عظیم تاریخی ملک ہے، اس کی حدودِ سلطنت ایک طرف سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں اور دوسری جانب عراق اور عرب کے اکثر حصّے یمن، بحرین اور عمان بھی فارس کے زیرِ اقتدار تھے، یہ ایشیا کی عظیم الشّان سلطنت تھی اور شان و شوکت میں دنیا کی ساری حکومتوں سے بازی لے گئی تھی، روم و فارس کی سلطنتوں پر صدیاں گزر چکی تھیں۔ اس لئے وہ ساری خرابیاں جو امتدادِ سلطنت کا لازمی نتیجہ ہیں، ان میں جڑ پکڑ چکی تھیں، دنیوی تعیّش کو انھوں نے اپنی زندگی بنالیا تھا، ہر شخص دولت اور سرمائے کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا تھا، عزّت و عظمت کا مدار سرمایہ داری بن گیا تھا، طبیعتیں نفسانیت کی عادی ہو گئی تھیں دادِ عیش دینے کے لئے نئے نئے طریقے ایجاد کئے جاتے تھے، دنیا کے گوشے گوشے سے ایسے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے جو ان کی تعیّش پسندی کے لئے نت نئے طریقے دریافت کرتے اور اسبابِ عیش مہیّا کرنے کے لئے عجیب و غریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں سے کام لیتے تھے، امراءِ سلطنت اور فوجی حکام اس جد و جہد میں مشغول نظر آتے کہ اسبابِ تعیّش میں کس طرح دوسروں پر بازی لے جائیں، ایک دوسرے پر فخر و مباہات کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ ان کے پاس عالی شان اور سربفلک محل ہوں، جن کے گرد بے نظیر پائین باغ ہوں، سونے اور چاندی کے برتن ہوں۔ [1]

خسرو پرویز۔ نے دریائے دجلہ کے پار مدائن سے ۶۰ میل دور دست گرد

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۸۳۔



مکتوب نبوی بنام خُسرو پرویز شہنشاہِ ایران

کے مقام پر ایک شان دار محل تعمیر کرایا ، اور مفتوحہ ممالک کے تمام خزائن وہاں جمع کر دیے۔

مؤرخین کی روایت کے مطابق یہ محل اس قدر وسیع تھا کہ اس کی چھتوں کو سہارا دینے کے لئے چار ہزار ستون بنائے گئے تھے، ایک ہزار سنہرے فانوس محل میں آویزاں تھے، محل کے باہر میلوں تک باغات پھیلے ہوئے تھے، محل کے اندر تین ہزار حسین و جمیل لونڈیاں تھیں۔ سونے چاندی اور جواہرات کے ایک سو تہ خانے مخصوص تھے، بیرونی ممالک کے سفیر اس محل اور اس کی شان و شوکت کو دیکھ کر متحیر رہ جاتے تھے۔

غرض کہ دوسرے ممالک کی طرح فارس کی اخلاقی حالت بھی بہت ابتر تھی۔ یَزْدان وَاَہْرَمَنْ نیکی اور بدی کے دو خدا سمجھے جاتے تھے۔ آتش پرستی ملک کا عام مذہب تھا۔ عقل و شعور کا سارا سرمایہ اوہام پرستی اور خام خیالی کی نذر ہو گیا تھا۔ طاقتور کا کمزور پر ظلم کرنا اور زبردست کا زیردست کو کھا جانا اُن کی زندگی کا روزمرہ بن چکا تھا۔

۶۲۸ء میں بارگاہِ رسالت کے سفیر حضرت عبداللہ بن حُذافہ سہمی رضؓ جب فارس پہنچے تو خسرو نینوٰی میں مقیم تھا، اور قیصرِ روم سے جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ فارس کے معمول کے مطابق بڑے جاہ و جلال اور شان و شوکت کے ساتھ خسرو تختِ سلطنت پر متمکن تھا کہ نقیب کی آواز پر ایک شخص دربار میں حاضر ہوا، حاضرین نے بڑی حیرت اور استعجاب کے ساتھ اُسے دیکھا، اتنے معمولی لباس اور اس قدر سادگی اور بے باکی سے آج تک خسرو کے دربار میں کوئی نہ آیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن حُذافہ رضؓ نے نامۂ مبارک شہنشاہِ فارس کے سامنے پیش کر دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ دو خداؤں کے بجائے ایک ہی ذات کو خالقِ خیر و شر ماننا چاہئے۔ اگر آپ توحیدِ خداوندی کو تسلیم کریں گے تو آپ کے اوپر امن و سلامتی کا دروازہ کُھل جائے گا ورنہ آپ اپنے ساتھ

اپنی قوم کی گمراہی کے بھی ذمّہ دار ہوں گے۔

خسرو پرویز نے ترجمان کو بُلا کر پڑھنے کا حکم دیا۔ فرمانِ رسالت میں لکھا تھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

محمد رسول اللہ صلعم کی طرف سے   کسریٰ شاہِ فارس کے نام

جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ پر اور اس کے رسول صلعم پر ایمان لائے اُس پر سلام ہے، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا جو اکیلا اور لاشریک ہے، کوئی معبود نہیں، اور محمد صلعم اس کا بندہ اور اُس کا رسول صلعم ہے! خدا نے مجھے تمام دنیا کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تا کہ ہر زندہ انسان کو خدا کا خوف دلاؤں، اسلام قبول کر لیجئے اور محفوظ ہو جایئے، اگر آپ نے انکار کیا تو تمام مجوسی (زرتشتی) کا گناہ بھی آپ کے ذمّے ہوگا۔[1]

محمد رسول اللہ

تاجدارانِ فارس اپنے آپ کو خدائے بزرگ و برتر کا شریک و سہیم سمجھتے تھے۔ اُن کی اس حیثیت کے اعتراف کے لئے ہر شخص کو دربار میں حاضر ہوتے وقت سجدہ کرنا پڑتا تھا، خسرو جو اپنے آپ کو دوسرا خدا سمجھتا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبِ گرامی کے مضمون کو اُس نے جب سُنا تو نامۂ مبارک کے آزادانہ لہجے، اس کے بے باکانہ ایجاز اور اس کے صاف گویانہ انداز کو دیکھ کر دنگ رہ گیا، وہ شخص جس کے آستانۂ عظمت پر کروڑوں انسان سجدہ ریزی کے خوگر تھے، حیران تھا کہ اس سرزمین پر کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو اس کے نام سے پہلے اپنا نام لکھنے کی جرأت کر سکے۔ خسرو پرویز کو شہنشاہانہ عظمت و جبروت کے نشے میں خدائے

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ ص ۹۰، صحیح بخاری ج ۲، کتاب المغازی۔

بے ہمتا کی ہم پایئگی کا دھوکا ہوا۔ فارس کا دستور یہ تھا کہ بادشاہوں کو جو خطوط لکھے جاتے تھے اُن میں سب سے اوپر بادشاہ کا نام ہوتا تھا۔ فرمانِ رسالتؐ کو خدا کے نام سے شروع کیا گیا تھا، پھر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی تھا۔ خسرو نے طیش میں آکر مکتوبِ نبوی کو چاک کر دیا اور غضب ناک لہجے میں گرجا:

"ہمارے غلام کو یہ جرأت کہ ہمارے نام اس طرح خط لکھے[1] یمن کے گورنر کو حکم دیا جائے کہ اس کو پکڑ کر ہمارے دربار میں بھیج دے"

نامۂ مبارک کے چاک کر دینے کے اس واقعے کو نظامی گنجوی نے شعر کی زبان میں یوں بیان کیا ہے ؎

در ید آں نامۂ گردن شکن را
نہ نامہ، بلکہ نامِ خویشتن را

(تکبر اور بڑائی کے زعم میں خسرو نے خط کو پھاڑ کر صفحۂ ہستی سے اپنا نام مٹا دیا) ——— اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اہلِ فارس کو قاصدِ نبوّت کی تنبیہ!

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضؓ یہ حالت دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور نہایت تحمل اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ اہلِ دربار سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے اہلِ فارس! عرصۂ دراز سے تمہاری زندگی ایسی جہالت میں گزر رہی ہے کہ نہ تمہارے پاس خدا کی کوئی کتاب ہے

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۹۰ و طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ ۱۶۔

اور نہ کوئی خدا کا پیغمبر تمہارے یہاں مبعوث ہوا ہے، جس سلطنت پر تمہیں غرہ ہے وہ خدا کی زمین کا بہت ہی مختصر ٹکڑا ہے، دنیا میں اس سے کہیں زیادہ بڑی بڑی حکومتیں موجود ہیں"۔

بادشاہ سے مخاطب ہو کر:

"آپ سے پہلے بہت سے بادشاہ گزرے ہیں، اُن میں جس نے آخرت کو اپنا منتہائے مقصود سمجھا وہ دنیا سے اپنا حصّہ لے کر بامراد گیا اور جس نے دنیا کو مقصود بنایا اُس نے آخرت کے اجر کو ضائع کر دیا۔ افسوس کہ میں نجات و فلاح کے جس پیغام کو لیکر آپ کے پاس آیا ہوں، آپ نے اُسے حقارت سے دیکھا، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ پیغام ایسی جگہ سے آیا ہے جس کا خوف آپ کے دل میں موجود ہے، یاد رہے کہ حق کی یہ آواز آپ کی تحقیر سے دب نہیں سکتی"۔ [1]

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ اہلِ فارس کو یہ تنبیہ کر کے دربار سے چلے آئے، اور بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کر دیا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح کسریٰ کی حکومت چاک ہو جائے گی۔ [2]

صحیح بخاری کتاب العلم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے:

فَلَمَّا قَرَأَهُ مَزَّقَهُ ——— پس (کسریٰ نے) پڑھ کر چاک کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو فرمایا:

---

[1] روض الانف جلد ۲ ص ۲۵۳ و بلاغ المبین ص ۱۲۵۔

[2] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۶۰۔

اَنْ یُّمَزَّقُوْا کُلَّ مُمَزَّقٍ [1]

چنانچہ چند ہی سال کے بعد عہدِ فاروقی میں ہزاروں برس کی اس عظیم الشان سلطنت کے پرزے پرزے اُڑ گئے۔[2]

خسرو پرویز نے یمن کے گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ عرب کے مدعیٔ نبوّت کو گرفتار کر کے ہمارے دربار میں حاضر کیا جائے، باذان نے بابویہ اور خرخسرہ نامی دو شخصوں کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔ انھوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچ کر عرض کیا کہ شہنشاہِ عالم نے آپ کو بلایا ہے، اگر تعمیلِ حکم نہ کروگے تو وہ تمہیں اور تمہارے ملک کو تباہ کر دے گا۔"

زبانِ وحی ترجمان سے باذان کے کارندوں نے یہ غیر متوقع الفاظ سنے کہ: "قضا و قدر نے تمہارے بادشاہ کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا ہے اور خسرو کو خود اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے، تم لوگ واپس جا کر اپنے آقا کو یہ خبر پہنچا دو! اور یہ بھی کہہ دینا کہ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچ جائے گی۔"

اوپر گزر چکا ہے کہ خسرو پرویز کے پاس جب مکتوب نبویؐ پہنچا تھا تو وہ عراق میں نینوٰی کے مقام پر قیصرِ روم سے فیصلہ کن جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس جنگ میں خسرو کو شرمناک شکست اُٹھانی پڑی۔ روم کی فوجیں ایران کے دارالسلطنت کے قریب پہنچ گئیں۔ عین اس موقع پر خود خسرو پرویز کے خلاف گھر میں بغاوت رونما ہو گئی۔ اس کے بیٹے شیرویہ نے خسرو کو قید کر لیا، خسرو کے ۱۸ بیٹے اُس کی آنکھوں

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷ مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے علّامہ شبلی کی الفاروق حصہ اوّل، فتوحاتِ ایران و عراق۔

کے سامنے قتل کئے گئے۔

اِن پے در پے مصائب و صدمات اور قید کی سختیوں کی تاب نہ لاکر خسرو پرویز کی شمع حیات بجھ گئی، طبری میں ہے کہ شیرویہ نے خسرو کو ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۷ھ مطابق ۶۲۸ء کی شب میں قتل کیا۔[1]

یہی وہ سال ہے جس میں صلح حدیبیہ ہوئی تھی، جسے قرآنِ حکیم نے فتح مبین کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

گورنر یمن کا قبولِ اسلام

گورنر یمن کے قاصدوں پر ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ مگر پُر عظمت بارگاہ کا اتنا اثر پڑا کہ خسرو پرویز کے پُر ہیبت دربار نے بھی کبھی اُن کو اس قدر متاثر نہ کیا تھا۔ انھوں نے یمن پہنچ کر باذان سے بارگاہِ نبوّت کے حالات اور اپنے تاثرات بیان کئے، اور آپؐ کی پیش گوئی سُنائی۔ باذان پر بھی ان باتوں کا بڑا اثر ہوا اور بولا کہ:

"اس شخص کی باتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی دنیوی بادشاہ نہیں ہے بلکہ ضرور خدا کا برگزیدہ پیغمبر ہے۔ تاہم ہمیں واقعہ کی تصدیق کے لئے انتظار کرنا چاہئے۔"

اِدھر تو بابویہ اور خرخسرہ یمن واپس آئے اور دوسری طرف ایران کے دارالسلطنت مدائن سے شیرویہ کا حکم باذان کو ملا کہ:

"خسرو کو اس کے بے پناہ مظالم کے سبب سے قتل کر دیا گیا ہے۔"

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ ص ۹۱۔

اس کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ :

" نبی عربی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے "

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی صداقت نے باذان کو اسلام کی صداقت کا قائل کر دیا اور وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ مشرف باسلام ہو گیا [1]

[1] تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۹۱

خسرو پرویز کے نام مکتوبِ نبوی ﷺ کی دریافت

مؤرخین عام طور پر یہ تو لکھتے ہیں کہ خسرو نے مکتوبِ نبوی کو چاک کر کے پھینک دیا تھا، اگر اس کے بعد مکتوب گرامی کا کیا ہوا ؟ اس بارے میں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ اُس وقت کون جانتا تھا کہ کسریٰ کا وہ عظیم الشّان دربار عنقریب ہمیشہ کے لئے فنا ہو جانے والا ہے، اور جس تحریر کو پھاڑ کر بظاہر ضائع کر دیا گیا ہے، وہ امتدادِ زمانہ اور لیل و نہار کی لاکھوں گردشوں کے باوجود ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد بھی اپنے وجود کو باقی رکھ کر تاریخ کے صفحات میں ایک حیرت انگیز باب کے اضافے کی موجب ہو گی۔ اس کی تفصیل یہ ہے :

مئی ۱۹۶۳ء / ۱۳۸۲ھ میں بیروت کے اخبارات نے یہ خبر شائع کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا کہ لبنان کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون کے آبائی ذخیرے میں مکتوبِ نبوی بنام کسریٰ دریافت ہوا ہے۔ ہنری فرعون نے جو مذہباً عیسائی ہیں تحقیق کے لئے یہ مکتوبِ نبوی ڈاکٹر صلاح المنجد کو دیا۔ ڈاکٹر المنجد نے بیروت کے اخبار " الحیات " مؤرخہ ۲۲ مئی ۱۹۶۳ء / ۱۳۸۲ھ میں مکتوبِ نبوی بنام کسریٰ پرویز پر ایک مفصّل تحقیقی مقالہ شائع

کیا ہے۔ ہنری فرعون لاکھوں ڈالر کے معاوضے پر بھی اس متاعِ عزیز کو فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اس مکتوب نبوی کی بچشم خود زیارت کی ہے، اور ڈاکٹر المنجد کے مضمون پر انھوں نے اپنے مشاہدات کا مزید اضافہ کیا ہے۔[1]

مذکورہ بالا شہادتوں کے بعد راقم سطور کے نزدیک اس کے مکتوب نبوی ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہنا چاہیئے۔

ڈاکٹر المنجد روزنامہ "الحیات" کے صفحۂ اول پر لکھتے ہیں:

"گزشتہ نومبر ۱۹۶۲ء کے اواخر میں ہنری فرعون نے میرے پاس کھال کا ایک ٹکڑا بھیجا، اس پر کوفی رسم الخط سے ملتی جلتی تحریر تھی، کھال کی حفاظت کے لئے اُس کے نیچے سبز کپڑا چسپاں کر دیا گیا تھا اور اس کو ایک فریم میں لگا دیا تھا، لیکن مرورِ زمانہ کی وجہ سے کپڑا بالکل گل چکا تھا، صرف فریم کے سہارے وہ کھال باقی رہ گئی تھی۔ جب میں نے اس خط کے الفاظ دقّتِ نظر سے حل کرنے اور پڑھنے شروع کئے تو یہ عظیم انکشاف ہوا کہ یہ وہی خط ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہِ فارس کسریٰ کے نام تحریر فرمایا تھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

میری زندگی کے وہ لمحات بڑے مبارک تھے جب کہ میں نے نامۂ مبارک پڑھا۔ گزشتہ چند مہینے اس مکتوب کے حروف والفاظ کے حل وتحقیق پر میں نے صرف کئے۔ میں نے اس سلسلے میں تاریخ وسیر کے تمام مآخذ کا مطالعہ کیا۔ اور اب اپنی اس کوشش کا نتیجہ شائع کرتے ہوئے مجھے مسرت محسوس ہوتی ہے۔

ہجرت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب کے سلاطین

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ "البلاغ" کراچی بابت مئی ۱۹۶۸ء۔

اور ملحقہ بلاد کے فرماں رواؤں کے پاس دعوت نامے ارسال فرمائے تھے۔ جن کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت نامے ارسال کئے وہ یہ ہیں :

۱۔ بحرین، عمان اور یمن کے سلاطین اور یہ سب بادشاہ فارس کے زیرِ اثر تھے۔

۲۔ بلقاء اور حوران کے غسانی بادشاہ اور یہ سب بازنطینی شہنشاہیت کے تابعِ فرمان تھے۔

ہرقل بازنطینی شہنشاہیت کا حکمراں تھا۔ اور شام پر اُس کی حکومت تھی۔ اور مقوقس بازنطینی شہنشاہیت کی طرف سے مصر کا حکمراں تھا۔ نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا۔ اور کسریٰ فارس پر بادشاہی کر رہا تھا، عراق بھی اس کے تابعِ فرمان تھا۔

یہاں اس بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے خطوط و انشاء کا انداز کیا تھا ؟۔ یہ بات واضح ہے کہ عرب انھیں چیزوں پر لکھنے کے عادی تھے جو چیزیں خود ان کے یہاں میسّر آجائیں، مثلاً ہڈی، پتھر، کھجوروں کے پتے اور کھال، ان میں کھال پر کتابت بہت زیادہ عام تھی۔ اونٹ یا ہرن کی کھالوں کو بالکل پتلی کر کے اس پر لکھا کرتے تھے۔ اُن کی اصطلاح میں کتابت کے مصرف کے لئے جو کھال ہوتی اُس کو رَق[1] کہا جاتا تھا، یہ کھال سب سے قیمتی سمجھی جاتی تھی، اس پر بڑی شخصیتوں

---

[1] رق، ایک خاص قسم کی باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کاغذ کی ایجاد سے پہلے لکھنے کے لئے چمڑے سے تیار کی جاتی تھی۔ رق کو انگریزی میں (RACHMENT) کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں توراۃ و انجیل وغیرہ جیسی کتابیں رق پر لکھی جاتی تھیں۔

رق تیار کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ بھیڑ، بکری، یا بچھڑے کی کھال لے کر اُسے چونے میں ڈال دیتے تھے۔ اس عمل سے کھال پر سے بال اُتر جاتے تھے۔ پھر اُسے خشک کر کے اس پر کھریا مٹی ملتے تھے اور پتھر

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۵۰ پر)

کے پاس خطوط یا اہم اور غیر معمولی اُمور تحریر کئے جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بادشاہوں کو کھال پر خطوط لکھتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن، عمان، بحرین کے عرب سلاطین کے پاس مختلف قاصد بھیجے اور ان کو اسلام قبول کر کے جلد سے جلد اسلامی حکومت میں شامل ہونے کی ترغیب دی گئی۔ غیر عرب سلاطین کے پاس جو دعوت نامے ارسال کئے گئے اُن میں سے بعض نے بڑی نرمی اور مروّت کا برتاؤ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیے ارسال کئے، چنانچہ مصر کے حاکم مقوقس کے بارے میں مشہور ہے کہ اُس نے نامۂ مبارک کو لے کر بوسہ دیا اور آپؐ کی خدمت میں جو تحفے بھیجے ان میں دو لونڈیاں بھی تھیں۔ انھیں میں سے ایک ماریہ قبطیہ تھیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم کا شرف حاصل ہوا۔

اسی طرح بُصریٰ کے حاکم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس قاصد کی بڑی تکریم کی جو ہرقل کے پاس جا رہا تھا۔ اس نے ملاقات کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں، نامۂ مبارک کو اُس نے بھی اعزاز و تکریم سے لیا۔

لیکن کسریٰ نے نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی توہین کی، بلکہ آپؐ کے خط کی بھی توہین کی، اس کے غرور و تکبر کی وجہ یہ تھی کہ اس کو عظیم سلطنت کی حکمرانی حاصل تھی۔ اس کے حدودِ اختیارات جزیرۃ العرب کے مشرق میں بحرین و عمان تک پھیلے ہوئے تھے، اسی طرح جنوب میں یمن تک اس کا اقتدار تھا۔

(بقیہ صرگذشتہ) سے رگڑ کر اس کی سطح کو صاف اور ہموار بنا لیتے تھے۔

کاغذ میں یہ نقص تھا کہ وہ مضبوط اور پائیدار نہ ہوتا تھا۔ اس لئے اہم دستاویزوں اور نوشتوں کے لئے صاف شدہ چمڑے کا استعمال کیا جاتا تھا۔ عربی میں ایسے چمڑے کو رَق کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ۔ (سورہ طور آیت ۱ - ۳)

ایران میں مجوسی مذہب رائج تھا اور "آگ" کی پرستش ہوا کرتی تھی، یہ عربوں کے عقائد سے بالکل مختلف و مخالف تھا۔ اس لئے اُن کو یہ بات عجیب نظر آئی کہ کوئی عرب ان کو ایسا دعوت نامہ ارسال کرے جس میں دوسرا دین ماننے کی تلقین ہو اور نہ ماننے کی صورت میں عذاب و سزا کی وعید سُنائے۔ یہ کسریٰ جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت نامہ ارسال فرمایا تھا یہ شاہانِ فارس میں بڑا عظیم بادشاہ تھا، اس کی فرماں روائی کا ڈنکا ایران و عراق، بحرین، عمان اور یمن تک بج رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سال ہجرت فرمائی، پرویز کی بادشاہت کا وہ ۳۲ واں سال تھا اور جب ہجرت کے چند سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو نامۂ مبارک ارسال فرمایا تو اس کی بادشاہت کے ۳۹ سال ہو چکے تھے۔

جب کسریٰ پرویز کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد دعوتِ اسلام لے کر پہنچا تو اُس نے حکم دیا کہ خط پڑھا جائے اور اس کا ترجمہ کیا جائے، مکتوب مبارک پڑھنا شروع کیا گیا، لیکن ابھی ختم بھی نہ کیا تھا کہ وہ غضبناک ہو گیا۔ نامۂ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا اور جوشِ ملوکیت سے بپھر کر کہا "وہ شخص مجھے ایسا خط لکھ رہا ہے حالانکہ وہ بھی میرا غلام ہے"۔

کسریٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کا ایک ضمنی حکمراں سمجھا تھا، جیسے بحرین، عمان اور یمن کے فرماں روا اگرچہ یہ سب کے سب بادشاہ کہلاتے تھے مگر حکم کسریٰ ہی کا چلتا تھا۔

کسریٰ نے مکتوب کی ابتدائی سطر کے انداز کو اپنی شان سے فروتر سمجھا، اُس نے دیکھا کہ "مِنْ مُحَمَّدٍ اِلیٰ کِسْریٰ" لکھا ہوا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خط کی ابتداء اپنے نام سے کی، یہ ایک تحقیر ہوئی اور دوسری بات یہ کہ دونوں

نام ایک ہی سطح پر رکھے گئے، کسریٰ کے خیال میں آقا و غلام کی یہ برابری حقارت آمیز تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط کسریٰ کو ارسال فرمایا تھا اُس کے قاصد عبداللہ بن حذافہ سہمی قرشی رضؓ تھے۔ اس سے قبل یہ ایران کا بارہا سفر کر چکے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایران کی سفارت پر اسی لئے روانہ کیا کہ یہ اُس کے حالات سے واقف تھے۔

ابھی خط پورا پڑھا بھی نہ جا سکا تھا کہ کسریٰ نے اُسے چاک کر کے پھینک دیا۔ ابن حذافہ رضؓ یہ منظر دیکھ کر بارگاہِ رسالتؐ میں واپس آئے اور نامۂ مبارک کی اہانت کا سارا حال کہہ سُنایا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"—— اللہ اس کی حکومت کو پامال کر دے"

چنانچہ اس واقعہ پر ابھی ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ کسریٰ پرویز کو اُس کے لڑکے شیرویہ نے قتل کر ڈالا اور یہیں سے اُس حکومت کا زوال شروع ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے سلسلے میں کسریٰ کے ردِّ عمل کو "مَزَقَ" سے تعبیر کیا گیا ہے، نیز "شَقَّ" کی تعبیر بھی ملتی ہے، لیکن یہ دونوں الفاظ "اِفْنَاء" فنا کر دینے اور نیست و نابود کر دینے کے معنی نہیں دیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی کھال پر لکھا گیا تھا، کھال ایک پائدار اور سخت چیز ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کو چاک کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ایک دم نیست و نابود ہو گیا۔ نیز ان اشیاء کے حروف ختم کرنے کی شکل اس وقت یہ بھی تھی کہ اُس پر پانی بہا دیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکتوب اگر کسی کاغذ پر ہوتا تو اُس کو چاک کر کے ضائع کیا جا سکتا تھا، لیکن یہ خط کھال پر تھا اور وہ

بھی عمدہ قسم کی۔

اس لئے بہت ممکن ہے کہ کسریٰ نے جب نامۂ مبارک کی اہانت کر کے اُسے پھینک دیا ہو تو ابن حذافہؓ اُسے اُٹھا لائے ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُسے پیش کر دیا ہو، اگر وہ خط قاصدِ رسولؐ وہیں چھوڑ کر آیا ہوتا اور کسریٰ یا اس کے آدمیوں نے اُس کو ضبط کر لیا ہوتا تو قدیم تاریخ و سیر کے مآخذ اس کا ضرور حوالہ دیتے جیسا کہ ان خطوط کے بارے میں ہے جو مُقوقس، نجاشی اور ہرقل کو آپؐ نے ارسال فرمائے تھے اور انھوں نے وہ خطوط اپنے پاس رکھ لئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکتوب کتبِ تاریخ، کتبِ بلاغت اور دوسری کتابوں میں بہت مشہور ہے، اور جہاں جہاں یہ مکتوب درج ہے حروفِ جر اور مترادفات کے فرق کے علاوہ بالکل یکساں ہے، پہلے اس مکتوب کی وہ عبارت ہم درج کرتے ہیں جس کا مآخذ تاریخ طبری ہے:

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - من محمد رسول اللہ
الیٰ کسریٰ عظیم فارس - سلام علی من اتبع الھدیٰ وامن
باللہ ورسولہ وشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک
لہٗ وانّ محمّداً عبدہ ورسولہ، ادعوک بدعاء اللہ
فانی انا رسول اللہ الی الناس کافۃ لانذر من کان حیا
ویحق القول علی الکافرین فاسلم تسلم فان ابیت فان
اثم المجوس علیک "

تاریخ سے چند باتیں متحقق ہوتی ہیں:

١ ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاصد کسریٰ کے پاس بھیجا تھا۔
٢ ــــ وہ قاصد عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ تھے۔

۳ ــــ ابن حذافہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر شدہ خط جب کسریٰ کو دیا تو اُس پر بڑا شاق گزرا اور اُس نے غضب ناک ہو کر ترجمان کو پورا پڑھنے بھی نہ دیا۔ اس مکتوبِ مبارک کو کسریٰ نے اپنے پاس محفوظ بھی نہ رکھا۔ جس طرح دوسرے سلاطین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ ہائے مبارک کو محفوظ رکھ لیا تھا۔

۴ ــــ مکتوبِ رسالتؐ کی عبارت معروف و مشہور تھی، جسے اسلامی مآخذ و کتب میں درج کیا گیا ہے۔ نیز کتب بلاغت میں بھی مصنّفین نے مختلف موضوعات کے تحت اس کو بطورِ نمونہ پیش کیا ہے۔ ہنری فرعون کے ارسال کردہ مکتوب کی خصوصیات کے بارے میں جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ مبارک ہے۔ اس کی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ یہ مکتوب ایک عمدہ قسم کے رَقْ (کھال) پر ہے، اس کا رنگ قدرے خاکی ہے اور اس کے کنارے سیاہی مائل ہیں۔

۲۔ اس مکتوب کی شکل قریب قریب مستطیل ہے، اس کے کنارے ناہموار ہیں اور اس کا زیریں حصّہ اوپر والے حصّے سے کم ہے یعنی عرض میں نیچے اور اوپر کے حصّے برابر نہیں ہیں، اس کا طول ۲۸ سینٹی میٹر اور عرض ½ ۲۱ سینٹی میٹر ہے۔

۳۔ اس مکتوب میں پندرہ سطریں ہیں اور ان سطروں کا طول مختلف ہے۔

۴۔ مکتوب کی عبارت جہاں ختم ہوئی ہے وہیں نیچے ایک گول مہر کا نشان ہے۔

۵۔ اس مکتوب پر ایسے آثار معلوم ہو رہے ہیں جیسے اوپر سے نیچے کی طرف پانی بہا یا گیا ہو، اسی لئے بعض حروف تو مٹ گئے ہیں اور بعض حروف کی سیاہی ہلکی پڑ گئی ہے، اس کی مہر بھی بالکل مٹ چکی ہے، اس مہر کے وسط

میں ایک (س) باقی رہ گئی ہے۔ اور یہ غالباً "رسول" کی "د" ہے جو باقی رہ گئی ہے، کیونکہ مہرِ رسالت اسی طرح کی تھی کہ نیچے محمدؐ تھا پھر وسط میں رسول اور سب سے اوپر اللہ۔

۶۔ یہ مکتوب داہنی طرف تیسری سطر کے شروع سے وسطِ سطر تک پھٹا ہوا ہے، پھر اس کے بعد عرض میں پھٹنا بند ہو گیا ہے اور طول میں چاک ہوتا ہوا دسویں سطر تک پہنچ گیا ہے۔

۷۔ مکتوب کے اس پھٹن کی باریک کھال کے ٹکڑوں سے سلائی کر کے مرمت کی گئی ہے، مگر یہ ٹکڑے "رق" کی طرح عمدہ کھال کے نہیں ہیں بلکہ معمولی قسم کے ہیں اور یہ بھی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان ٹکڑوں کی عمر اصل مکتوب سے کم ہے۔

۸۔ مکتوب کا رسمِ خط بتا رہا ہے کہ یہ اپنے ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ دور میں لکھا گیا ہے، اسی لئے اس میں نہ کوئی صنعت ہے اور نہ ترتیب، سطریں بھی سیدھی نہیں ہیں۔ نیز یہ بات اس کے دَور کو متعین کرنے میں خاص طور پر معین و مددگار ہوتی ہے کہ اس کے بعض کلمات جو سطر کے آخر میں آئے ہیں وہ اگر اس سطر میں پورے نہ آسکے تو اس کے بعض حروف اس کے بعد والی سطر کے شروع میں لکھ کر پورے کئے گئے ہیں، اس زمانے کے رسمِ خط کے مطابق اس مکتوب میں نقطے نہیں ہیں۔ اس کی عبارت سطر بہ سطر یہاں درج کی جاتی ہے۔ مکتوب ۱۵ سطور پر مشتمل ہے:

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن

۲۔ الرّحیم من محمد عبد اللہ و

۳۔ رسولہ الی کسریٰ عظیم فا

۴۔ رس سلام علی من اتبع الھد

۵- ی وامن باللہ ورسولہ و

۶- شھد ان لا الہ الا اللہ و

۷- حدہ لاشریک لہ وان محمد (محمداً کے آخر کا الف موجود نہیں ہی)

۸- عبدہ ورسولہ ادعوک

۹- بدعایۃ اللہ فانی انا رسو

۱۰- ل اللہ الی الناس کافۃ

۱۱- لانذر من کان حیا ویحق

۱۲- القول علی الکافرین ا

۱۳- سلم تسلم فان ابیت فا

۱۴- نما علیک اثم المجو

۱۵- س

(یہاں پر مہر ہے جس کی درمیانی سطر کے دائیں جانب "ر" موجود ہی)

ہنری فرعون کی اس دستاویز کا مقابلہ جب ہم ان قدیم اسلامی کتابوں سے کرتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط کی عبارت درج ہے تو ہم اس دستاویز کو ان کتابوں کی عبارت سے بالکل مطابق پاتے ہیں، صرف معمولی قسم کا اختلاف ہے جو یہ ہے:

۱- دستاویز میں "من محمد عبداللہ ورسولہ" ہے اور کتابوں میں "من محمد رسول اللہ" آیا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ہرقل اور مقوقس کو بھیجے تھے ان کے ابتدائیہ کو دیکھتے ہیں تو وہ اس دستاویز ہی کی عبارت سے مطابقت رکھتے ہیں، اس لئے دستاویز کے یہ الفاظ صحیح ہیں۔

۲- اس دستاویز میں "بدعایۃ اللہ" ہے اور کتابوں میں "بدعاء اللہ"

وارد ہوا ہے، لیکن دستاویز کا لفظ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی لفظ ابو نعیم اصفہانی نے بھی لکھا ہے، مزید برآں یہ بات بھی اس کی صحت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ہرقل اور مقوقس کو بھیجے تھے ان میں بھی دعایۃ ہی ہے، ہم اس دستاویز کی عبارت کی صحت واضح کرنے کے لئے یہ لکھ رہے ہیں، ورنہ دعایۃ دعاء اور داعیۃ تینوں معنی کے اعتبار سے مختلف نہیں ہیں۔

۳۔ دستاویز میں اور تمام اسلامی کتابوں میں "فان ابیت" ہے، صرف ابن کثیر نے "فان تولیت" لکھا ہے، اس لئے اس بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ یہ دونوں تعبیریں ہم معنی ہیں۔

۴۔ دستاویز میں فَاِنَّمَا عَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ ہے اور کتابوں میں فَاِنَّ اِثْمَ الْمَجُوْسِ عَلَيْكَ وارد ہوا ہے۔ دستاویز کی یہ عبارت جس میں انّ پر ما داخل ہوا ہے اور علیک کو مقدم کیا گیا ہے، یہ قرآنی تعبیر کے مشابہ ہے، اس طرح کے جملے اسی انداز سے قرآن میں آئے ہیں۔ مثلاً ارشاد ہے:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ (النحل آیت ۸۲)

قرآنی اندازِ بیان سے مشابہت کی وجہ سے دستاویز کی عبارت زیادہ قابلِ اطمینان ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے معنی میں کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ اختلافِ الفاظ اُن راویوں کی وجہ سے ہوا ہے جن سے کتابوں کے مصنفین و مؤلفین نے یہ عبارت لی ہے۔

اب اس دستاویز کے رسم خط کے بارے میں کچھ روشنی ڈالنی ضروری ہے۔ واضح ہو کہ عربی خط کی شناخت کا علم ایک جدید علم ہے اس علم کے ماہرین کی اتنی کمی ہے کہ اُن کو انگلیوں پر گِنا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے بڑی دیدہ ریزی کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے سب سے پہلے رسم خط کے نمونے اور اُن کو پڑھنے کا شعور درکار

ہے ۔ اور پھر انقلابات کے مختلف ادوار کے خطوط کو سامنے رکھ کران میں قریبی ربط پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور یہ چیز کوئی آسان نہیں ہے اور ان نمونوں کی فراہمی جو قدیم زمانے کے رسم خط سے تعلق رکھتے ہوں کوئی سہل الحصول امر نہیں ہے، اس ترقی یافتہ دور میں عربی رسم خط کا علم ایک جدید علم کی حیثیت رکھتا ہے ۔

میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے عربی رسوم خط کے طویل مطالعہ کا موقع ملا ہے اور دنیا کے بیشتر ممالک کے سفر کے دوران میں نے ہر زمانے کے مخطوطات فراہم کیئے ہیں ۔ میں نے ایک طویل زمانے تک مطالعہ کرنے کے بعد عربی رسوم خط پر ایک ضخیم کتاب تحریر کی ہے جس کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے، معلومات و مطالعات کی روشنی میں میرے لئے یہ بات ممکن ہو سکی ہے کہ میں اس دستاویز کے رسم خط کی عمر کا تعین کر کے اپنے مطالعے کے نتائج پیش کر سکوں ۔

۱۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام سے قبل اور ظہورِ اسلام کے بعد عربی، حجازی رسم خط، نبطی رسم خط کی آخری شکل تھی ۔

۲۔ ظہورِ اسلام کے وقت عربوں کا رسم خط کوفی نہیں تھا کیونکہ خطِ کوفی، کوفہ کی طرف منسوب ہے اور کوفہ کی نشاۃ ہجرت کے سولھویں سال میں ہوئی ہے ۔ اس کے بعد ہی یہ خط رائج ہوا ہے ۔

۳۔ عرب دورِ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں اسے مکی رسم خط کہتے تھے، لیکن جب ہجرت کے بعد اسلامی حکومت مدینے میں پروان چڑھی تو مدنی رسم خط غالب آگیا ۔

۴۔ مدنی رسم خط کی مدت کچھ زیادہ دراز نہیں ہوئی، خلافتِ عثمانی کے اواخر تک یہ خط باقی رہا اس کے بعد جب کوفہ حضرت علیؓ کی خلافت میں سیاسی مرکز بن گیا اور امویوں نے اس کو ترقی دی تو کوفی رسم خط غالب آکر رائج ہو گیا ۔

۵ ۔ یہ دستاویز اگر زمانۂ نبوت کی ہے تو اس کا رسم خط مدنی ہونا چاہیئے کیونکہ ہجرتِ مدینہ کے سات سال بعد یہ لکھی گئی ہے۔

۶ ۔ اس دستاویز کو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی دستاویز مانیں تو اس کے پہچاننے کی واحد کسوٹی یہ ہے کہ اس دستاویز کا ان تحریرات سے موازنہ کیا جائے جو قبل اسلام اور اوائل اسلام اور زمانۂ رسولؐ کی بطور یادگار ہم تک پہنچی ہیں۔

۷ ۔ ہمارے سامنے نقشِ زبد کی تحریر ہے جو ۵۱۲ھ میں لکھی گئی ہے، اور نقشِ حرآن ہے جو ۵۶۳ھ میں لکھا گیا ہے اور یہ اس نبطی خط میں ہے جو کہ انقلابات سے گزر رہا تھا۔

ہم ان نقوش سے جب اس دستاویز کا مقابلہ کر کے دیکھتے ہیں تو بعض اوقات بالکل یکساں ملتے ہیں اور بعض اوقات کچھ فرق ہو جاتا ہے، اور یہ زمانے کے اختلاف کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔

۸ ۔ ہمیں مدینہ کے قریب جبل سَلَع میں ایسے نقوش بھی ملے ہیں جو کہ اوائل اسلام کے ہیں۔ اور اس میں ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ بن ابی طالب کا نام کندہ ہے اور اس کی تاریخِ تحریر تقریباً ۴ھ مطابق ۶۲۶ء ہے۔ ہماری اس دستاویز سے اس جبلِ سَلَع کی تحریر ہوبہو مل جاتی ہے۔

۹ ۔ ایک تحریر ہمیں ۲۲ھ کی بھی دستیاب ہوئی ہے۔ یہ عمروؓ بن عاص کے کسی سپہ سالار کی ہے جو عربی اور یونانی دو زبانوں میں لکھی ہوئی ہے۔ ہم نے اس تحریر کا جب دستاویز سے مقابلہ کیا تو شکلیں ملتی جلتی ہیں۔ ہاں ۲۲ھ والی تحریر ذرا اچھی ہے اور یہ زمانے کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔

۱۰ ۔ ہمارے پاس ایک لوحِ مزار بھی ہے جو کہ ۳۱ھ میں عبدالرحمٰن بن خیر کی

قبر پر مصر میں نصب کی گئی تھی۔ جب اس کا مقابلہ ہم دستاویز سے کرتے ہیں تو شکل میں حروف بعض اوقات اس قدر مماثل ہو جاتے ہیں کہ تعجب و حیرت ہوتی ہے۔

ہم نے ایسا بھی کیا کہ ایک جدول بنایا اور اس میں دستیاب شدہ مخطوطات کے حروف لکھے اور پھر سامنے جدول بنا کر اپنی دستاویز کے حروف لکھے، اس بحث و تمحیص سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ دستاویز کا خط ابتدائی منزل میں ہے۔ اس میں کوئی بناؤ سنوار نہیں ہے اور یہ اس خط کے مشابہ ہے جو ساتویں صدی عیسوی میں حجاز میں رائج تھا اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔

۱۱۔ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ مدنی رسم خط کی مدت تقریباً ۲۵ سال ہے یعنی ہجرت سے لے کر خلافتِ عثمانؓ کے آخر تک، اس کے بعد کوفی رسم خط کا تسلط ہو گیا۔ اس پر ایک قوی دلیل طائف کی وہ تحریر ہے جو معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے حکم سے لکھی گئی تھی۔ اور یہ ۵۷ھ کا واقعہ ہے۔ ان تمام شہادتوں کی بنیاد پر ہماری اس دستاویز کا زمانۂ تحریر ۷ھ سے ۳۵ھ تک ہو سکتا ہے۔

۱۲۔ چونکہ اس ۷ھ اور ۳۵ھ کے دوران میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تدوین نہیں ہوئی تھی کہ اس دستاویز کو کوئی اپنے لئے نقل کرتا اور اس پر اصل مکتوب کی نقل ہونے کا شبہ ہوتا! اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہی مکتوبِ مبارک ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے نام ارسال فرمایا تھا۔

اس مکتوبِ نبوی کا عکس پیش ہے۔ رَق کا پھٹا ہوا اور سِلا ہوا ہونا قابلِ توجہ ہے۔ کسریٰ نے جب نامۂ مبارک کا پہلا جملہ سُنا جس میں حضورؐ کا اسمِ گرامی پہلے اور کسریٰ کا بعد میں ہے تو اپنی توہین سمجھ کر پھاڑ دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کسی درباری نے اُسے اُٹھا لیا اور محفوظ رکھا، یا خود عبداللہ بن حذافہؓ نے اس خیال سے اُٹھا لیا ہو کہ پیروں کے نیچے نہ آنے پائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قاصدِ نبوت نے یہ سوچا ہو کہ اس ناخوش گوار واقعہ کو الفاظ کے

ذریعہ بارگاہِ نبوت میں پیش کرنے کے بجائے خود دریدہ مکتوبِ نبوی ہی کو کسریٰ کے جواب کے طور پر پیش کر دیا جائے، صحابۂ کرام رضؓ جیسے عقیدت مندوں اور جاں نثاروں سے بجا طور پر اس کی توقع ہو سکتی ہے۔

ہُرمُزانؔ کے نام

ہرمزان ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شیرویہ کا ماموں تھا۔ ایران کے بہترین سپہ سالاروں میں شمار ہوتا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہِ ایران خسرو پرویز کے ساتھ ہرمزان کو بھی اسلام کی دعوت دی تھی، مکتوبِ گرامی میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

محمد رسول اللہ کی جانب سے ———— ہرمزان کے نام

میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لیجئے تاکہ آپ کو دنیا اور آخرت کی سلامتی حاصل ہو جائے [1]

اللہ
رسول
محمد

ہر چند ہرمزان نے اس وقت مکتوبِ گرامی پر کوئی توجہ نہیں کی۔ مگر چند سال کے بعد عہدِ فاروقی میں حضرت عمرؓ کے کردار کو دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ حضرت

---

[1] رسالاتِ نبویہ صہ ۲۱۲۔

عمرؓ ایران کے سیاسی اور انتظامی معاملات میں ہرمزان کے مشورے کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے۔[1]

نائب السلطنت مصر کے نام

برِّ اعظم افریقہ کے شمال میں مصر کا ملک تاریخ کے ابتدائی زمانے سے تہذیب و تمدن اور خاص سیاسی عظمت کا مالک رہا ہے۔ یہ وہی ملک ہے جس کے تاجداروں کا لقب فرعون تھا۔ بعثتِ نبوی کے وقت مصر میں دو قومیں آباد تھیں۔ ایک قبطی جو اصل باشندے تھے، دوسرے رومی (بیز نطینی) جنھوں نے مصر کو اپنی نو آبادی بنا رکھا تھا۔

مقوقس (MUQAWQIS) جو بیز نطینی سلطنت کی جانب سے مصر کا نائب السلطنت تھا اپنے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا، مصر کا مشہور تاریخی شہر اسکندریہ اُس کا دار السلطنت تھا۔

مصر عہدِ قدیم سے مشرق و مغرب کے مابین تجارتی، تہذیبی اور علمی روابط کا ذریعہ رہا ہے۔ مصر نے علم ہندسہ، نجوم اور دوسرے علوم و فنون میں جو ترقیاں کی ہیں دنیا انھیں کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مگر اخلاقی حیثیت سے روم و ایران کی طرح مصر بھی بداخلاقی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ رومی حاکم مصری عوام کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔

بارگاہِ رسالت سے مصر کی سفارت کے لیے حاطب بن ابی بلتعہؓ

---

[1] الفاروق جلد اول، فتوحاتِ ایران۔

مامور ہوئے تھے، وہ مسافت طے کرتے ہوئے اسکندریہ پہنچے اور مقوقس کے سامنے مکتوبِ گرامی پیش کر دیا۔ اس میں لکھا تھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

من محمد عبد اللہ ورسولہ ——— الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدیٰ ——— اما بعد فانی ادعوك بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتك اللہ اجرك مرتین فان تولیت فعلیك اثم القبط ——— یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرك بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے ———

مقوقس حاکمِ مصر کے نام ——— اُس پر سلامتی ہو جس نے راہِ راست اختیار کی! بعد ازاں، میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ پس اگر سلامتی منظور ہے تو اسلام قبول کر لیجیے! اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالےٰ آپ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر آپ نے انکار کیا تو ساری قوم کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے اوپر ہوگی۔

اے اہلِ کتاب! اختلاف و نزاع کی ساری باتیں نظر انداز

کر کے ایک ایسی بات پر متفق ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں طور پر مسلّم ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اُس کا شریک ٹھہرائیں، اور نہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنائیں!

اگر تمہیں اس بات سے انکار ہے تو تمہیں معلوم رہنا چاہئے کہ ہم بہر حال خدا کی یکتائی کا عقیدہ رکھتے ہیں! [1]

محمد رسول اللہ

مکتوبِ نبوی بنام نجاشی کی طرح اس مکتوب کو بھی آلم صاحب مظفرنگری نے نظم کیا ہے، منظوم ترجمہ یہ ہے:

خدا کا بندہ محمدؐ، کہ ہے جو اس کا رسولؐ
طرف سے اُس کی مقوقس کے نام ہے یہ پیام
قبول جس نے رہ راست کو کیا ہے یہاں
سلامتی کا وہی مستحق ہے صبح و شام
میں اس کے بعد بُلاتا ہوں تم کو جانبِ حق
بحکمِ رب تمہیں دیتا ہوں دعوتِ اسلام
جو دو جہاں میں تمہیں ہے سلامتی منظور
کرو قبول تم اسلام کو بصدقِ تمام
قبول کر لیا اسلام کو جو تم نے بدل
تو دے گا اجرِ مضاعف تمہیں خدائے انام

---

[1] زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۱۔

جو تم نے دعوتِ اسلام سے کیا انکار
ضمینِ گمرہیٔ قوم تم رہو گے مُدام
اک ایسی بات کرو اختیار اہلِ کتاب
جو ہم میں تم میں مسلّم ہے بادلیلِ تمام
وہ یہ کہ تم بھی عقیدت کے ساتھ اور ہم بھی
کریں کسی کی عبادت نہ جز خدائے انام
خدا کا ہم نہ کسی کو شریک ٹھہرائیں
کریں ذرا بھی نہ ہم اس کی اَحدِیت میں کلام
جو اس عقیدے سے منکر ہو تم، رہے معلوم
کہ ہم عقیدۂ وحدت پہ ہیں بعزمِ تمام

مقوقس نامۂ مبارک کو سُن کر بولا "بے شک! یہی وقت ہے کہ وہ نبیؐ جس کا انتظار تھا ظاہر ہو، مگر میرا خیال تھا کہ وہ شام کے ملک میں پیدا ہوگا، ہمیں توراۃ و انجیل سے اُس کی یہ صفات معلوم ہیں کہ وہ صدقہ کا مال نہ کھائے گا، مگر ہدیہ قبول کرے گا۔ غریب اور مسکین لوگ اس کے ہم جلیس ہوں گے اور اُس کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مُہر نبوت ہوگی"۔

یہ کہہ کر حکم دیا کہ "مکتوبِ رسالت کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ کر سرکاری خزانے میں محفوظ رکھا جائے"۔

مُقوقِس کا جواب :-

مقوقس نے نامۂ مبارک کا حسبِ ذیل جواب لکھ کر حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے سپرد کیا :-

محمد بن عبداللہ کے نام ——— مقوقس کی طرف سے

"میں نے آپ کا خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اُسے سمجھا، مجھے یہ معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کا مبعوث ہونا باقی ہے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ وہ شام میں پیدا ہوں گے ——— میں نے آپ کے قاصد کو عزت و احترام سے رکھا ہے۔ آپ کے لئے ہدیۃً ۲ دو لڑکیاں روانہ کر رہا ہوں۔ ہمارے یہاں یہ لڑکیاں نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ نیز آپ کے لئے کپڑے اور سواری کے لئے دُل دُل بھیج رہا ہوں۔ اللہ تعالےٰ آپ پر سلامتی نازل فرمائے۔"

اس اعتراف و احترام کے باوجود مقوقس اسلام کی سعادت سے محروم رہا۔

مؤرخین نے ان لڑکیوں کے نام "ماریہ" اور "سیرین" بتلائے ہیں، یہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔

حضرت حاطب رضؓ ان تحائف کو لیکر بارگاہِ نبوت میں پہنچے، آپؐ نے تحائف کو قبول فرمالیا، اور مقوقسؔ کے جواب کو سُن کر فرمایا:

"مقوقس کو سلطنت کے اقتدار نے اسلام سے محروم رکھا، وہ یہ نہ سمجھا کہ سلطنت ناپائیدار چیز ہے۔" لے

ماریہ اور سیرین راستے ہی میں حضرت حاطبؓ کی تعلیم و تلقین سے مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ حضرت ماریہؓ حرمِ نبویؐ میں داخل ہوئیں، اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ ان ہی کے بطن سے تولد ہوئے۔ سیرین حضرت حسانؓ کو عطا ہوئیں۔

لے ۲۰ طبقات ابن سعد جلد ۳ مر ۱۷۔

مکتوبِ گرامی کی دریافت

مقوقس کے نام جو نامۂ مبارک بھیجا گیا تھا اور جس کو اس نے ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھوا دیا تھا وہ حسنِ اتفاق سے گزشتہ انیسویں 19 صدی عیسوی کے وسط میں فرانس کے ایک مستشرق موسیو بارتل می (BORTHLAMY) کو مصر میں اخمیم کی ایک عیسائی خانقاہ سے دست یاب ہوا ہے۔ یہ ایک قبطی راہب کی انجیل پر چپکا ہوا تھا، یہ رق (کھال) پر لکھا ہوا ہے۔ اس فرمانِ رسالت کو موسیو بارتل می نے ترکی کے سلطان عبدالمجید خاں (۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء = ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۱ء) کو تین سو پاؤنڈ میں فروخت کر دیا تھا۔ سلطان نے اس دُرِّ بے بہا کو سونے کے فریم میں لگوا کر قصرِ شاہی[1] کے خزانے میں دوسرے تبرکاتِ نبویؐ کے ساتھ بحفاظت رکھوا دیا ہے۔

---

[1] استنبول میں یہ قصرِ شاہی توپ کاپی (TOKKAPI) کے نام سے موسوم ہے، اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد یادگاریں محفوظ ہیں۔ توپ کاپی ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں "توپ کا دروازہ" اس محل کو سلطان محمد فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے بعد ۸۶۳ھ / ۱۴۵۸ء میں تعمیر کرایا تھا۔ ایک عرصے تک یہ محل قصرِ خلافت رہا۔ بعد میں اسے میوزیم کی شکل دے دی گئی۔

اس میوزیم میں متعدد ہال ہیں۔ ایک ہال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو تلواریں چاندی کے ایک صندوق میں رکھی ہوئی ہیں۔ یہیں سونے کے دو صندوق ہیں۔ ایک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جُبّۂ مبارک ہے اور دوسرے میں آپ کا جھنڈا ہے۔ ایک دوسرے ہال میں جسے قاعۃ العرش کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکتوب گرامی بنام مقوقس سونے کے فریم میں رکھا ہوا ہے۔ یہ ہال میوزیم کا سب سے زیادہ مقدس حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک اور مہرِ مبارک ہے جو گلابی رنگ کے عقیق کو تراش کر بنائی گئی ہے۔ اس کی شکل بیضوی ہے۔ میوزیم کے اس حصے میں ہر وقت سنگین

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اس نامۂ مبارک کا عکس پیش ہے۔ اس میں نامۂ مبارک کے درمیان جو نشان نظر آتا ہے یہ پانی کی اس نمی کا اثر ہے جو موسیو بارتل می کو اسے دوسرے کاغذات سے علیحدہ کرنے کے لئے دینی پڑی تھی۔

آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم، شیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن احمد المقدسیؒ نے مصباح المضی کے نام سے مکتوباتِ نبویؐ کو جمع کیا تھا۔ انھوں نے دورِ اول کے مشہور مؤرخ واقدیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مقوقس کے نام جو مکتوب نبویؐ روانہ کیا گیا تھا، اس کو صدیق اکبرؓ نے تحریر فرمایا تھا، اس طرح خوش قسمتی سے حضرت صدیق اکبرؓ کے دستِ مبارک کی لکھی ہوئی یہ تحریر ہم تک پہنچ گئی ہے۔

مُقَوقِس کے تاثُرات

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں، فہم و فراست، عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے عرب کے ممتاز ترین مدبرین میں شمار ہوتے تھے، اور اپنے غیر معمولی دل و دماغ کے سبب سے "مُغِیرَۃُ الرَّائے" کہلاتے تھے۔ انھوں نے اسلام کی بڑی بڑی سیاسی اور جنگی خدمات انجام دی ہیں۔ اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

"میں قبولِ اسلام سے پہلے ایک مرتبہ مقوقس کے دربار میں گیا۔ مقوقس نے

(مجلۃ العربی الکویت بابت ماہ جنوری ۱۹۶۸ء)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بہرہ رہتا ہے۔

۵۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ صفحہ ۲۰۴، ۲۰۹۔

مجھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دریافت کیا کہ "ان کا خاندان کیسا ہے؟"
میں نے کہا "عالی خاندان ہیں"۔ مقوقس بولا "پیغمبر ہمیشہ عالی خاندان ہی ہوا کرتے ہیں"۔ پھر بولا "تمہیں اُن کی صداقت کا بھی کچھ تجربہ ہے؟" میں نے کہا: "وہ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، اس لئے مخالفت کے باوجود بھی ہم لوگ ان کو" صادق اور امین" سمجھتے ہیں!" مقوقس نے کہا "جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے"۔ ان کے پیرو کس قسم کے اشخاص ہیں؟ اور یثرب کے یہودی ان کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں؟" میں نے جواب دیا کہ: "ان کے پیرو کثرت سے غریب اور مسکین لوگ ہیں، یہودی اُن کے سخت مخالف ہیں"۔

مقوقس بولا "پیغمبروں کے پیرو ابتداءً غریب لوگ ہی ہوا کرتے ہیں، وہ ضرور خدا کے پیغمبر ہیں، اور تمام دنیا کو خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے آئے ہیں، یہودی رشک و حسد کی وجہ سے مخالفت کرتے ہیں ورنہ انھیں ان کی صداقت کا یقین ہے، اور وہ بھی ہماری طرح ایک نبی کے منتظر ہیں۔ جس کی صفات توراۃ میں موجود ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم بھی یہی ہے کہ اُن کی پیروی کرنا ضروری ہے، ان کی جو صفات تم نے بیان کی ہیں انبیاء سابقین (علیہم السلام) کے بھی یہی اوصاف تھے۔ اگر قبطیوں اور رومیوں تک اُن کا اثر پہنچا تو بالآخر انھیں بھی ان کی پیروی کرنی پڑے گی۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "میرے دل پر مقوقس کی ان باتوں کا بڑا اثر ہوا، مصر سے واپسی میں حسنِ اتفاق سے میری ملاقات ایک بڑے عیسائی عالم سے ہوگئی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا تمہیں کسی نبی کے آنے کا انتظار ہے؟ اگر ہے تو اس کی صفات توراۃ و انجیل میں کیا ہیں؟۔

عیسائی عالم نے میرے سوال کے جواب میں مجھے تفصیل سے بتلایا کہ:

"بے شک ہمیں ایک نبی کی آمد کا انتظار ہے، وہ خدا کا آخری پیغمبر ہوگا۔ ہمیں مسیح (علیہ السلام) نے تعلیم دی ہے کہ وہ جب ظاہر ہوں تو ہم اُن کی پیروی کریں، وہ نبی اُمّی اور عربی ہوں گے، ان کا نام اَحْمَدْ ہوگا، ان کا حلیہ اور صفات یہ ہوں گی :-

" درمیانہ قد، آنکھیں بڑی اور اُن میں سُرخی کے ڈورے ہوں گے، رنگ سُرخ و سفید ہوگا، موٹے کپڑے استعمال کریں گے اور معمولی غذا تناول فرمائیں گے، بڑی سے بڑی طاقت سے بھی خوف نہ کھائیں گے، ان کے مقابلے پر جو آئے گا وہ بھی اس کا مقابلہ کریں گے، اُن کے اصحاب اُن کے ادنیٰ اشارے پر جان فدا کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ ان کو اپنی اولاد، ماں باپ اور بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھیں گے۔ ایک حَرَم سے دوسرے حَرَم میں قیام کریں گے، جس کی زمین پتھریلی ہوگی، اور وہاں کھجوروں کے درخت کثرت سے ہوں گے، ان کا دین دینِ ابراہیمی ہوگا! متکبروں کی وضع اختیار نہ کریں گے، ان کی بعثت عام ہوگی۔ کُل زمین ان کے لئے جانماز ہوگی۔" [1]

حضرت مغیرہؓ کا بیان ہے کہ "اِن باتوں نے میرے دل پر اتنا اثر کیا کہ میں خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوگیا۔" [2]

---

[1] و [2] حسن المحاضرہ سیوطی ص ۵۰ و ۱۵۔

ہوذہ بن علی گورنر یمامہ کے نام

قدیم جغرافیہ نویسوں نے عرب کو پانچ صوبوں میں تقسیم کیا ہے۔ تہامہ، حجاز یمن، نجد اور عروض یہ آخری صوبہ مشرقی نجد اور حدود عراق سے خلیج عرب کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے۔ عروض میں یمامہ، عمان اور بحرین کی ریاستیں واقع تھیں ان میں سے آخر کی دو ریاستیں آج بھی مشہور ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ہجرت سے قبل صحابہ کرامؓ کا خیال تھا کہ یمامہ یا ہجر کی جانب ہجرت کی جائے گی، قریش مکہ کی غذائی ضرورتوں کے لئے غلہ یمامہ سے آتا تھا۔ یہ جزیرہ نمائے عرب کا اہم ترین خطہ ہے۔

یمامہ اگرچہ عرب کا حصہ تھا مگر زمانہ نبوت میں یہ فارس کے زیر اقتدار تھا۔ فارس کی طرف سے اس پر ہوذہ بن علی (جو عربی النسل تھا) گورنری کے فرائض انجام دیتا تھا۔ یمامہ پر تمام تر ایرانی اثر غالب تھا۔

ہوذہ کے نام فرمانِ رسالتؐ کی سفارت کا شرف حضرت سُلیط بن قیس الانصاریؓ کو بخشا گیا انھوں نے گورنر یمامہ کے دربار میں پہنچ کر نامۂ مبارک پیش کر دیا، لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے رسول محمدؐ کی جانب سے ——— ہوذہ بن علی کے نام

جو ہدایت کا اتباع کرے اُس پر سلامتی ہے۔ آپ کو واضح ہو کہ میرا یہ دین تمام عرب و عجم کی حدود تک پہنچ کر رہے گا اور غالب آئے گا! پس آپ کو اسلام قبول کر لینا چاہیئے، کہ اسی میں سلامتی ہے!۔

مجھے آپ کے ملک سے کوئی سروکار نہیں ہے، وہ بدستور آپ ہی کے قبضے میں رہے گا، ؎۱

محمد رسول اللہ

ہوذہ نے مکتوب گرامی کو پڑھ کر حضرت سلیطؓ سے کہا کہ " میں ابھی سوچ رہا ہوں اور ان اُمور پر غور کر رہا ہوں، تم ابھی ٹھہرو تاکہ میں کسی فیصلے پر پہنچ سکوں "۔

گورنر یمامہ کا جواب :-

چند روز کے بعد ہوذہ نے حضرت سلیطؓ کو بلا کر کچھ تحائف دیے کہ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا جائے اور نامۂ مبارک کے جواب میں لکھا کہ :-

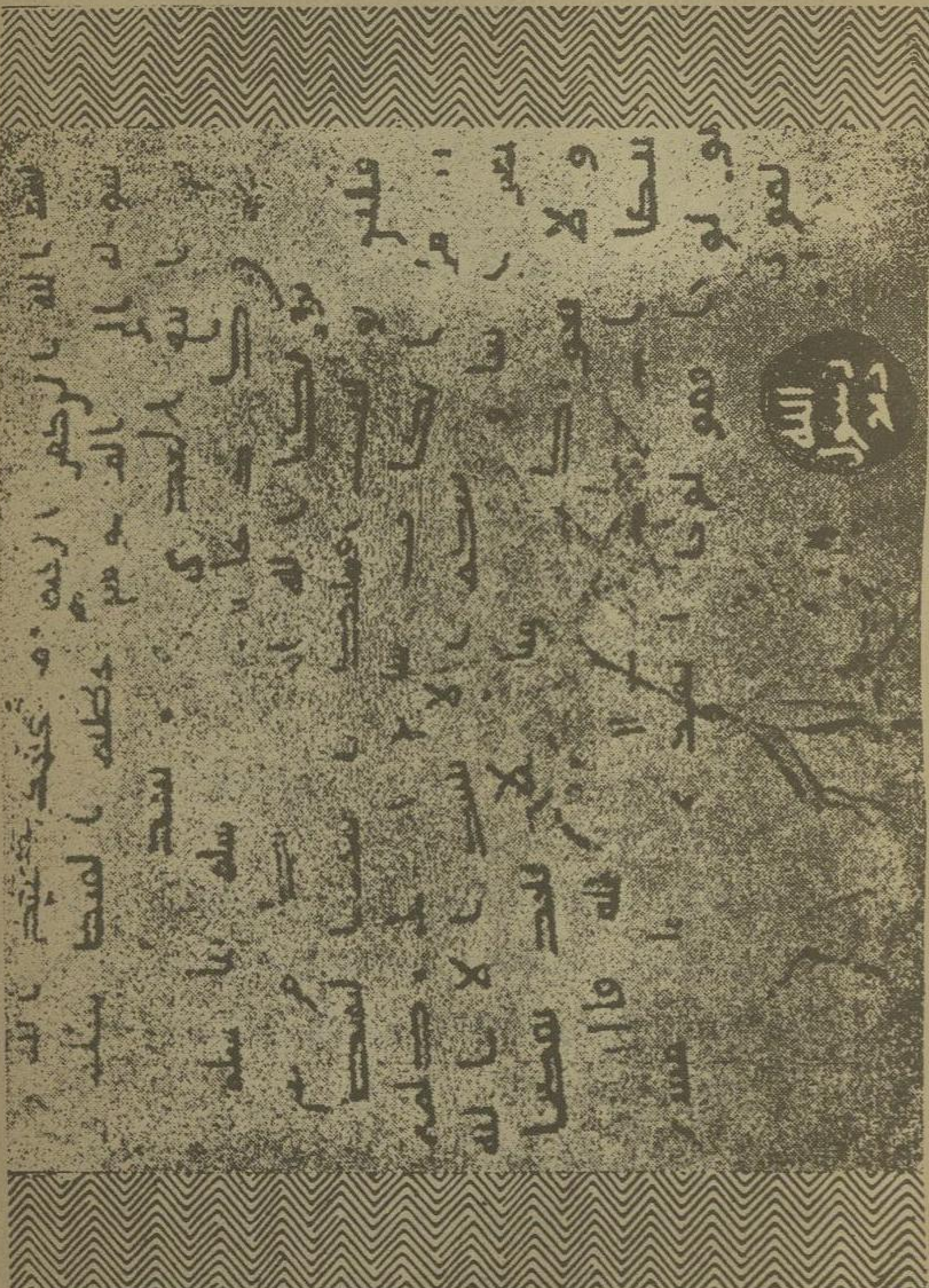
" جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھا دین ہے، میں اپنی قوم کا مشہور خطیب اور شاعر ہوں، اس لئے عرب میری بڑی عزت کرتے ہیں، اگر آپ مجھے اپنی حکومت میں شریک کریں تو میں آپ کی پیروی کے لئے تیار ہوں "۔ ؎۲

ہوذہ کو ایک عیسائی عالم کی تنبیہ

واقدی کا بیان ہے کہ ہوذہ کے پاس ایک بڑا عیسائی عالم رہتا تھا۔ اس نے ہوذہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا تو ہوذہ نے کہا کہ " میرے

؎۱ مواہب لدنیہ بحوالہ رسالت نبویہ ص ۳۱۴ -

؎۲ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۸ -



پاس اُن کا خط آیا تھا، انھوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی تھی، مگر میں نے قبول نہیں کی۔"

عالم نے پوچھا: "کیوں ؟"

ہوذہ نے کہا کہ "مجھے اپنے دین سے حُسنِ ظن ہے، نیز میں اپنی قوم کا سردار ہوں، اگر میں ان کی دعوت قبول کر لیتا تو مجھے اندیشہ تھا کہ اپنے ملک کا مالک نہ رہتا۔"

عیسائی عالم نے کہا، اگر آپ ان کی پیروی اختیار کرتے تو وہ ہرگز آپ کو آپ کے ملک سے محروم نہ کرتے، وہ عرب کے نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں ان کو اللہ کا رسول بتلایا ہے اور ان کی نبوت کی بشارت دی ہے۔ [1]

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوذہ کے اس مطالبے کو کہ "آپ مجھے اپنی حکومت میں شریک کرلیں" مسترد فرمادیا۔[2] اور وہ اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

---

[1] واقدی بحوالہ اصح السیر جلد اول ص ۳۹۶۔

[2] اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب کوئی اس قسم کا مطالبہ کرتا تو آپؐ یہ کہہ کر مسترد فرمادیتے تھے کہ "یہ بات خدا کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے عطا فرمادے۔" چنانچہ مکہ مکرمہ میں قبیلہ بنو عامر کے ایک شخص بحیرہ بن فراس نے کہا تھا کہ "اگر ہم آپ کا ساتھ دیں اور آپ اپنے مخالفوں پر غالب آجائیں تو کیا آپ کے بعد ریاست ہمیں ملے گی ؟"۔

آپ نے فرمایا "یہ بات خدا کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے دے۔" اس نے کہا "ساتھ ہم دیں اور حکومت دوسروں کو ملے، ہمیں کیا غرض پڑی ہے جو آپ کا ساتھ دیں۔"

(تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۳۲ و ابن ہشام جلد ا ص ۱۴۸)

(بقیہ ص آئندہ پر)

ہوذہ کے مرنے پر یمامہ کی ایک بڑی جماعت خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی۔ [1]

حارث غسّانی شاہِ دمشق کے نام

شام کا ملک جو بے شمار انبیاء علیہم السلام کی سرزمین رہا ہے۔ عرب کے شمال اور بحرِ روم کے مشرق میں واقع ہے۔ آج کل یہ ملک کئی حصّوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ یہ ایک قدیم اور تاریخی ملک ہے، اس کے ساحلی علاقے کو مشرق و مغرب کے مابین سرحد کی حیثیت حاصل ہے۔

(بقیہ صہ گذشتہ) اسی طرح کا ایک اور واقعہ مسیلمہ کذّاب کا ہے، اس نے آپؐ کو خط لکھا کہ "مجھے آپ کی نبوّت میں شریک بنایا گیا ہے۔ آدھا ملک میرے لئے ہونا چاہیئے"۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذّاب کو جواب میں سورۂ اعراف کی یہ آیت لکھ کر بھیج دی۔

" فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ، ملک تو سب اللہ ہی کا ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام بخیر خدا سے ڈرنے والوں ہی کا ہے"۔

(ابن ہشام و تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۱۶۷)

پہلا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے اور دوسرا سنہ ۱۰ھ / ۶۳۱ء کا۔ ہوذہ کا واقعہ سنہ ۷ھ / ۶۲۸ء میں پیش آیا، گویا اس بارے میں اوّل سے آخر تک آپؐ کا ایک ہی طرزِ عمل پایا جاتا ہے۔

مرضِ وفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو نماز کے لئے امام مقرر فرمانے کے باوجود خلافت کے لئے صراحتہً نام زد فرمانے کا سبب مذکورہ بالا واقعات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے، اگر آپؐ کسی کو خلافت کے لئے

(باقی صہ آئندہ پر)

شام کے مشہور تاریخی شہر دمشق پر حارث غسانی حکمراں تھا، دوسری صدی عیسوی کے آخر میں یہاں عرب کا ایک خاندان آلِ غسان سکونت پذیر ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اس نے اپنی حکومت قائم کرلی۔ پانچ سو سال تک یہ خاندان شام پر حکومت کرتا رہا۔ بعثتِ نبوی ؐ کے زمانے میں حارث غسانی شام کا حکمراں تھا۔

دمشق کی سفارت حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضؓ کے سپرد ہوئی تھی۔ یہ فرمانِ رسالت لے کر دمشق پہنچے تو معلوم ہوا کہ قیصرِ روم بیت المقدس کی زیارت کے لئے جارہا ہے اس لئے حارث اس کے انتظام میں مصروف ہے۔

حضرت شجاع رضؓ کا بیان ہے کہ "دمشق کے دورانِ قیام میں بادشاہ کے ایک درباری سے میری ملاقات ہوئی۔ اس کا نام مُرّی تھا۔ یہ شخص رومی نسل سے تھا۔ چند روز میں میری اس سے بے تکلفی ہوگئی۔ ایک دن اس نے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کئے۔ حالات سُن کر اُس پر رقت طاری ہوگئی اور کہنے لگا کہ:

> "جو کچھ تم نے بیان کیا ہے، انجیل میں یہی حالات اس آنے والے پیغمبر کے پائے جاتے ہیں، جس کا ہمیں انتظار ہے، میں ان پر ایمان لاتا ہوں، اور ان کے تمام احکام کی صدق دل سے تصدیق کرتا ہوں، مگر تم میرے قبولِ اسلام کا واقعہ ہرگز کسی سے بیان نہ کرنا، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر حارث کو یہ معلوم ہوگیا تو وہ مجھے قتل کرادے گا، حالانکہ وہ میری بہت عزت کرتا ہے اور مجھے

(بقیہ صرگذشتہ) نامزد فرمادیتے تو یہ بات آپؐ کے سابقہ طرزِ عمل کے بالکل خلاف ہوتی جس کی وحی الٰہی اور امرِ خداوندی کے بغیر ہرگز نبی سے توقع نہیں کی جاسکتی¹۔

ف۲ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۶۔

اس کے مزاج میں بڑا دخل حاصل ہے۔"

ایک روز حارثؔ نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ دربار کیا، مُری نے اس سے میرا تذکرہ کیا۔ حارثؔ نے مجھے دربار میں بلایا اور نامۂ مبارک لے کر پڑھنے کا حکم دیا۔

فرمانِ رسالتؐ کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے ——— حارث بن ابی شمر کے نام

سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے، اس پر ایمان لائے اور سچا جانے۔

میں آپ کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ ایک خدا پر ایمان لایئے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے!

آپ کا ملک آپ کے پاس باقی رہے گا!" [1]

محمد رسول اللہ

حارثؔ مکتوبِ گرامی سن کر آگ بگولا ہو گیا، اور کہنے لگا کہ "کس کی مجال ہے کہ میرے ملک کی طرف نگاہ اٹھائے" اور اسی غیظ و غضب میں فوج کو تیاری کا حکم دیا۔

حضرت شجاعؓ جب واپس ہونے لگے، تو مُری ان کو اپنے مکان پر لے گیا، اور زادِ راہ دے کر کہا کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں میرا سلام عرض کرنا"

حضرت شجاعؓ نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر تمام واقعات عرض کئے۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۷، اور رسالاتِ نبویہ ۱۳۵۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ :-

"مری نے جو کچھ کہا سچ کہا، وہ مومن صادق ہے اور حارث عنقریب دیکھ لے گا کہ جس حکومت کے غرور میں اس نے خدا کے پسندیدہ مذہب کو رد کر دیا وہ ہرگز باقی رہنے والی نہیں ہے"۔

حارث نے جو فوج تیار کی تھی اس نے فتح مکہ کے بعد ۹ھ ۶۳۰ء میں قیصر روم کی قیادت میں اسلام سے جنگ کا آغاز کر دیا، مگر آخر کار ۱۴ھ ۶۳۵ء میں شام سے غسانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ [1]

یہود خیبر کے نام

خیبر، حجاز کا بڑا شاداب اور نخلستانی علاقہ ہے جو کھجوروں کے بے شمار سرسبز و شاداب باغات سے گھرا ہوا ہے۔ صدہا قدرتی چشمے یہاں پائے جاتے ہیں۔

خیبر۔ عبرانی لفظ ہے۔ اس کے معنیٰ قلعے کے ہیں۔ حجاز میں یہ یہود کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہ مدینہ منورہ سے دو سو میل شمال میں واقع ہے۔

خیبر متعدد بستیوں پر مشتمل تھا، عرب کی تاریخ میں خیبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ طلوعِ اسلام کے زمانے میں یہاں بڑے بڑے سرمایہ دار یہودی رہتے تھے۔ جن کا پیشہ تجارت اور سود پر روپے کا لین دین تھا۔ یہود نے خیبر میں نہایت مضبوط قلعے بنائے ہوئے تھے، قلعہ مرحب کی دیواریں ابھی تک موجود ہیں۔ عرب بھر میں اُن قلعوں کی وجہ سے خیبر کو ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ یہاں کے یہودی عرب قبائل

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷، البلاغ مبین ص ۱۶۷، ۱۶۹ والفاروق حصہ اول فتوحاتِ شام۔

کو آپس میں لڑاتے رہتے تھے، قبائل کو اسلحہ اور روپے کے لئے عموماً یہود سے مدد لینی پڑتی تھی، اور یہ لوگ ان کی احتیاج سے سودی نفع حاصل کرتے، اور اس طرح دوسروں کو لڑا کر خود آرام واطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے۔

یہود عموماً دولت مند تھے، ان کے پاس ہمیشہ اسلحہ، جنگ کے ذخیرے موجود رہتے تھے، عرب اُن کے مقروض رہتے تھے۔ اس کے علاوہ عربوں پر یہود کا علمی اور مذہبی اثر بھی تھا۔ وہ یہود کو اپنے سے زیادہ عالم اور مہذب و شائستہ سمجھتے تھے، حتیٰ کہ جن لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے، وہ منت مانتے کہ اگر بیٹا زندہ رہا تو اس کو یہودی بنائیں گے، چنانچہ عرب میں اس قسم کے بہت سے جدید التہود موجود تھے۔ [1]

ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود کو ایک تبلیغی مکتوب گرامی ارسال فرمایا جس میں یہود کو اپنے بارے میں توراۃ [2] کا حوالہ دے کر اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ مکتوبِ نبوی میں لکھا تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے جو نبوت و رسالت میں موسیٰ (علیہ السلام) کی طرح ہیں اور اُن اُمور کی تصدیق کرنے والے ہیں جو موسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے۔

اے اہلِ توراۃ! کیا اللہ نے توراۃ میں یہ نہیں کہا ہے کہ "محمد اللہ کے رسول ہیں ؟ جو لوگ اُن کے ساتھ ہوں گے، وہ اللہ کے دشمنوں کے لئے بہت سخت ہوں گے، اور آپس میں ایک

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد
[2] توراۃ (TORAH) عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں "قانون"۔

دوسرے پر شفقت و محبت کرنے والے ہوں گے، وہ اللہ کے سامنے جھکنے اور سجدہ کرنے والے ہوں گے، اور وہ اللہ کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلب گار ہوں گے"

میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تمہارے لئے توراۃ نازل کی، اور جس نے تمہارے بزرگوں کو مَنّ و سَلویٰ کھلایا اور سمندر کو اُن کے لئے خشک کر کے فرعون کے ظلم سے نجات دلائی، کیا توراۃ میں مجھ پر ایمان لانے کے لئے لکھا ہوا موجود نہیں ہے؟

میری نسبت توراۃ کی اس تصریح کے بعد کیا ہدایت اور گمراہی واضح نہیں ہو جاتی؟ [1]

پس میں تمہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف دعوت دیتا ہوں" [2]

محمد رسول اللہ

---

[1] کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۸۵ حدیث ۵۵۱۳ و ۵۵۱۴۔

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بطور اتمامِ حجت یہ دلیل پیش فرمائی ہے کہ میری بشارت خود تمہاری مقدس کتابوں میں موجود ہے۔ آپ کو اپنے بارے میں بشارت کے موجود ہونے کا اس قدر کامل یقین تھا، کہ یہودیوں کے ساتھ اس بات کو مدارِ فیصلہ قرار دیا اور لکھا کہ "تمہاری کتاب میں مجھ پر ایمان لانے کے لئے لکھا ہوا موجود ہے۔" اہلِ کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت کا علم تھا۔ یہود میں ایک جلیل القدر نبی کی آمد کا عقیدہ راسخ تھا اور وہ اس کی آمد کے منتظر تھے۔ خدائے تعالیٰ نے توراۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ:

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

بُدَیل بن وَرقا کے نام

جزیرہ نمائے عرب کا ایک صوبہ تہامہ ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے جنوب کی جانب بحرِ احمر کے ساحل اور جبل السراۃ کے درمیان ایک طویل وادی ہے جو بحرِ احمر سے ملی ہوئی یمن تک چلی گئی ہے۔ اس سرزمین میں بہت سی چھوٹی بڑی پہاڑیاں پائی جاتی ہیں، یہ وادی تہامہ کے نام سے موسوم ہے۔ قبیلۂ خزاعہ اسی جگہ کا رہنے والا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب نے اس قبیلے سے نسلاً بعد نسلٍ حلیف رہنے کا معاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ قبیلۂ خزاعہ ہمیشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاون و مددگار رہا۔ ۵ھ/۶۲۷ء میں جب قریش اور خیبر کے یہودیوں نے مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا تو اسی قبیلے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حملے کی خبر دی تھی۔ پھر ۶ھ/۶۲۸ء میں صلح حدیبیہ کے موقع پر جب یہ طے پایا کہ قبائلِ عرب میں سے ہر قبیلے کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہے وابستہ ہو جائے، تو خزاعہ نے اپنی قدیم روایات کے پیشِ نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا اعلان کیا تھا۔ بنو خزاعہ گو اب تک اسلام نہ لائے تھے مگر وہ اسلام کے حلیف اور رازدار تھے۔

عہدِ نبویؐ میں یہ قبیلہ مکہ مکرمہ کے قرب و جوار میں آباد تھا۔ تہامہ کے قبیلہ بنی عمرو کے سرداروں بُدیل بن ورقا وغیرہ کے نام ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ ذیل

(بقیہ صفحہ گذشتہ) میں ان کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی پیدا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔" (کتاب مقدس استثنا باب ۱۸، آیت ۱۸، ۱۹ مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۵۶ء)۔

مکتوبِ گرامی ارسال فرمایا، جس میں آپؐ نے اُن کو محبت و رافت کا پیغام دیا ہے اور بتلایا ہے کہ میں تہامہ کے لوگوں کی قدر کرتا ہوں اور جو کچھ مجھے اپنے لئے پسند ہے وہی تہامہ کے لوگوں کے لئے پسند کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے ـــــ بدیل بن ورقا وغیرہ کے نام

میں اُس خدا کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں !۔

بعد ازاں آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اہلِ تہامہ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں، اور تعلق میں میرے لئے سب سے قریب ہیں، مجھے جو کچھ اپنے لئے پسند ہے وہی اُس شخص کے لئے بھی پسند کرتا ہوں جو آپ لوگوں میں سے ہجرت کرے اگرچہ وہ ہجرت اپنے ہی علاقہ میں کیوں نہ ہو۔

جو لوگ اہلِ تہامہ کے شریکِ معاہدہ ہیں میرے نزدیک وہ بھی اُسی سلوک کے مستحق ہوں گے جس کے اہلِ تہامہ مستحق ہیں۔

میں اہلِ تہامہ کی قدر کرتا ہوں، میری جانب سے کوئی ایسی بات نہیں کی جائے گی جو اُن کی شان کے خلاف ہو۔

قبائلِ عرب سے میری صلح کے وقت آپ لوگوں کو بالکل مطمئن رہنا چاہئے۔ [1]

علقمہ بن عُلاثہ اور ہوذہ کے ۲ لڑکے اسلام قبول کر چکے ہیں، اور دونوں نے ہجرت کی ہے اور اس شرط پر بیعت کی ہے جس پر قبیلہ عکرمہ کے لوگوں نے کی ہے، حلال و حرام میں ہم سب لوگ یکساں ہیں۔

---

[1] ابن اثیر بحوالہ رسالاتِ نبویہ صہ ۹۶۔

بخدا میں تم سے غلط نہیں کہتا، ضرور ضرور تمہارا پروردگار تم سے محبت کرے گا۔[1]

محمد رسول اللہ

قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ قبیلہ اسلم تھا، اس قبیلے کے لوگ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ زبانِ وحی ترجمان سے ارشاد ہوا:۔

"قبیلہ اسلم سے اللہ مصالحت کرے"۔[2]

اس قبیلہ کے نام سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ قبیلہ اسلم میں سے جو شخص ایمان لائے، نماز پڑھے، زکوٰۃ ادا کرے اور اللہ کے دین میں خلوص اختیار کرے، ایسے لوگوں کو جب اُن پر کوئی حملہ آور ہوگا تو اُن کو مدد دی جائے گی۔

۲۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی مدد کی ضرورت ہو، تو ان پر بھی مدد دینی واجب ہوگی۔

۳۔ اُن کے دیہاتیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اُن کے شہریوں کے ہیں۔

۴۔ یہ لوگ جہاں چاہیں ہجرت کر سکتے ہیں۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۲۵۔

[2] طبقات ابن سعد جلد ۷ صہ ۱۶۳۔

[3] طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۲۴۔

کوہِ تہامہ والوں کے نام

عرب کے ملک میں شمال سے لے کر جنوب تک جبل السّرات کا پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ ساحلِ عرب کے متصل وہ نشیبی اور تنگ خطۂ زمین ہے جو جزیرہ نمائے سینا سے شروع ہو کر عرب کی مغربی اور جنوبی سمت کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔ تہامہ کی مغربی سرحد پر خلیجِ قلزم ہے۔ اور مشرقی سرحد پر پہاڑیوں کا ایک سلسلہ جنوباً شمالاً چلا گیا ہے۔ جبل السّرات کی چوڑائی مختلف مقامات پر مختلف ہے۔ اس کی سب سے بڑی چوٹی ۱۴ ہزار فٹ بلند ہے۔

جبل السّرات کی پہاڑیوں نے ملک کو مغربی و مشرقی دو۲ طبعی حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے، یہی وہ پہاڑی ہے جسے توراۃ میں کوہِ سعیر کہا گیا ہے۔

مغربی حصّے میں جو بحرِ احمر سے ملا ہوا ہے، حجاز، تہامہ، اور یمن وغیرہ واقع ہیں یہ مشرقی حصّے سے نسبتاً چھوٹا ہے۔

مشرقی حصہ جو خلیجِ عرب کی جانب ہے اس میں نجد، یمامہ، عمان، بحرین، اور حضرموت وغیرہ واقع ہیں۔

تہامہ کے پہاڑی علاقے میں عرب کے مختلف قبیلوں کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کا کوئی نظام نہ تھا، عموماً ایسے لوگوں کا ذریعۂ معاش لوٹ مار اور قتل و غارت گری ہوتا ہے، اُن لوگوں نے بارگاہِ رسالت میں اپنا وفد بھیجا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے تحریر فرمایا، جس میں ان لوگوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ اُن کے سابقہ جرائم پر اُن سے کوئی باز پُرس نہیں کی جائے گی اور نہ ان پر کوئی زیادتی ہو گی، ان میں جو لوگ غلام ہیں وہ غلامی سے آزاد ہوں گے۔

مکتوبِ گرامی یہ تھا :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد النبی رسول اللہؐ کی طرف سے ———— خدا کے آزاد بندوں کے نام

جو لوگ اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں وہ غلامی سے آزاد ہیں۔ محمدؐ ان کے حاکم ہیں، اُن کو بجز اُن کے قبیلوں میں واپس نہیں کیا جائے گا، اور نہ سابقہ جرائم پر اُن سے کوئی باز پُرس کی جائے گی۔ جن لوگوں پر ان کا قرض واجب ہوگا وہ ان کو دلایا جائے گا۔

ان لوگوں پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی نہیں کی جائے گی۔

مذکورہ بالا اُمور پر ان لوگوں کے لئے جو اسلام لائیں اللہ اور محمد النبیؐ کی ذمہ داری ہے۔" والسلام علیکم [1]

محمد رسول اللہ

خَالِد بن ضِماد الاَزدِی کے نام

خَالد کے والد ضماد بن ثعلبہ جو اَزد کے قبیلہ سے تھے، زمانۂ جاہلیت میں طبابت اور جرّاحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یمن کے رہنے والے تھے۔ زمانۂ نبوّت میں یہ مکہ مکرمہ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ راستے میں جا رہے ہیں اور پیچھے لڑکوں کا غول ہے

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صر ۲۹۔

جو آپ کو مجنوں، مجنوں، کہہ رہے ہیں۔

ضماد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ "محمدؐ! میں جنون کا علاج کرسکتا ہوں۔"

آپؐ نے حمد وثنا کے بعد چند مؤثر جملے فرمائے۔ ضماد اس سے ایسے متاثر ہوئے کہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ [1]

ابن سعد کی روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ضماد الازدی کو تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خالد بن ضماد الازدی اپنی جس زمینداری کی حالت میں اسلام لائے ہیں وہ زمینداری ان ہی کی ملکیت رہے گی، بشرطیکہ وہ اللہ پر ایمان رکھیں جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ شہادت دیں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں، رمضان کے روزے رکھیں، بیت اللہ کا حج کریں۔ کسی نئی بات پیدا کرنے والے کو پناہ نہ دیں اور نہ اسلام کی حقانیت میں شک وشبہ کریں، اللہ اور اس کے رسولؐ کی خیر خواہی کرتے رہیں۔ اللہ کے دوستوں کو دوست اور اُس کے دشمنوں سے دشمنی رکھیں۔

محمد النبی پر لازم ہے کہ ان کی اسی طرح پر حفاظت کریں جس طرح اپنی جان ومال اور اہل وعیال کی کرتے ہیں۔

خالد الازدی کے لئے اللہ اور محمد النبی کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ خالد کی طرف سے کوئی بدعہدی نہ کی جائے۔ [2]

محمد رسول اللہ

[1] صحیح مسلم وسنن نسائی ومسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۰۲ [2] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۱

مُنذِر بن ساویٰ گورنر بحرین کے نام

بحرین خلیج عرب کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ عرب قدیم میں بحرین سے مراد جزائر بحرین نہیں ہیں جیسا کہ آج کل کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کا اطلاق خلیج عرب کی اس ساحلی پٹی پر ہوتا تھا جو عراق کے ڈیلٹا سے موجودہ ریاست قطر تک پھیلی ہوئی تھی۔ بحرین کے خاص شہر یہ تھے۔ قطیف یہ آج کل بھی موجود ہے۔ آرہ، بحر زرارہ، جواثا، سابور، غابہ، مشقر، دارین۔ (معجم البلدان یاقوت حموی جلد ۲ ص ۳)

یہ عرب ہی کا ایک حصہ ہے۔ بحرین کو ہجر بھی کہتے ہیں۔ بحرین موتیوں کی پیداوار کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہاں کے باشندوں کی اکثریت موتیوں کی غواصی کا پیشہ کرتی تھی۔ بحرین اپنی ایک قدیم تاریخ رکھتا ہے اور فنیقیوں کی تہذیب کا قدیم زمانے میں گہوارہ رہ چکا ہے۔ اسے اسلام کے قبول کرنے میں سبقت حاصل ہے۔ بحرین آج کل پوری دنیا میں پٹرول کی دولت کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔

چھٹی صدی عیسوی میں بحرین ایرانی حکومت کے زیرِ اقتدار تھا۔ یہاں کے ایرانی گورنر کا نام منذر بن ساویٰ تھا۔ منذر اُن خوش قسمت لوگوں میں ہیں جو پیغام رسالت ؐ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، اور نامۂ مبارک کے جواب میں لکھا کہ:

"رسول اللہ ؐ! آپ کا فرمانِ رسالت پہنچا، میں اس سے قبل آپ ؐ کا وہ خط بھی دیکھ چکا ہوں جو آپ ؐ نے دعوتِ اسلام کے لئے اہلِ بحرین کے نام ارسال فرمایا تھا، میں برضا و رغبت اسلام قبول کرتا ہوں۔"

اہلِ بحرین میں سے بعض لوگوں نے اسلام کو پسند کیا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور بعض اپنے قدیم مذہب پر قائم ہیں۔ میرے ملک میں پارسی اور یہودی آباد ہیں۔ آپؐ مجھے مطلع فرمائیں کہ اُن کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جائے ہے" (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۹، وبلاغ مبین ص ۱۷۵)

علاء بن حضرمیؓ سفیرِ رسالتؐ جب یہ خط لے کر واپس آئے اور وہاں کے حالات بیان کئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر کو حسبِ ذیل فرمانِ رسالتؐ تحریر فرمایا، جس میں انھیں بحرین کی گورنری پر بحال رکھا گیا تھا اور غیر مسلم باشندوں سے حُسنِ سلوک کی ہدایت کی گئی تھی۔

مکتوبِ گرامی کا مضمون یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ ——— الی المنذر بن ساوی

سلام علیك فانی احمد اللہ الیك الذی لا الہ غیرہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدًا عبدہ ورسولہ ———

اما بعد! فانی اذکرك اللہ عز وجل فانہ من ینصح فانما ینصح لنفسہ، وانہ من یطع رُسُلی ویتبع امرھم فقد اطاعنی ومن نصح لھم فقد نصح لی وان رُسلی قد اثنوا علیك خیرًا وانی قد شفعتك فی قومك فاترك للمسلمین ما اسلموا علیہ وعفوتُ عن اھل الذنوب فاقبل منھم وانك مھما تصلح فلن نعزلك عن عملك ومن اقام علیٰ یھودیۃ او مجوسیۃ فعلیہ الجزیۃ۔

اللہ
رسول
محمد

خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے

محمد رسول اللہؐ کی جانب سے ______ منذر بن ساوی کے نام

السّلام علیک! میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جو یکتا ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں خدا کی یکتائی کی شہادت دیتا ہوں، اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

بعدازاں میں آپ کو خدا کی یاد دلاتا ہوں، جو نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی آپ کو فائدہ پہنچاتا ہے!۔

جو شخص میرے قاصدوں کی پیروی اور اُن کی ہدایت پر عمل کرے گا اُس نے حقیقت میں میری اطاعت کی، اور جس نے اُن کی نصیحت کو قبول کیا اُس نے حقیقت میں میری نصیحت کو مانا۔

میرے قاصدوں نے آپ کے طرزِ عمل کی بے حد تعریف کی ہے۔ آپ کو اپنے منصب پر بدستور قائم رکھا جاتا ہے، آپ کو چاہیئے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے خیر خواہ رہیں۔

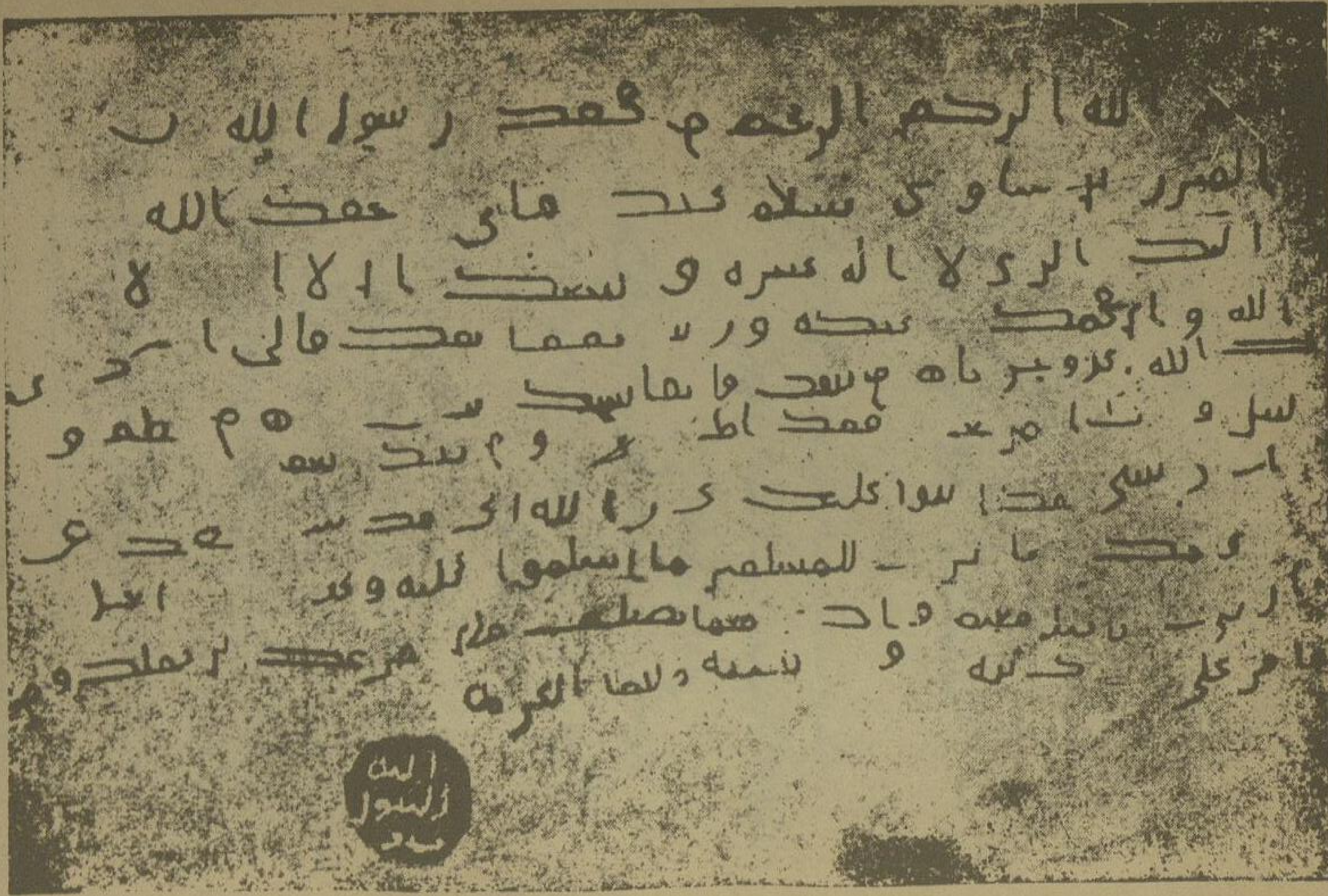
اہلِ بحرین کے بارے میں آپ کی سفارش مجھے منظور ہے۔ میں قصورواروں کے قصور کو معاف کرتا ہوں، پس آپ بھی اُن سے درگزر کیجیئے۔

اہلِ بحرین میں جو لوگ یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہنا چاہیں، رہیں، اُن سے جزیہ لیا جائے" [1]

اللہ
رسول
محمد

---

[1] زاد المعاد ابن قیم جلد ۳ ص ۶۱، ۶۲ و طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۹، ۲۷ و فتوح البلدان جلد اول ص ۷۹، ۸۱۔



مکتوبِ نبوی بنام منذر گورنر بحرین

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی ؐ کے بعد سب سے پہلے جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد ہے، جو جواثا میں واقع تھی۔ [1]

منذر کے نام دوسرا مکتوبِ گرامی

ایک دوسرے فرمانِ رسالت ؐ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضؓ اور قدامہ رضؓ کو بحرین روانہ کرتے ہوئے منذر کو تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

السلام علیکم! میں آپ کے پاس ابو ہریرہ رضؓ اور قدامہ رضؓ کو بھیج رہا ہوں، آپ اپنے علاقہ سے جو عشر و زکوٰۃ اور جزیہ وصول کر چکے ہوں وہ ان کے حوالہ کر دیا جائے۔ [2]

جزیہ کی حقیقت

"جزیہ" کو اسلام کے معترضین نے بڑی بڑی رنگ آمیزیوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسے اسلامی اسٹیٹ کے ایک متعصبانہ ٹیکس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جزیہ کو اس قدر بدنام کیا گیا ہے کہ ایک سنجیدہ دماغ اس کے صحیح تصور تک نہیں پہنچ سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ جزیہ کی حقیقت کو واضح کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں عجیب بات یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی چھ سو سالہ تاریخ میں جو

---

[1] صحیح بخاری جلد اول، کتاب الجمعہ۔

[2] طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ ۲۸۔

درحقیقت اسلامی فتوحات کا زمانہ ہے، اور جس میں بے شمار مقامات میں غیر مسلموں پر جزیہ لگایا گیا کوئی شکایت نہیں پائی جاتی، اس کے تمام تر اسباب سیاسی اور صلیبی جنگوں (CRUSADE) کے زمانہ کی شکست خوردہ ذہنیت کی تلخی کا نتیجہ ہیں۔

چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) میں جب یورپ کے متعدد ملکوں کو "صلیبی جنگوں" میں مسلمانوں کے مقابلے میں شکست ہوئی تو ناکامی کے جوشِ انتقام میں عیسائی دنیا کو اسلام کے خلاف برانگیختہ کرنے کے لئے سیاسی طور پر طرح طرح کے جو حربے اختیار کئے گئے ان ہی میں یہ الزام بھی لگایا گیا۔

عیسائی دنیا میں اسلام کے خلاف تعصب کی وجہ یہ بھی ہوئی کہ ایک زمانہ میں عالمِ مسیحیت کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ اسلام کی یلغار سارے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اگرچہ یہ اندازہ غلط نکلا، مگر اس دَور میں اسلام کے خلاف جو مواد جمع کر کے تعصب کی فضا پیدا کی گئی تھی وہ بعد کے زمانے میں دور نہ ہو سکی اور اس کے اثرات برابر اپنا کام کرتے رہے۔ (تاریخ یورپ از جوزف جلد سوم صر۱۱ مطبوعہ ۱۹۲۱ء)

جزیہ کی غرض وغایت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسٹیٹ کے ذرائع آمدنی اور ان کے فرائض کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ ہر زمانے میں ہر حکومت اپنے نظام کو چلانے اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے عوام پر مختلف ٹیکس لگاتی رہی ہے۔ اسٹیٹ کا فرض ہے کہ ملک میں امن وامان قائم رکھے اور رفاہ عامہ کے کاموں کی تعمیر و ترقی میں کوشاں رہے، ظاہر ہے کہ مصارف کے بغیر ان اُمور کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اس لئے عوام کا فرض سمجھا گیا ہے کہ وہ ان اُمور کی انجام دہی میں اسٹیٹ کا ہاتھ بٹائیں اور اس کو مقررہ ٹیکس ادا کریں۔ موجودہ زمانے میں تو ٹیکسوں کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے کہ ان کا شمار بھی آسان نہیں ہے۔ بنیادی ضروریاتِ زندگی سے لے کر سینما کی تفریحات تک ٹیکس کی زنجیر میں بندھی ہوئی ہیں۔ اور زندگی کا وہ کون سا شعبہ ہے جو ٹیکس کی

گرفت سے آزاد ہے ؟۔

جزیہ ایک دفاعی ٹیکس ہے، یہ اسلامی حکومت کے معاشی نظام کا ایک حصہ ہے، اسلام کی اصطلاح میں ملک کے اس ٹیکس کو "جزیہ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جو فارسی لفظ "گزیت" کی تعریب ہے۔ اور ایران میں قدیم زمانے سے رائج چلا آتا تھا۔ (ہفت قلزم لفظ گزیت و تاریخ طبری جلد ۲ و تاریخ الکامل جلد اول ص ۱۸۴)۔

عوام کی جان و مال کی حفاظت اور ملک میں امن و امان برقرار رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جزیہ اسلامی ریاست کا وہ ٹیکس ہے جو اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلموں سے اُن کی جان و مال کی حفاظت اور امن و امان قائم رکھنے کے لئے لیا جاتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اسٹیٹ کا ہاتھ بٹانے میں جب مسلم اور غیر مسلم برابر کے شریک ہیں تو مسلمانوں کو جزیہ سے مستثنیٰ رکھنے کے کیا معنی ہیں ؟۔ اس شبہ کے ازالہ کیلئے اسلام کا اقتصادی مزاج سمجھنا ضروری ہے۔

قرآنِ حکیم میں ہے :

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (سورہ حشر آیت)

تاکہ دولت صرف تمہارے مال داروں کے قبضے میں نہ رہے

یہ ہے سرمائے کے بارے میں اسلام کا بنیادی تصوّر ! وہ دولت کی تقسیم زیادہ سے زیادہ کرنا چاہتا ہے تاکہ انسانی معاشرے میں کوئی شخص بھوکا ننگا نہ رہے۔ ذخیرۂ احادیث میں متعدد حدیثیں ہیں جن میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیرات کی تاکید فرمائی ہے۔ اس لئے مسلمانوں پر مختلف ٹیکس (صدقاتِ واجبہ) عائد کئے گئے ہیں۔ ان ٹیکسوں میں ایک اہم ٹیکس (زکوٰۃ) ہے۔ اس کی تعداد ڈھائی فیصد سالانہ ہے جو کسی حال میں معاف ہو سکتی ہے اور نہ اُس میں تخفیف ممکن ہے۔ درحقیقت مسلمانوں سے اسلامی ریاست

جزیہ کے مقابلے میں بہت زیادہ ایثار و قربانی کا مطالبہ کرتی ہے۔ غیر مسلم عوام جزیہ کی معمولی رقم ادا کر کے ہر طرح کی ذمہ داری سے بری ہو جاتے ہیں، جب کہ مسلمانوں کو زکوٰۃ کے نام سے کہیں زیادہ یہ مطالبہ حکومت کو ادا کرنا پڑتا ہے اور اس کے باوجود اگر جنگ چھڑ جائے تو مسلمانوں کو مالی قربانی کے ساتھ جانی قربانی بھی پیش کرنی پڑتی ہے۔

اسلامی احکام کی رُو سے غیر مسلم شہریوں کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اُن کو مسلمانوں کے زیرِ سایہ عملاً وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جس سے خود مسلمان مستفیض ہوتے ہیں۔

جزیہ کی آخری مقدار جو بڑے سے بڑے دولت مند پر عائد ہوتی ہے، وہ اڑتالیس ۴۸ درہم سالانہ ہے (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۷۰) اور اڑتالیس درہم ادا کرنے والے کے لئے کم از کم دس ہزار درہم کا مالک ہونا ضروری ہے۔

(درمختار، فصل جزیہ)

درہم چاندی کا ایک چھوٹا سکہ تھا جو موجودہ حساب سے تقریباً ۲۵ پیسے کے مساوی ہوتا ہے۔ اورنگ زیب کے " بدنام عہد " میں انگریز مؤرخ لین پول کی تحقیق کے مطابق جزیہ کی آخری مقدار ساڑھے تیرہ روپے تھی۔

(اورنگ زیب، لین پول ص ۸ - ۱۱)

اب دیکھئے کہ ایک مسلمان جو دس ہزار درہم کا مالک ہے اس پر زکوٰۃ کے ڈھائی سو درہم واجب ہوں گے۔ جزیہ کا پانچ گنا زیادہ جب کہ اسی حیثیت کے غیر مسلم کو صرف ۴۸ درہم ادا کرنے ہوں گے جو جزیہ کی آخری مقدار ہے۔ اس کے برخلاف مسلمان کا سرمایہ جس قدر بڑھتا جائے گا، اُسی تناسب سے زکوٰۃ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ ایک لاکھ پر ڈھائی ہزار اور ایک کروڑ پر ڈھائی لاکھ زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اور اسی

طرح بڑھتی رہے گی۔ پھر زکوٰۃ صرف نقد ہی پر موقوف نہیں ہے سونے چاندی اور
ان کے زیورات کی زکوٰۃ کا بھی یہی نصاب ہے، حتیٰ کہ مویشیوں کے گلّے بھی زکوٰۃ
سے بچے ہوئے نہیں ہیں۔ دوسرے صدقاتِ واجبہ اس کے علاوہ ہیں جن کی ادائیگی
کے بغیر مسلمان کو کوئی مَفر نہیں ہے!۔ مسلمانوں پر یہ ٹیکس بہت اہم فریضہ ہے اور
اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ زکوٰۃ کے حکم کو قرآن مجید میں بار بار
دوہرایا گیا ہے، کہیں ایمان باللہ کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے، اور کہیں آخرت کے
ذکر کے ساتھ اس کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلام کی رواداری کا دائرہ بہت وسیع ہے، جو لوگ اُسے قبول کرنے
سے انکار کرتے ہیں اسلام اُن کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی کرنے کی اجازت
نہیں دیتا۔ اسلام انھیں بھی انسانی برادری کا رکن قرار دے کر اُن کے لئے تمام تر
سماجی اور شہری سہولتیں بحال رکھتا ہے اور ان کے اُن عقائد و اعمال اور روایات
کی حفاظت بھی حکومت کی ذمّہ داری قرار دیتا ہے جن کو مسلمان بنیادی طور پر
غلط سمجھتے ہیں۔

اسلام نے مذہبی رواداری کے جو اصول وضع کئے ہیں ان پر سختی سے عمل کیا
گیا ہے۔ ان اصولوں کے مطابق اسلامی حکومت میں غیر مسلم بھی مسلمانوں کی طرح امن و
سلامتی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ ان کو اپنے مذہب پر قائم رہ کر وہی تمام شہری حقوق
حاصل ہیں، جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ ان تمام باتوں کے عوض میں ان سے صرف جزیہ
وصول کیا جاتا تھا۔ اسلام سے پہلے انسان دو قسموں میں تقسیم تھے۔ ایک فاتح اور
دوسرا مفتوح۔ ایک حاکم اور دوسرا محکوم۔ ایک جابر دوسرا مجبور۔ ایک ظالم دوسرا
مظلوم۔ ایک امیر دوسرا غریب۔ اسلام نے بتایا کہ ایک انسان اور دوسرے انسان
میں صرف نیکی اور بدی کا فرق ہے، ورنہ انصاف اور قانون کی نظر میں سب ایک

جیسے ہیں۔

اسلام کی یہ رواداری اور اسلامی نظریۂ حیات کی یہ کشش ہمیشہ بے شمار لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے کا ذریعہ رہی ہے۔ یہ اسلام کی نظریاتی فتح تھی۔ اس فتح سے یورپ اتنا خائف ہوا کہ اُس نے اسلام کو انتہائی طور پر مسخ کر کے اپنے عوام کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا۔ اسلام کا نقشہ کچھ اس انداز سے کھینچا گیا کہ صدیوں تک یورپ کے عوام یہی سمجھتے رہے کہ مسلمان ایک وحشی قوم ہے، یہ پروپیگنڈہ اس بات کی علامت ہے کہ یورپ اسلام کے نظریاتی چیلنج سے کتنا خائف رہا ہے۔

مگر اب رفتہ رفتہ یہ بات ختم ہوتی جا رہی ہے، یورپ کے روشن ضمیر اور انصاف پسند مصنفین میں کارلائل، جان ڈیون پورٹ اور ٹی ڈبلیو آرنلڈ وغیرہ نے بڑے پُرزور انداز میں اسلام کے خلاف بے سروپا الزامات کی تردید کر کے حقائق کو آشکار کر دیا ہے۔

جزیہ سے بوڑھے، بچے، عورتیں، نادار اور غریب، اپاہج، مذہبی پیشوا اور سرکاری جنگی خدمات ادا کرنے والے مستثنیٰ رکھے گئے ہیں۔ مگر زکوٰۃ میں یہ صورت نہیں ہے۔ سرمایہ جس کے پاس بھی ہوگا اس پر زکوٰۃ بہرحال فرض ہو جائے گی۔

اسلام مسلمانوں سے تو "ثوابِ آخرت" اور "امدادِ باہمی" کے نام پر یہ گراں قدر ٹیکس طلب کر سکتا ہے۔ مگر جو لوگ اس کے عقیدے سے اتفاق نہیں رکھتے وہ کیوں کر ایسے بھاری ٹیکسوں کو بخوشی گوارہ کر سکتے ہیں؟۔ اسلام میں اسی نفسیاتی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں پر زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے۔ جو اضافۂ دولت کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہے اور جس میں استثناء ممکن نہیں، اور غیر مسلموں کے لئے جزیہ مخصوص کیا گیا ہے۔ جس کی مقدار بھی متعین ہے اور اس میں اضافہ بھی نہیں ہو سکتا۔

انصاف سے غور کیجئے! کیا تعصب کے یہی معنی ہیں کہ اپنوں پر دوسروں سے زیادہ بار ڈالا جائے؟۔ کیا دنیا کی کوئی قوم اسلام کے ایسے فیاضانہ اور منصفانہ طرزِ عمل

کی مثال پیش کرتی ہے؟۔ انصاف کا تقاضہ تو ممنونِ کرم ہونے کا تھا، نہ کہ شکایت کی فردِ جرم لگانے کا:

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے؟

فلسفۂ تاریخ کی رُو سے کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسا مذہب جو صرف ناروا داری تعصب اور غیروں کی ایذا رسانی پر قائم ہو، وہ چودہ سو سال تک زندہ رہ سکتا ہے؟ مسلمانوں کا اتنی طویل مدت تک باقی رہنا، اقوامِ عالم کی تہذیب کو گوناگوں طور پر متاثر کرنا اور تاریخ پر زبردست اثر ڈالنا، کیا یہ نہیں بتلاتا کہ مسلمان اعلیٰ اخلاقی قدروں، رواداری، محبت اور دوسروں سے اچھے برتاؤ کرنے کے جوہر سے مالامال رہے ہیں ـــــــ تاریخ کسی ایسی قوم کی مثال پیش نہیں کرتی جس نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کے بغیر تاریخ میں ایک عظیم الشان تہذیبی انقلاب برپا کیا ہو اور وہ دنیا کے بڑے حصے پر طویل مدت تک حکمراں بھی رہی ہو۔ [1]

نامۂ مبارک کی دستیابی

اوّل الذکر فرمانِ رسالت کا اصل مخطوطہ ۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء میں ایک فرانسیسی سیاح کو مصر کے ایک قبطی راہب سے ہاتھ آیا تھا، اور اتفاق ہے نامۂ مبارک بنامِ مقوقس کی طرح اس کو بھی ترکی کے سلطان عبدالمجید خاں نے فرانسیسی سیاح کو ایک بڑی قیمت دے کر خرید لیا اور قسطنطنیہ میں دوسرے تبرکاتِ نبویؐ کے ساتھ رکھوا دیا [2] ہے۔ یہ مکتوبِ گرامی ایک نہایت مہین سیاہی مائل بھوری کھال پر لکھا ہوا ہے [3] اس مکتوب

(حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

گرامی کا فوٹو بھی کتاب میں شامل ہے[1]۔

ہلالؒ بن امیہ رئیسِ بحرین کے نام

بحرین کے ایک دوسرے سردار ہلالؒ بن امیہ کے نام بھی ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا پیغام ارسال فرمایا تھا۔ جس میں تحریر تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ کے اوپر سلامتی ہو، میں اُس خدا کی حمد بیان کرتا ہوں جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں!

میں آپ کو خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں خدا کی اطاعت کیجئے! اور اسلام میں داخل ہوجائیے، آپ کے لئے یہی بہترین راستہ ہے اور سلامتی اسی کے لئے ہے جو راہِ راست کی پیروی اختیار کرے[1]۔

محمد رسول اللہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) [1] بلاغ مبین ص ۱۷۶ و ۱۷۷ [2] رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۲۴

[1] منذر اور مقوقس کے نام کے خطوط کا اندازِ تحریر ایک دوسرے سے بڑی حد تک ملتا ہوا ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہ مکتوبِ گرامی بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا ہو۔ یہ نامۂ مبارک مقوقس والے خط کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ اور صاف حالت میں ہے جیسا کہ دونوں کے عکس سے معلوم ہوتا ہے۔

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۷ و رسالتِ نبویہ ص ۱۳۴ بحوالہ مواہب لدنیہ۔

معاہدۂ اکبر بن عبد القیس

بحرین کے ایک اور سردار قبیلہ اکبر بن عبد القیس اپنی قوم کا وفد لے کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! ہمارا راستہ محفوظ نہیں ہے اس لئے ہم بسہولت حاضر نہیں ہو سکتے، اس لئے آپ ہمیں ایسے اُمور کی تعلیم دیں جو حق و باطل کے مابین امتیاز کرنے والے ہوں، تاکہ ہم اپنی قوم تک ان باتوں کو پہنچا دیں۔"

آپ نے ان لوگوں کو خدا کی یکتائی اور اپنی رسالتؐ کے اقرار کے ساتھ نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور مالِ غنیمت میں خمس کی ادائیگی کی تلقین فرمائی اور ابن عبد القیس کو حسب ذیل معاہدہ لکھ کر مرحمت فرمایا:

خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے

محمد رسول اللہؐ کی جانب سے ——— اکبر بن عبد القیس کے نام

۱۔ زمانۂ جاہلیت میں ان لوگوں نے جن فتنوں اور فسادات میں حصّہ لیا ہے اور اُن سے جو گناہ صادر ہوئے اللہ اور اس کا رسولؐ اُن سے بری ہیں ——— لیکن آئندہ ان لوگوں پر اپنے عہد کا پورا کرنا لازمی ہے۔

۲۔ رسد اور غلّے کی فراہمی میں اُن سے کوئی مزاحمت نہیں کی جائیگی اور نہ پھلوں کی تیاری کے وقت انھیں پریشان کیا جائے گا۔

۳۔ بارش کے جمع کئے ہوئے پانی کے استعمال پر انھیں کا حق ہوگا۔

۴۔ علاء بن الحضرمیؓ رسول اللہؐ کی جانب سے ان کی نگرانی پر مامور

رہیں گے۔ اہلِ بحرین پر لازم ہے کہ اُن سے تعاون کریں۔

۵۔ مسلمانوں کے لشکر پر لازم ہوگا کہ ان لوگوں کو مالِ غنیمت میں شریک رکھیں اور ان کے ساتھ عدل و انصاف برتیں، جہاد کے موقع پر اعتدال اور میانہ روی کا خیال رکھا جائے۔

۶۔ فریقین اس معاہدے میں کسی تبدیلی کے مجاز نہ ہوں گے، یہ لوگ نہ کسی معاہدے کو بدلیں گے اور نہ اس سے علیحدگی اختیار کریں گے۔

۷۔ اللہ اور رسولؐ اس معاہدے پر گواہ ہیں۔[1]

محمد رسول اللہ

جیفر اور عبد، شاہِ عُمان کے نام

بحرین کی طرح عمان بھی عرب ہی کا ایک حصّہ ہے۔ یہ مشرقی عرب میں واقع ہے۔ بحرین کی طرح یہ جگہ بھی موتیوں کی پیداوار کے لئے مشہور ہے۔ عمان کے ساحلی مقامات نہایت سرسبز و شاداب ہیں۔ عمان کے پہاڑ معدنیات سے اور اس کے دریا موتیوں سے اور اس کی وادیاں غلّہ، فواکہ، اور خوشبودار لکڑیوں سے مالامال ہیں۔ عمان کی موجودہ آبادی آٹھ لاکھ کے قریب ہے۔ آج کل عمان کا دارالسلطنت مسقط ہے جو خلیج عمان کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۳۔

بعثتِ نبوی ﷺ کے زمانہ میں یہاں جیفر اور عبد[2] دو بھائی حکمراں تھے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بھائیوں کے نام ذیقعدہ سنہ ۸ھ ۶۲۹ء میں نامۂ مبارک ارسال فرمایا۔

اس سفارت کی سعادت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کے حصّے میں آئی۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے عمان پہنچ کر مکتوبِ گرامی پیش کیا، مضمون یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ——— جیفر و عبد کے نام

اس پر سلامتی ہو جس نے راہ راست اختیار کی، بعد ازاں میں آپ دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کیجیے، اسی میں سلامتی ہے! اللہ نے اپنی تمام مخلوق کے لئے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں خدا کے نافرمان بندوں کو خدا سے ڈراؤں اور خدا کا انکار کرنے والوں پر خدا کی حجت پوری ہو جائے۔

میری نبوّت آپ کے ملک میں پہنچنے والی ہے، اگر آپ دونوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ کا ملک بدستور آپ ہی کے پاس رہے گا اور اعراض وانکار کیا تو یہ زائل ہو جانے والی چیز ہے[1]

محمد رسول اللہ

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کا بیان ہے کہ فرمانِ رسالت کو پڑھ کر جیفر و عبد نے قدرے تأمل کے بعد بخوشی اسلام قبول کر لیا اور ان الفاظ کے ساتھ میرے سامنے اپنے اسلام کا اقرار کیا:

---

[1] الوثائق السیاسیہ صفحہ ۶۹ بحوالہ المواہب لدنیہ جلد اول صفحہ ۲۹۴۔

"آپ نے ہمیں ایسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سُنائی ہے جو دوسرے کو حکم دینے سے پہلے خود اس پر عمل کرتے ہیں اور کسی چیز کو منع کرنے سے پہلے خود اُس سے پرہیز کرتے ہیں، اگر وہ غالب ہوتے ہیں تو مغرور نہیں ہوتے اور اگر مغلوب ہوتے ہیں تو اپنے مقصد سے باز نہیں رہتے! وہ عہد کو پورا کرتے ہیں، وعدے کے سچّے ہیں، ہم شہادت دیتے ہیں کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں۔" [1]

حضرت عمرؓو بن عاص فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جیفرؔ نے مجھے اپنے ملک کا وزیر مال مقرر کر دیا۔ میں دولت مندوں سے زکوٰۃ وصول کر کے غریبوں پر تقسیم کر دیتا تھا۔[2]

اُسَیبُخت بن عبداللہ مرزبانِ ہجر کے نام

ہَجَر کسی زمانے میں ایک بڑا اور مشہور شہر تھا۔ جو عرب کے موجودہ صوبہ اَلْحُسَاءْ میں خلیج عرب پر واقع تھا، یہ وہی جگہ ہے جس کی نسبت صحابہؓ کا ابتدائی خیال تھا کہ وہاں ہجرت کی جائے گی، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شرف مدینہ منورہ کی قسمت میں لکھا تھا۔ ہجر ایک زمانے میں بحرین کا پایۂ تخت بھی رہ چکا ہے۔ اس کے آس پاس کئی جزیرے ہیں۔

زمانۂ نبوّت میں ہجر کا سردار اسیبخت (سہ بخت) نامی تھا۔ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی اسلام کا پیغام ارسال فرمایا اور وہ بخوشی حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

اُسَیبُخت (سہ بخت) نے اپنا سفیر بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ تاکہ وہ اس کیلئے

---

[1] بلاغ مبین صہ ۱۸۲۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۱۸۔

حکومت و ملکیت کے حقوق کی سند حاصل کرے سفیر نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرضِ حال کیا آپؐ نے اسیبخت کے نام یہ فرمان لکھوایا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

محمد رسول اللہ کی جانب سے ——— اسیبخت بن عبداللہ مرزبانِ ہجر کے نام

اَقرع ؓ آپ کا خط لے کر آئے اور آپ کی قوم کی سفارش کی۔ میں نے اُن کی سفارش کو منظور کر لیا ہے، میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ آپ نے جو سوال کیا ہے، اور جو کچھ طلب کیا گیا ہے وہ آپ کی مرضی کے مطابق مجھے منظور ہے، لیکن میرے نزدیک مناسب ہے کہ آپ اپنے مطالبات کی تشریح کر دیں۔

اگر آپ یہاں آجائیں تو آپ کا اعزاز کیا جائے گا، اگر آپ یہاں نہ آسکے تب بھی میرے دل میں آپ کی عزت ہے۔

ہر چند کہ میں کسی ہدیہ کا طالب نہیں ہوں، لیکن آپ مجھے ہدیہ بھیجنا چاہتے ہیں تو میں اُسے بخوشی قبول کروں گا۔

میرے کارپردازوں نے آپ کے مرتبے کی رفعت و بلندی کا اظہار کیا ہے، میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نماز، زکوٰۃ، اور مسلمانوں کے تعلق کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔

میں نے آپ کی قوم کا نام بنو عبداللہ تجویز کیا ہے۔ آپ ان لوگوں کو نماز اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور اپنے لئے بشارت حاصل کریں۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ وَعَلٰی قَوْمِکَ الْمُؤْمِنِیْنَ

(آپ کو اور آپ کی قوم کو سلام پہنچے)[1]

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۷ و بلاغ مبین ص ۲۱۳، ۲۱۵۔

بنو عبداللہ کے نام

اُسیبُخت کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبداللہ کے نام ایک علیحدہ نامۂ مبارک ارسال فرمایا جس میں انھیں صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی ہے :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں تم لوگوں کو اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے کی نصیحت کرتا ہوں، اور یہ کہ ہدایت کے بعد گمراہی اختیار نہ کرنا، اور راہِ راست قبول کرنے کے بعد کجی کی جانب مائل نہ ہو جانا۔

میرے پاس تمہارا وفد آیا ہے، میں نے اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے جس سے وفد کے لوگ خوش ہوئے۔

میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ تمہیں ہجر سے نکال دیا جائے، میں نے تمہارے وفد کی سفارش منظور کرلی ہے تم اللہ کی اُس نعمت کو یاد کرو، جو تمہارے اُوپر ہے۔

جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہے وہ مجھے معلوم ہو گیا ہے تم لوگوں میں جو وفادار رہے گا اس پر کسی دوسرے کے غدر کا جرم عائد نہیں کیا جائے گا۔

جب تمہارے پاس میرے قاصد پہنچیں تو تم اللہ کے کاموں میں اُن کی مدد کرنا، تم میں سے جو نیکی کرے گا اس کی نیکی نہ خدا کے یہاں فراموش ہوگی اور نہ میرے یہاں۔

سلامتی اسی کے لئے ہے جو راہِ راست کی پیروی کرے[1]۔

محمد رسول اللہ

نہشل بن مالک سردار بنی وائل کے نام

بنی وائل عرب کے ایک ممتاز قبیلے کا نام ہے۔ فتح مکّہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کے سردار نہشل کے نام بھی اسلام کا پیغام بھیجا تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد عرب کے قبائل گروہ در گروہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے جاتے تھے، ان ہی میں بنی وائل کا قبیلہ بھی تھا۔ جب اس قبیلے کے قبولِ اسلام کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپؐ کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سردارِ قبیلہ کے نام فرمانِ رسالتؐ تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے رسول محمدؐ کی جانب سے ـــــــ نہشل بن مالک اور بنی وائل کے ان لوگوں کے نام جو اسلام قبول کر چکے ہیں:

سب لوگ نماز ادا کرتے رہیں، زکوٰۃ دیتے رہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہیں، اور مالِ غنیمت میں سے اللہ اور رسولؐ کے لئے پانچواں حصّہ نکالتے رہیں، اور اپنے اسلام کا اقرار و اعلان کرتے رہیں اور مشرکین سے علیحدہ رہیں

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۷ و فتوح البلدان جلد اول ص ۷۹، ۸۰۔

ایسے سب لوگ اللہ کی امانت میں مامون و محفوظ ہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انھیں ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے بچانے کے ذمہ دار ہیں۔

ان لوگوں کو نہ جلا وطن کیا جائے گا اور نہ اُن سے پیداوار کا عُشر (دسواں حصّہ) لیا جائے گا۔ ان لوگوں کا حاکم ان ہی میں سے ہوگا۔[1]

محمد رسول اللہ

مُطَرِّف بن کاہن الباہلی کے نام

مذکورہ بالا قبیلے کے سردار مطرف بن کاہن الباہلی کے نام سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ ذیل فرمانِ رسالت تحریر فرمایا جس میں زمین کی آبادکاری اور مویشیوں پر زکوٰۃ کے احکام بتائے گئے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے ——— مُطَرِّف بن کاہن الباہلی کے نام

تمہارے قبیلے میں جو شخص ناقابلِ زراعت زمین کو قابلِ کاشت بنائے گا، وہ زمین اسی کی ہو جائے گی۔

ایسے لوگوں کے ذمّے ہر تیس (۳۰) گائے پر ایک پوری عمر کی گائے اور ہر چالیس (۴۰) بھیڑوں پر ایک سال بھر کی بھیڑ، اور ہر پچاس اونٹوں

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۳ و ۹۴ ۔ بلاغ مبین ص ۲۲۰۔

پر ایک چھ سالہ اونٹ بطور زکوٰۃ واجب ہے۔

زکوٰۃ وصول کرنے والے کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ ان کی چراگاہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مجبور کرے، قبیلے کے سب لوگ خدا کی امان میں ہیں۔[1]

محمد رسول اللہ

رِفاعہ بن زَید جُذامی کے نام

رفاعہ بن زید صلح حدیبیہ کے کچھ عرصے کے بعد دربار رسالت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک نامۂ مبارک عطا فرمایا اور مبلّغ بنا کر ان کے قبیلے میں بھیجا۔

رفاعہ کی تبلیغ و ہدایت سے پورا قبیلہ اسلام لے آیا۔ فرمانِ رسالت ؐ کا مضمون یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے ——— رفاعہ بن زید کے نام

میں رفاعہ کو ان کی اپنی قوم کی طرف بھیج رہا ہوں، یہ اپنی قوم کو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی دعوت پہنچائیں گے۔

جو شخص ان کی دعوت کو تسلیم کرے گا وہ اللہ اور اُس کے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۲، ۴۹۔

رسولؐ کی جماعت میں شمار ہوگا، اور جو انکار کرے، اس کے لئے دو ماہ تک امن ہے۔[1]

محمد رسول اللہ

بنو اسد کے نام

بنو اسد کا قبیلہ فتح مکہ سے پہلے جنگوں میں قریش کا دست و باز و رہتا تھا۔ طلیحہ بن خویلد جس نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے زمانۂ خلافت میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی قبیلے سے تھا۔

۹ھ ۶۳۰ء میں یہ لوگ اسلام لائے اور سفارت بھیجی، لیکن اب تک اُن کے دماغوں میں فخر کا نشہ باقی تھا، سفیر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو احسان کے لہجے میں کہا کہ "آپؐ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہیں بھیجی، بلکہ ہم نے از خود اسلام قبول کیا ہے۔ اس پر سورۂ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی:

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (سورۂ حجرات آیت ۱۷)

اے پیغمبرؐ! یہ لوگ اسلام قبول کرنے میں آپ پر احسان جتاتے ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھ پر خواہ مخواہ اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو، اگر تم اپنے

---

[1] رسالاتِ نبویہ ص ۱۵۰، ۱۵۱ بحوالہ المصباح المضئی۔

قول میں سچے ہو تو تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی ہدایت سے سرفراز کیا ہے۔[1]

مکتوب گرامی کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو آسد کی یہ خواہش تھی کہ انھیں قبیلہ طے کی سرزمین کو استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔ مگر آپ نے اُسے مسترد فرما دیا۔ نامۂ مبارک کا مضمون یہ ہے:

منجانب محمد النبیؐ ——————— بنام بنو آسد

سلامٌ علیکم میں تمہارے سامنے اسی اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

بعد ازاں تم لوگوں کو قبیلہ طے کے کنوؤں اور اُن کی زمین پر مالکانہ قبضے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، تمہارے لئے اُن کے کنویں حلال نہیں ہیں، نیز ان کی سرزمین میں کوئی شخص ان کی اجازت کے بغیر ہرگز داخل نہ ہوگا۔

جو شخص میری نافرمانی کرے گا میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

قضاعی بن عمروؓ کو جو ان کے عامل ہیں اس کا انتظام کرنا چاہیئے۔[2]

محمد رسول اللہ

---

[1] سیرت النبیؐ جلد ۲ ص ۵۰۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۳۔

اُکَیدِرَ والیٔ دُومَۃُ الجَندَل کے نام

دومۃ الجندل، شام اور مدینہ منورہ کے درمیان عرب کے شمال میں واقع ہے۔ یہ ایک بڑا کاروانی جنکشن تھا، عرب کے تجارتی قافلے اسی راستے سے شام جاتے تھے۔ یہاں عرب کا ایک قبیلہ بنو کنانہ آباد تھا[1]۔ بنو کنانہ اگرچہ نسلاً عرب تھے مگر رومی سلطنت کے اثر سے انھوں نے عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ دومۃ الجندل کا موجودہ نام جوف ہے۔

اکیدر رومی یہاں قیصر روم کی جانب سے حکومت کرتا تھا۔ اکیدر نے جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کو دیکھا تو برضا و رغبت ایمان لے آیا، آپؐ نے اکیدر کو مندرجہ ذیل فرمانِ رسالت عطا فرمایا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہؐ کی جانب سے ———— اکیدر اور اہلِ دومہ کے لئے

جب کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں اور اصنام پرستی کو ترک کر دیا ہے۔

دومہ کے تالابوں کی زمین، غیر مزروعہ آراضی، غیر مملوکہ اور نزول کی زمینیں، اسلحہ اور قلعے ہمارے لئے ہوں گے۔

اور دریا، چشمے، مزروعہ آراضی، درخت اور گھاس وغیرہ یہ سب اہلِ دومہ کی ملکیت ہوں گے۔

چراگاہوں میں چرنے والے جانوروں کے علاوہ کسی جانور

---

[1] معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۰۷۔

پر زکوٰۃ نہ لی جائے گی، اور حساب سے الگ کسی جانور کو زکوٰۃ میں شامل نہ کیا جائے گا۔

نماز کو وقت پر پڑھنا ہو گا، اور زکوٰۃ کو سچائی سے ادا کرنا ہو گا۔

تم سب لوگوں پر اس عہد و پیمان کی پابندی لازمی ہو گی۔ اگر تم عہد کے پابند رہو گے تو ہماری طرف سے بھی صدق و وفا کی ضمانت ہے، جس کے لئے اللہ اور تمام موجودہ مسلمان گواہ ہیں۔[1]

محمد رسول اللہ

سردارانِ عقبہ کے نام

عقبہ خلیج عقبہ کی اہم بندرگاہ ہے۔ یہ بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کا قدیم نام ایلہ ہے۔ یہ رومی (بیزنطینی) سلطنت کے ماتحت تھا۔ زمانۂ نبوت میں یہاں کے حاکم کا نام یوحنا تھا، جو ایک بڑا پادری بھی تھا۔

اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے یہ مقام بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ تین ہزار سال قبل ایلہ ایک اہم بین الاقوامی تجارتی مرکز تھا۔ حجاز سے فلسطین جانے والے تجارتی قافلہ یہیں سے گزرتے تھے۔ یہاں سے بحر احمر کے ساحلی شہروں تک مالِ تجارت بادبانی کشتیوں کے ذریعہ لے جایا جاتا تھا۔ دور دراز مقامات سے تاجروں کے قافلے یہاں

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۶ و فتوح البلدان جلد اول ص ۶۱ و بلاغ مبین ص ۱۸۹، ۱۹۰۔

آتے اور جہازوں کے ذریعہ بحرِ احمر سے ہوتے ہوئے افریقہ اور مشرقی ممالک تک جاتے تھے ــــــــــــــ ایلہ پر ایک زمانے میں مقامی عرب قبیلوں کا تسلط قائم ہو گیا تھا۔ اور رومیوں کے اثر سے انھوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ جس زمانے میں اسلام کی دعوت قبیلہ در قبیلہ پھیلتی جا رہی تھی، رومی سرحدوں پر بسنے والے عرب نژاد قبیلوں میں رومیوں کے اقتدار کے خلاف سخت بے چینی پیدا ہو چکی تھی۔ رومی، عرب قبیلوں سے ہم مذہب ہونے کے باوجود حاکمانہ برتاؤ کرتے تھے، ان حالات میں رومیوں کے جبر و ظلم سے تنگ آ کر عرب قبیلوں میں خود مختاری کا احساس تیز ہوتا جا رہا تھا، مگر ان کو ایک مرکز پر جمع کر دینے والی قیادت موجود نہیں تھی۔ اسلام نے اس خلا کو پورا کر دیا۔ یوحنا مذہبی تعصب کی وجہ سے مصالحت کے لئے تیار نہیں تھا، مگر جب اس نے دیکھا کہ قیصر مسلمانوں کے مقابلہ سے کترا کر حمص کی طرف ہٹ گیا ہے تو اُس کا حوصلہ پست ہو گیا۔ اور وہ اسلام کے سایۂ عاطفت میں داخل ہو گیا۔

سنہ ۹ھ / ۶۳۰ء میں معلوم ہوا کہ قیصرِ روم عظیم لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے، تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ خود پیش قدمی کر کے مدینہ کے بجائے دشمن ہی کے ملک کو میدانِ جنگ بنایا جائے۔ اس اقدام کا نتیجہ یہ نکلا کہ رومی فوجیں آپؐ کی پیش قدمی اور آپؐ کے صحابۂ کرام رضؓ کی فداکارانہ زندگی اور مجاہدانہ عزم و استقلال سے متاثر ہو کر بغیر جنگ کئے منتشر ہو گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ تیرہ دن تبوک کے مقام پر قیام فرما کر دشمن کا انتظار کیا اور واپسی میں تبلیغی اور سیاسی حیثیت سے عقبہ کے عمائدِ قوم کو اسلام کی دعوت کے لئے حسبِ ذیل مکتوبِ گرامی ارسال فرمایا:

اس اثنا میں اطراف کی قبائلی ریاستوں کے حاکموں نے امان و اطاعت کے اقرار نامے بھیجے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کے معاہدے کئے۔

حاکم ایلہ یُوحنّا نے بھی اپنے نمائندوں کو روانہ کیا اور پھر بذاتِ خود بارگاہ رسالتؐ میں حاضری دی۔

مکتوب گرامی یہ ہے :۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ کی جانب سے ______________ اہل عقبہ کے نام

تم پر سلامتی ہو! میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جو یکتا ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں !۔

میں اس وقت تک تمہارے ساتھ کسی قسم کی جنگ کا ارادہ نہیں رکھتا، جب تک تمہارے پاس میری تحریری حجت نہ پہنچ جائے۔ تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ یا اسلام لے آؤ یا جزیہ دینا منظور کرو اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور اس کے قاصدوں کی فرمانبرداری قبول کرلو۔ میرے قاصد واجب الاحترام ہیں، ان کے ساتھ عزت سے پیش آؤ، جن باتوں سے میرے قاصد خوش ہوں گے میں بھی ان سے خوش ہوں گا۔

ان لوگوں کو جزیہ کے احکام بتا دیئے گئے ہیں، اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں امن و سلامتی رہے تو اللہ اور اُس کے پیغمبر کی اطاعت اختیار کرو۔ اس کے بعد عرب و عجم میں تمہیں کوئی آنکھ اُٹھاکر نہ دیکھ سکے گا۔ البتہ اللہ اور اُس کے پیغمبر کا حق کسی وقت بھی معاف نہیں ہوتا۔

اگر تم لوگوں نے ان باتوں کو نہ مانا اور رَد کر دیا تو مجھے تمہارے تحفے تحائف کی کوئی ضرورت نہیں ہے، پھر مجھے

(قیامِ امن و امان کے لئے) جنگ کرنی پڑے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بڑے جنگ میں مارے جائیں گے اور چھوٹے گرفتار ہوں گے۔

میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں خدا کا سچا پیغمبر ہوں، میں اللہ پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ مسیح ابن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔

حرملہؓ میرے پاس تین وسق (تقریباً ۶ کوئنٹل) جو لے کر آئے تھے اور تمہاری سفارش کرتے تھے، اگر خدا کے حکم کی تعمیل اور تمہارے متعلق حرملہؓ کی نیک گمانی کا پاس نہ ہوتا تو مجھے اس خط وکتابت کی ضرورت نہ ہوتی اور اس کے بجائے جنگ کا میدان گرم ہوتا، اگر تم نے میرے قاصدوں کی اطاعت کی تو اسی وقت سے تمہیں میری اور ہر اُس شخص کی حمایت اور مدد حاصل ہو جائے گی جو مجھ سے وابستہ ہے۔

میرے قاصد شرجبیلؓ، اُبَیؓ، حرملہؓ، اور حریثؓ ہیں، یہ جو فیصلہ تم لوگوں کے بارے میں کریں گے مجھے اس سے اتفاق ہوگا۔

تم لوگ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے ذمّے اور پناہ میں ہو۔ مقنا کے یہودیوں کو ان کے ملک میں جانے کے لئے زادِ راہ مہیّا کر دو[1]۔

---

[1] مقنا کے عیسائیوں اور یہودیوں میں عرصہ سے لڑائی چلی آتی تھی، یہودی مغلوب ہو چکے تھے، اہلِ عقبہ سے معاہدہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہودیوں کو ان کے وطن سے محروم نہ کیا جائے۔

اگر تم لوگ اطاعت اختیار کرو تو تم پر سلام ہے[1]

محمد رسول اللہ

یوحنا نامۂ مبارک کے جواب میں خود خدمتِ اقدس ؐ میں حاضر ہوا اور قبولِ جزیہ کے ساتھ اسلام کی امان میں داخل ہو گیا۔[2]

یُوحنّا کے لئے فرمانِ امن

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل فرمان یوحنا کو عطا فرمایا:

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ط

اللہ اور محمد رسول اللہؐ کی جانب سے یہ امن نامہ یوحنا، اہلِ ایلہ ان کے علماء، اُن کی کشتیوں اور قافلوں کے لئے ہے، جو بحر و بر میں ہیں، وہ اہلِ شام و اہلِ یمن و اہلِ بحر جو ان کے ساتھ ہیں وہ بھی اس امان میں شامل ہیں۔ ان سب کے لئے اللہ اور محمد رسول اللہؐ کی ذمہ داری ہے! لیکن جو اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا اس کی حفاظت کی ذمہ داری نہ ہوگی۔

جن کنوؤں پر یہ لوگ قیام کریں گے، ان کنوؤں کا پانی کسی

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۹، ۲۷۔ [2] رسالاتِ نبویہ ص ۳۱۷۔

کے لیئے بھی بند نہ کریں گے اور نہ بری و بحری راستوں کو روکنے کے مجاز ہوں گے۔[1]

محمد رسول اللہ

اہلِ مقنا کے نام

مقنا بھی خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ یہ یہودیوں کی آبادی تھی۔ اہلِ مقنا کے قاصد نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر اپنی اطاعت گزاری کا یقین دلایا اور فرمانِ امن طلب کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ ؐ کی طرف سے ——— بنی جنبہ اور اہلِ مقنا کے نام :-

تم پر سلامتی ہو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ اپنے دیہات کو واپس جا رہے ہو، میری یہ تحریر جس وقت تمہارے پاس پہنچے تو تم لوگوں کو امن ہے! میں نے تمہارے تمام جرائم معاف کر دیئے ہیں، تمہارے اوپر کوئی زیادتی نہ کرنے پائے گا۔ تمہارے لیئے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی ذمہ داری ہے۔ ہم جس طرح اپنی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح تمہاری بھی حفاظت کی جائے گی۔

تم لوگوں پر کھجور کے باغوں کی پیداوار، بحری شکار اور کاتے ہوئے سوت کے چوتھائی حصے کی ادائیگی واجب ہے، اس ادائیگی کے بعد تم ہر قسم کے جزیے اور بے گار سے مستثنیٰ ہو گے۔

اگر تم وفادار رہو گے تو ہمارے ذمے لازم ہو گا کہ تمہارے ذی مرتبت لوگوں کی عزت کریں اور تمہارے تمام پچھلے قصور معاف

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۳۷

کر دیئے جائیں!۔

فرمانِ رسالتؐ کے آخر میں مسلمانوں کے لئے یہ ہدایت تحریر فرمائی گئی کہ:

جو شخص اہلِ مقنا کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے گا تو یہ اس کے لئے بہتر ہوگا، اور جو اُن کے ساتھ بُرائی کرے گا تو اس کے لئے بھی بُرا ہوگا۔

تم لوگوں پر یا تو تمہیں میں سے حاکم مقرر کیا جائے گا یا میرے متعلقین میں سے ہوگا۔ [1] والسلام

محمد رسول اللہ

اہلِ اَذرُح کے نام

مُقدِسی لکھتا ہے کہ اَذرح، حجاز و شام کی سرحد پر واقع ہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھال پر لکھا ہوا ایک معاہدہ محفوظ ہے۔ جو آپؐ نے اس بستی کے لوگوں سے کیا تھا۔ [2]

اَذرُح سے چند میل کے فاصلے پر موتہ واقع ہے۔ جہاں ۸ھ ۶۲۹ء میں مسلمانوں اور رومیوں کی پہلی جنگ ہوئی تھی۔ موتہ میں حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کے مزارات ہیں۔ تفصیل کے لئے سیرتِ نبویؐ کی کتابوں

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ ۲۸ و فتوح البلدان جلد اوّل صہ ۶۰۔
[2] مقدسی صہ ۱۷۸، بحوالہ بلادِ فلسطین و شام صہ ۲۷۔

سے مراجعت کی جائے۔

عقبہ کے پادری، یوحنا کے ساتھ شام کے مختلف مقامات جَربا اور اَذرح وغیرہ کے عیسائی اور یہودی وفد بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب لوگوں سے مصالحت فرمائی۔

اہلِ اذرح کو جو فرمانِ رسالت عطا فرمایا، اس میں تحریر تھا:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد النبیؐ کی جانب سے ———————— اہلِ اذرح کے نام

یہ لوگ اللہ اور محمد النبیؐ کی امان اور پناہ میں ہیں ان پر ہر رجب کے مہینے میں سو دینار واجب الادا ہوں گے، مومنین کے ساتھ خیر خواہی اور احسان کرنے سے اللہ اُن لوگوں کا کفیل ہوگا۔

یہ لوگ اُس وقت تک ہر قسم کی امان میں ہیں جب تک محمدؐ ان کو مطلع نہ کر دیں [1]۔

محمد رسول اللہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۷، جَربا وغیرہ کے دوسرے لوگوں کے لئے جو فرمان لکھے گئے ہیں، طبقات ابن سعد میں ان کی تفصیل موجود ہے' ان میں بھی یہی مضمون درج ہے۔

مُعاہدۂ بنی غادیا و بنی عُریض

بنی غادیا کے یہود سے حسبِ ذیل معاہدہ عمل میں آیا :-

خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے

محمد رسول اللہ کی جانب سے ———————— یہود بنی غادیا کے نام

۱- بنی غادیا کے یہود کی ذمہ داری لی جاتی ہے۔

۲- ان لوگوں پر جزیہ مقرر کر دیا گیا ہے۔

۳- یہ لوگ پیغمبرؐ کے ساتھ کسی طرح کی سرکشی نہ کریں گے۔

۴- ان لوگوں کو ان کے گھروں سے جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

۵- اس معاہدے کو کوئی چیز توڑ نہیں سکے گی۔[1]

محمد رسول اللہ

یہود بنی عُرَیض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاہدہ کے ذریعہ اطمینان دلایا کہ اُن کی حفاظت کی جائے گی اور غلّہ اور کھجوروں سے ان کی مدد کی جائے گی۔ ان کو یہ معاہدہ لکھ کر دیا گیا :

خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے

محمد رسول اللہ کی جانب سے ———————— یہود بنی عریض کے نام

محمد رسول اللہ کی طرف سے یہود بنی عُریض کو غلّے کی کٹائی کے وقت دس وسق گیہوں اور اسی قدر جَو اور پچاس وسق کھجوریں ہر سال

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۹۔

اپنے وقت پر دی جاتی رہیں گی۔ ان لوگوں پر کوئی ظلم نہ ہونے پائے گا۔ بقلم خالد بن سعید[1]

محمد رسول اللہ

تمیم الداری رضی اللہ عنہ کے نام

تمیم الداری فلسطین کے ایک عیسائی راہب تھے۔ ۹ھ ۶۳۰ء میں اپنے قبیلے دار کے ساتھ حاضرِ خدمت ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ علمی اور دینی لحاظ سے شام و فلسطین کے لوگوں پر اُن کا بڑا اثر تھا۔ یہ بارگاہِ نبوّت میں اس وقت حاضر ہوئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ انھوں نے یہ بشارت سنائی کہ عنقریب شام و فلسطین وغیرہ اسلام کے نور سے روشن ہو جائیں گے۔

تمیم الداری رضی اللہ عنہ کا آبائی مذہب عیسائیت تھا۔ یہ اُن خوش نصیب لوگوں میں ہیں جو ہجرت سے قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو اسلام کی صداقت اور بسرعت اشاعت پذیر ہونے کا اس قدر پختہ یقین تھا کہ انھوں نے اس زمانے میں جب کہ مکہ مکرمہ میں حلقہ بگوشانِ اسلام کے لئے زمین انتہائی تنگ ہو چکی تھی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ اُن کو شام کے علاقے میں بیتِ حَبْرُون اور بیتِ عینون وغیرہ کا وثیقہ لکھ دیا جائے تاکہ جب آپؐ ارضِ شام کے مالک ہو جائیں تو یہ گاؤں مجھے دیدیئے جائیں، آپؐ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی تھی۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صر ۲۹۔

غزوۂ تبوک سے واپسی پر تمیم الدّاری رضؓ نے دوبارہ حاضر ہو کر سابقہ وثیقہ کی تجدید کے لئے عرض کیا۔ آپؐ نے مندرجہ ذیل فرمان ان کو مرحمت فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہؐ نے تمیم الدّاریؓ اور اُن کے ساتھیوں کو
بیتِ حبرون، بیت عینون، المرطوم اور بیتِ ابراہیم عطا کر دیئے
ہیں۔ ان میں جو کچھ ہے وہ سب ان کا ہوگا۔
ان کے بعد ان کی اولاد اس کی مالک ہوگی۔
جو شخص ان کو اس ملکیت سے محروم کرنے کی کوشش
کرے اس پر اللہ اور فرشتوں کی لعنت ہو۔[1]

محمد رسول اللہ

تمیم داری رضؓ کے نام اس مقدس دستاویز کی ابن فضل اللہ العمری مصنّف مسالک الابصار نے ۷۴۵ھ / ۱۳۴۴ء میں زیارت کی تھی، جس میں تمیم داریؓ کو مندرجہ بالا علاقہ دیا جانا مرقوم تھا۔[2]

خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو اس فرمانِ رسالتؐ کی تنفیذ کا اس قدر خیال تھا کہ جب اُن کے عہدِ خلافت میں شام کا ملک فتح ہوا تو انھوں نے شام کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ رضؓ کو تحریر فرمایا کہ:

" تمام مسلمانوں کو سخت ممانعت کر دی جائے کہ وہ تمیم الدّاری رضؓ
اور ان کے خاندان سے کوئی تعرض نہ کریں۔ اگر کسی وجہ سے وہ

---

1. طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۷۵ و رسالاتِ نبویہ صہ ۱۲۴، ۱۲۶۔
2. تاریخ ابن عساکر جلد اول صہ ۶۹ و اصابہ جلد اول صہ ۱۸۴۔

لوگ ترکِ وطن کر گئے ہوں اور واپس آنا چاہیں تو اُن کی واپسی میں سہولت دی جائے۔

یہ علاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کے لئے مخصوص فرما دیا تھا، پس وہی اُس کے مستحق اور مالک ہیں [1]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۵ و رسالاتِ نبویہ ص ۱۲۷۔

تمیم الداری رضی اللہ عنہ کا یہ علاقہ جس میں حبرون وغیرہ واقع ہیں بیت المقدس سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ ایک گاؤں تھا جہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام مدفون ہیں۔ حبرون اب الخلیل کے نام سے موسوم ہے۔

مقدسی نے جو چوتھی صدی ہجری کا ایک نامور سیاح ہے اور بیت المقدس کا رہنے والا تھا، اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ حبرون میں ایک مسافر خانہ بنا ہوا ہے اس کے لنگر خانے میں باورچی اور خدام مقرر ہیں جو زائرین کو کھانا پیش کرتے ہیں۔ لنگر خانے کے مصارف جن اوقاف سے پورے کئے جاتے ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تمیم الداری رضی اللہ عنہ کا وقف بھی شامل ہے۔

مقدسی کا بیان ہے کہ اسلامی دنیا میں ایسا اچھا انتظام کسی دوسرے مسافر خانے کا میں نے نہیں دیکھا، جو لوگ سفر کر کے یہاں آتے ہیں انہیں بہت اچھا کھانا مل جاتا ہے۔

(بلادِ فلسطین و شام مصنفہ جی۔ بی اسٹرینج، مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ص ۳۸۷، ۳۷۹، ۳۸۸)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ نے یہ علاقہ بیتِ ابراہیم کے زائرین کے خورونوش کے لئے وقف کر دیا ہوگا۔

مُعاہدۂ نجرانؔ

نجرانؔ یمن کے ایک وسیع ضلع کا نام ہے۔ یہ یمن کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہاں قبیلۂ ہمدانؔ کے عیسائی عرب آباد تھے۔ نجرانؔ میں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان گرجا تھا، جسے وہ کعبہ کہتے تھے، اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے۔ یہاں عیسائیوں کے بڑے بڑے پیشوا رہتے تھے۔ نجرانؔ جزیرۃ العرب میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ایک حمیری بادشاہ نے ان لوگوں پر یہودیت اختیار کرنے کے لئے بہت دباؤ ڈالا، اور بڑے بڑے مظالم کئے۔ انھیں مظالم کے سلسلے کا وہ واقعہ بھی ہے جس کا ذکر سورۂ بروج میں آیا ہے۔

قرب و جوار میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہم سر نہ تھا۔ جو شخص اس کی حدود میں آجاتا تھا وہ مامون ہو جاتا تھا۔ اس گرجا کی متعلقہ جائداد کی آمدنی دو لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔

اہلِ نجرانؔ کے پاس جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتِ اسلام کا مکتوب گرامی پہنچا تو انھوں نے طے کیا کہ ایک وفد بارگاہِ اقدس میں بھیجا جائے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر وفدِ نجران کئی روز تک ٹھہرا رہا، اور حالات کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت گفتگو کی کہ "اگر آپؐ کے فرمانے کے مطابق مسیحؑ خدا کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر اُن کا باپ کون ہے؟"۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان آیات کا نزول ہوا :-

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ

مِنَ الْمُمْتَرِينَ ○ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ○ (آلِ عمران رکوع ۶)

"اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدم کی سی ہے! آدمؑ کو مٹی سے بنایا پھر ان کو حکم دیا کہ ہو جاؤ، بس وہ ہو گئے۔

(اے پیغمبر!) یہ امر واقعی آپ کے پروردگار کی طرف سے بتلایا گیا ہے، اس لئے آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جیئے۔ پھر جو شخص اس علم قطعی کے بعد بھی عیسیٰ کے بارے میں حجت کرے تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ اس طور پر فیصلہ کریں کہ دونوں فریق اپنے اپنے اہل وعیال کو بلالیں اور خود بھی شریک ہوں، پھر دل سے دعا کریں اور اُن پر خدا کی لعنت بھیجیں جو اس بحث میں ناحق پر ہوں۔"

ان آیتوں کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کو اپنے پاس طلب فرما کر وفدِ نجران سے فرمایا کہ :-

"آؤ! ہم تم اپنے اہل وعیال کو لے کر خدا سے دعا کریں
کہ جو فریق جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو۔"

وفد کے ارکان مباہلے کی دعوت سے گھبرا گئے۔ ایک شخص نے رائے دی کہ "مباہلہ نہیں کرنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ واقعی پیغمبر ہوں اور ہم لوگ مباہلے کے بعد ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیں، اس لئے مناسب یہی ہے کہ خراج دے کر معاہدہ کر لیا جائے[1]"
وفد نے جب خراج کی ادائیگی پر رضامندی ظاہر کی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ کتاب المغازی۔

نے معاہدہ تحریر کئے جانے کا حکم دیا، معاہدہ یہ ہے :۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ معاہدہ ـــــــــ اہلِ نجرآن کے لئے ہے

۱۔ اگرچہ محمد النبیؐ کو ان کی پیداوار، سونے، چاندی، اسلحہ اور غلاموں میں سے حصہ لینے کی قدرت حاصل تھی مگر اُس نے ان لوگوں کے ساتھ فیاضی برتی اور یہ سب کچھ چھوڑ کر ان پر ایک ایک اوقیہ کے دو ہزار حُلّے[1] سالانہ مقرر کئے، ایک ہزار رجب کے مہینے میں اور ایک ہزار صفر کے مہینے میں۔

۲۔ ہر حلّہ ایک اُوقیہ کا ہوگا اور جو اس سے کم یا زیادہ کا ہوگا وہ قیمت کے لحاظ سے محسوب کر لیا جائے گا۔

۳۔ اگر حلّوں کے بدلے میں زرہیں یا گھوڑوں یا سواری کے اونٹوں کی قسم سے کچھ ادا کریں گے تو قیمت کے حساب سے اُس کو بھی قبول کر لیا جائے گا۔

۴۔ اہلِ نجرآن پر میرے کارندوں کے ٹھیرانے کا انتظام لازم ہوگا، مگر انھیں ایک مہینے کے اندر اندر محاصل ادا کر دینے ہوں گے، اس سے زیادہ ان کو روکا نہ جائے گا۔

۵۔ اگر یمن میں بغاوت کی وجہ سے ہمیں جنگ کرنی پڑی تو اہلِ نجرآن کو ۳۰ زرہیں، ۲۰ گھوڑے اور ۳۰، اونٹ عاریتہً دینے ہوں گے، اُن میں سے جو جانور ضائع ہو جائیں گے، اہلِ نجرآن کو ان کا بدل

---

[1] حُلّہ، عربی لباس کی ایک قسم کو کہتے ہیں جس سے سارا بدن ڈھپ جاتا ہے اور یہ بالعموم دو چادروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

دیا جائے گا۔

۶۔ نجرآن اور اُس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، اُن کی زمین، اُن کی جائدادیں، اُن کے جانور، ان کے حاضر و غائب، اُن کے قاصد اور اُن کی عبادت گاہیں اللہ کی پناہ اور اللہ کے رسول کی حفاظت میں ہیں۔ اُن کی موجودہ حالت میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ نہ اُن کے حقوق میں کسی قسم کی دست اندازی ہوگی، اور نہ اُن کے اصنام مسخ کئے جائیں گے، کوئی اُسقُف، کوئی راہب اور کوئی واقہ[1] اپنے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا، غرض کہ جو جس حالت میں ہوگا، اُس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ اہلِ نجرآن سے کسی سابقہ جرم یا خون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ نہ فوجی خدمت کے لئے اُن کو مجبور کیا جائے گا، نہ ان پر کوئی عُشر قائم کیا جائے گا، اور نہ کوئی لشکر اُن کے علاقے میں داخل ہو سکے گا۔

۸۔ اگر اہلِ نجرآن سے کوئی اپنا حق طلب کرے گا تو مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان انصاف کیا جائے گا، نہ اُن پر ظلم ہونے دیا جائیگا اور نہ انھیں کسی دوسرے پر ظلم کرنے دیا جائے گا۔

۹۔ اہلِ نجرآن میں سے اس معاہدے کے بعد جو سُود کھائے گا وہ میری ضمانت سے خارج ہے۔

۱۰۔ اہلِ نجرآن میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ

---

[1] یہ سب اہلِ نجران کے مذہبی عہدے تھے (الفائق جلد ۲ ص ۶۲۳)

نہیں ہوگا۔

۱۱۔ اس معاہدے میں جو کچھ تحریر ہے اس کے لئے اللہ اور محمد النبیؐ کی ضمانت ہے، حتیٰ کہ اس بارے میں کوئی حکم الٰہی ہو، اور جب تک اہل نجراؔن وفادار رہیں گے اور ان شرائط کے پابند رہیں گے جو اُن سے کی گئی ہیں، اِلّا یہ کہ کوئی ظلم سے کسی بات پر انھیں مجبور کردے۔

محمد رسول اللہؐ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ مباہلہ نے وفدِ نجران کے دلوں میں آپؐ کی صداقت پہلے ہی جاگزیں کردی تھی، اور اسی لئے انھوں نے مباہلہ سے گُریز کیا تھا۔ جب یہ لوگ معاہدے کی دستاویز لے کر وطن لوٹے تو اُن میں کچھ لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوکر مدینہ منورہ حاضر ہوگئے۔

رئیسِ ہمدان کے نام

ہمداؔن، یمن کا سب سے بڑا، کثیر التعداد اور صاحبِ اثر خاندان تھا۔ اس قبیلے کے ایک شخص قیس بن مالک نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا۔ آپؐ نے اُن کو اسلام کی دعوت پہنچانے کے لئے اُن کے قبیلے میں بھیجا۔

قیسؓ کی تبلیغ سے پورا قبیلہ اسلام لے آیا۔ قیسؓ یہ خوش خبری لے کر بارگاہِ اقدسؐ میں حاضر ہوئے، آپؐ نے سُن کر فرمایا کہ:

ؔلہ فتوح البلدان بلاذری جلد اول صر۶۴، ۶۵ وطبقات ابن سعد جلد ۳ صر۲۱، ۳۶، ۸۵۔

"ہمدان کیسا اچھا قبیلہ ہے، وہ مدد کے لیئے سبقت کرنیوالا، اور مصیبت کے موقع پر صبر کرنے والا ہے، ان ہی لوگوں میں سے اسلام کے رؤسا اور ابدال پیدا ہوں گے"۔

آپؐ نے رئیسِ قبیلہ عمیر ذی مران رضؓ کے نام حسبِ ذیل فرمان رسالتؐ ارسال فرمایا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے ——————— عمیر ذی مران رضؓ کے نام

السلام علیکم! میں اُس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

بعد ازاں مجھے روم سے واپسی کے بعد آپ کے قبیلے کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع ملی، اہلِ ہمدان کو بشارت ہو کہ اللہ نے اُن کو اپنی ہدایت سے سرفرازی بخشی، آپ لوگوں کو اپنے اسلام کا اور اس بات کا اعلان کر دینا چاہیئے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد اللہ کے رسولؐ ہیں!۔ جو لوگ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں گے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ذمہ داری میں ہیں، کسی شخص پر کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی جائے گی اور جو جس چیز کا مالک ہے وہی اس کا مالک رہے گا۔

اہلِ بیتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے، مالک بن مرارہ رُہاوی رضؓ نے آپ لوگوں کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ میں آپ لوگوں کو اُن سے حسنِ سلوک کی تاکید کرتا ہوں، وہ اپنی جماعت کے بہترین لوگوں میں ہیں۔[1]

محمد رسول اللہ

(حاشیہ مر آئندہ پر)

جانشینِ اصحمہ نجاشی کے نام

۹ھ / ۶۳۰ء میں جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو وحیِ الٰہی کے ذریعہ آپؐ کو اطلاع ملی کہ اصحمہ نجاشیؓ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپؐ نے اصحمہؓ کے جانشین کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے نامۂ مبارک ارسال فرمایا، جس میں مرقوم تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہؐ کی جانب سے ——————— نجاشی شاہ حبش کے نام

اس پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔ وہ بیوی اور اولاد سے پاک ہے، اور اس کا اقرار کرتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں۔

میں آپ کو خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، اگر سلامتی منظور ہے تو اسلام قبول کیجئے!۔

اے اہلِ کتاب[1]! اختلاف و نزاع کی ساری باتیں نظر انداز کر کے ایک ایسی بات پر متفق ہو جاؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان

(بقیہ صہ گذشتہ) [2] طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ ۲۷، ۲۸، و رسالات نبویہ صہ ۲۰۲ بحوالہ ابن اثیر۔

[1] یہاں سے آخر تک نامۂ مبارک میں سورۂ آلِ عمران کی ایک آیت نقل کی گئی ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو مخاطب کیا ہے۔

یکساں طور پر مسلّم ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رَبّ بنائیں! اگر وہ اس سے اعراض کریں تو ان سے کہہ دو کہ "تم گواہ رہنا کہ ہم خدا کے ماننے والے ہیں"۔

اگر آپ نے میری ان باتوں کو نہ مانا تو آپ کی عیسائی قوم کی گمراہی کی ذمّہ داری آپ کے اوپر ہوگی۔[1]

محمد رسول اللہ

نجاشی نے مکتوبِ گرامی کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اسلام قبول کیا۔

مُعَاہدۂ ثقیفؔ (طائفؔ)

طائف، قریش کے دولت مندوں کا گرمائی مستقر تھا۔ یہ مکّہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں عرب کے مشہور پہاڑ جبل السّرات پر واقع ہے۔ سطحِ سمندر سے اس کی بلندی پانچ ہزار فٹ ہے۔ یہ ٹھنڈا اور نہایت سرسبز و شاداب مقام ہے اور اپنی زرخیزی و خوبصورتی اور باغات کی کثرت کی وجہ سے عرب بھر میں مشہور ہے۔ خصوصاً مکہ مکرمہ کے لئے تازہ پھل اور سبزیاں یہیں سے مہیّا کی جاتی ہیں۔ طائف کا شمار آج کل حجاز کے تمدّنِ جدید سے آراستہ پیراستہ بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ یہ نہایت خوبصورت اور پُر رونق

---

[1] رسالاتِ نبویہ ص ۲۹۱، وبلاغ مبین ص ۱۸۷، ۱۸۸۔

تجارتی شہر ہے۔

قرآن مجید میں عرب کے جن مشہور بتوں کا ذکر ہے ان میں دو بُت "لاتؔ اور عزّیٰ" کے نام سے موسوم تھے۔ یہ طائف ہی میں تھے اور عرب کے بڑے بُتوں میں شمار ہوتے تھے[1]۔

ہجرت سے کچھ عرصہ قبل ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قریشِ مکّہ سے مایوس ہو کر اسلام کی تبلیغ کے لئے طائفؔ تشریف لے گئے۔ مگر اہلِ طائف قریشِ مکّہ سے بھی زیادہ سفّاک اور سنگ دل ثابت ہوئے۔ طائفؔ میں بڑے بڑے دولت منداور صاحبِ اثر رہتے تھے۔ ان میں عمیرؔ کا خاندان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ یہ تین بھائی تھے عبدؔ یالیل، مسعود اور حبیب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جو جواب دیے وہ نہایت متکبرانہ تھے۔ ایک نے کہا:

"کیا خدا نے تجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ تجھے تو سواری کا جانور بھی میسّر نہیں"۔

دوسرا بولا "کیا خدا کو تیرے سوا نبوّت کے لئے اور کوئی نہیں ملتا تھا"۔

تیسرے نے کہا "میں بہر حال تجھ سے بات نہیں کر سکتا، اگر تو سچّا ہے تو تجھ سے بات کرنا خطرے سے خالی نہیں، اور اگر جھوٹا ہے تو بات کرنے کے لائق نہیں!"۔

یہ کہہ کر نہ صرف یہ کہ ان لوگوں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا، بلکہ اس خطرے کے پیشِ نظر کہ کہیں عوام آپؐ کی باتوں سے متاثر نہ ہو جائیں شہر کے اوباش لوگوں کو مذاق اڑانے کے لئے آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔

---

[1] عہدِ نبوی ؐ کے میدانِ جنگ ص ۱۵۱۔

اوباشوں کا یہ گروہ راستے میں کھڑا ہو گیا، ان لوگوں نے نہایت ناشائستہ اور انسانیت سوز حرکات کا ثبوت دیا، جب آپؐ وہاں سے گزرے تو انھوں نے پتھر برسانے شروع کر دیے، یہاں تک کہ پائے مبارک لہولہان ہو گئے، اور جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپؐ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ شقی القلب آپؐ کے بازو پکڑ کر اُٹھاتے، جب چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، تالیاں بجاتے اور گالیاں بکتے جاتے تھے۔

اس دن کی شدید روحانی تکلیفوں اور جسمانی ایذا رسانیوں کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۹ سال کے بعد حضرت عائشہؓ نے جب آپؐ سے دریافت کیا کہ:
"تمام عمر میں آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا آیا ہے، تو آپؐ نے طائف کے اسی دن کا ذکر فرمایا" [1]

حضرت زیدؓ نے جو اس سفرِ طائف میں ساتھ تھے۔ ان روح فرسا حالات سے پریشان ہو کر عرض کیا کہ "ان بدبختوں کے لئے بددُعا کیجئے"۔ تو رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک تمتما اُٹھا، فرمایا "ہرگز نہیں! میں دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہوں"۔
اس کے بعد یہ دعا فرمائی "خدایا! میری قوم کو ہدایت دے، اور بھلے بُرے کی تمیز عطا فرما"۔ [2]

۹ھ ۶۳۰ء میں فتح مکہ کے بعد جب حسب ارشاد خداوندی یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۝ "لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں" کا موقع سامنے آیا اور اہلِ طائف نے دیکھا کہ اسلام تیزی کے ساتھ عرب میں پھیلتا جا رہا ہے اور گرد و پیش کے تمام قبائل اسلام کے حلقہ بگوش بن چکے ہیں، تو انھیں بھی اسلام کی سچائی کا احساس ہوا، اور انھوں نے بارگاہِ اقدس صلعم میں اپنا ایک وفد بھیجا۔ وہی عبد یالیل جو پہلے

---

[1] صحیح بخاری جلد اول ص ۴۵۸، مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔
[2] رسالاتِ نبویہ ص ۳۰۵۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا چکا تھا اس وفد کا امیر تھا۔ آپؐ نے ان لوگوں کے لئے مسجدِ نبویؐ میں خیمہ لگوایا اور روزانہ عشار کی نماز کے بعد وفد کے پاس تشریف لے جاتے اور دیر تک گفتگو فرماتے رہتے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۵۳)

کئی روز کے قیام کے بعد بالآخر اُن لوگوں نے ان شرائط پر اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ:

۱۔ نماز، زکوٰۃ اور جہاد سے ہمیں مستثنیٰ رکھا جائے۔

۲۔ فواحش اور شراب سے نہ روکا جائے، ہمارے شہر میں انگور کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہماری بڑی نفع بخش تجارت ہے۔

۳۔ ہماری قوم کا تمام کاروبار سود پر ہے، اس لئے سود خوری جائز رکھی جائے۔

۴۔ طائف کو حرم (مقدس مقام) قرار دیا جائے۔

ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سمجھایا کہ:-

"نماز اور خدا کی عبادت کے بغیر انسان، انسان نہیں رہتا، فواحش ایک بہت بری بداخلاقی ہے، جس طرح تم اپنے متعلقین کی بےحرمتی پسند نہیں کرتے اسی طرح دوسرے بھی اپنے متعلقین کا تمہارے ہاتھوں خراب ہونا گوارا نہیں کر سکتے۔"

یہ باتیں آپؐ نے ایسے مؤثر اور دل نشین انداز سے فرمائیں کہ وہ شرما کر اپنے بے ہودہ مطالبوں سے خود دست بردار ہو گئے، بارگاہِ اقدس ؐ سے اہلِ طائف کو مندرجہ ذیل وثیقہ عطا فرمایا گیا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ اللہ کے رسول محمد النبیؐ کی یہ تحریر ——— ثقیف کے لئے ہے

۲۔ اس تحریر میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی ذمہ داری خدائے وحدہٗ لاشریک

اور محمد النبی بن عبداللہ پر ہے۔

۳۔ ثقیف کی وادی حرم قرار دی گئی ہے۔ وہاں کے جنگلی خاردار درخت کاٹنا، شکار کرنا، ظلم، چوری، یا برائی کے کام کرنا سب حرام ہیں۔

۴۔ وَج[1] کا ثقیف ہی کو سب سے زیادہ استحقاق ہے، طائف کی سرزمین کو فوجی گزرگاہ نہیں بنایا جائے گا اور نہ کوئی مسلمان وہاں جاکر اُن لوگوں کو وہاں سے نکال سکے گا، یہ لوگ طائف اور اس کی وادی میں جو چاہیں کریں اور جو عمارت چاہیں بنائیں۔

۵۔ اہلِ طائف، عُشر، زکوٰۃ اور فوجی امداد سے مستثنیٰ ہوں گے، اُن پر جان ومال کے لئے کسی قسم کا کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ یہ لوگ مسلمانوں ہی کی ایک جماعت سمجھے جائیں گے، اس لئے مسلمانوں میں جہاں چاہیں بے روک ٹوک آمدورفت رکھ سکتے ہیں۔

۷۔ اگر کوئی شخص اہلِ طائف کے یہاں گرفتار ہو جائے تو اس کے فیصلہ کا اُن ہی کو اختیار حاصل ہوگا۔

۸۔ اہلِ طائف کا رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول طلب ہو اور جو قرض رہن پر موسم عُکاظ کے بعد تک کے لئے ہو وہ عکاظ کے وقت تک ادا کر دیا جائے، اللہ سود سے بری ہے[2]

---

[1] وَج، زمانۂ نبوت میں ایک ریتلی وادی تھی، اس وادی کو چاروں طرف سے پہاڑ گھیرے ہوئے ہیں، طائف کی موجودہ آبادی اسی وادی میں واقع ہے، شہر کے وسط میں مسجد ابن عباس رضؓ ہے، یہیں حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضؓ کی قبر ہے۔

[2] عکاظ، اسلام سے قبل عرب کا ایک مشہور میلہ تھا، جو نخلہ اور طائف کے درمیان لگتا اور ۲۰ دن تک

(باقی صفحہ آئندہ پر)

۹۔ اہلِ طائف کے قبولِ اسلام تک جو قرضے اُن کے کھاتوں میں وصول طلب ہوں وہ اُن کے مستحق ہوں گے۔ [۵]

۱۰۔ اہلِ طائف کی کوئی امانت اگر امانت دار نے ضائع کر دی تو وہ مالک کو واپس دلائی جائے گی۔

۱۱۔ ثقیف کے جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں ان کو بھی وہی امن اور حقوق حاصل ہوں گے جو موجودین کو حاصل ہیں۔ ان کے جو اموال لیۃ [۶] میں ہیں وہ بھی وج کی طرح محفوظ رہیں گے۔

۱۲۔ اسی طرح جو شخص ان کا حلیف یا شریکِ تجارت ہوگا اس کو بھی یہی حقوق حاصل ہوں گے۔

۱۳۔ اگر اہلِ ثقیف پر کوئی مالی یا جانی زیادتی کرے گا تو تمام مسلمان زیادتی کرنے والے کے خلاف ثقیف کی مدد کریں گے۔

۱۴۔ ایسا شخص جس کا آنا ثقیف کو اپنے علاقہ میں پسند نہ ہو وہ اُن کے یہاں نہ آنے پائے گا۔

۱۵۔ خرید و فروخت کے لئے اپنے مکانوں کے سامنے یہ لوگ جگہ

(بقیہ صر) رہتا تھا، اس میلے میں خرید و فروخت کے علاوہ شعر و ادب کی بڑی بڑی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں، جن میں عرب کے نامور شعراء اپنے معرکۃ الآراء قصیدے سُناتے اور خطیب فصیح و بلیغ تقریریں کرتے تھے۔ (کتاب الامکنۃ والازمنۃ جلد ۲ صر ۱۶۱، مطبوعہ حیدر آباد)

[۵] عرب میں قبل اسلام یہ دستور تھا کہ سودی قرضے پر مدت مقرر کر لی جاتی تھی، اگر وقت پر قرض کی رقم ادا نہ ہوتی تو قرض کو دوگنا قرار دے کر مدت بڑھا دی جاتی تھی، اور اس مہلت میں بھی اگر قرض ادا نہ ہوتا تو پھر قرض کی مقدار دوگنی کر کے مزید مہلت دے دی جاتی تھی۔ (سیرت النبیؐ جلد ۲ صر ۱۴۶)

اسلام نے سودی کاروبار کی ہر ایک قسم کو یکسر حرام قرار دیا ہے۔ (بقیہ حاشیہ آئندہ صر پر)

بنا سکتے ہیں۔

۱۶۔ ثقیف کا حاکم اُن ہی میں سے مقرر کیا جائے گا۔ چنانچہ بنی مالک اور بنی اَحلاف پر اُن کا اپنا اپنا امیر ہو گا۔

۱۷۔ ثقیف کے وہ لوگ جو قریش کے باغات کی آب رسانی کریں گے اس پر وہ نصف پیداوار کے حق دار ہوں گے۔

۱۸۔ رہن کی ضمانت پر سود نہیں لیا جائے گا۔ اگر رہن کی ادائیگی کی طاقت رکھتے ہوں تو ادا کریں، اور اگر فوری ادا نہ کر سکتے ہوں تو آئندہ سال کے جمادی الاولیٰ تک ادا کر دینا چاہیئے، اور جس کا وقت آچکا ہو اور ادا نہ کرے تو بلا شبہ اُس نے اُس کو سود بنا دیا۔

۱۹۔ اہلِ ثقیف پر جو قرض طلب ہو تو قرض خواہ کو صرف اصل ادا کی جائے گی۔

۲۰۔ اگر اُن کے یہاں کوئی ایسا قیدی ہو جسے اُس کے مالک نے بیچ دیا ہو تو یہ بیع صحیح ہو گی، اور جو فروخت نہ کیا گیا ہو اس کا فدیہ چھ اونٹنیاں ہوں گی جو دو قسطوں میں دی جا سکیں گی۔

۲۱۔ جس شخص نے کوئی چیز خریدی ہو تو صرف اسی کو اس چیز کی فروختگی کا حق حاصل ہو گا[1]

محمد رسول اللہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ[2]) وادیٔ لیّہ شہر طائف کے جنوب مشرق میں ۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے آج کل یہ ایک زرخیز اور آباد گاؤں ہے۔

[1] کتاب الاموال ابو عبید ص ۱۹۰، ۱۹۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۳، ۵۲۔

ثقیف کو ابتداءً ان کے اصرار پر زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا یقین تھا کہ جب اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے گا تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ "میں نے اس واقعہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ " جب یہ ایمان لا چکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے "۔ چنانچہ دو ہی برس کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر ایسا ہی عمل میں آیا[1]۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت

زکوٰۃ۔ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ قرآن حکیم میں نماز کے بعد زکوٰۃ کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور بار بار نماز کے حکم اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے ساتھ ساتھ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا حکم پایا جاتا ہے۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت، نماز کا تعلق عبادتِ خداوندی سے ہے۔ جس کے بغیر انسان انسان نہیں رہتا۔ اور زکوٰۃ کا تعلق خدا کے بندوں کی مالی امداد و اعانت سے ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ فطری طور پر ہر شخص میں روزی کمانے اور بنیادی ضروریاتِ زندگی کے مہیا کرنے کی یکساں استعداد نہیں پائی جاتی، حتیٰ کہ بعض لوگ قدرتی احوال کی بنا پر کچھ بھی کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس کے برخلاف کچھ لوگ وافر مال و دولت کے مالک ہوتے ہیں۔ انسانی اخوت و شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ بنیادی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ اموال کے مالک ہوں وہ اپنے غریب اور محتاج بھائیوں کی دست گیری کر کے انسانی شرافت و ہمدردی کا اخلاقی ثبوت دیں۔ اگر کسی معاشرے میں ایسا ایثار اور قربانی نہیں پائی جاتی تو پھر انسانیت اور شرافت کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی، اور انسان انسانیت سے گر کر کائنات کی ارذل ترین مخلوق بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذابِ آخرت کی وعید بیان کی گئی ہے:

[1] سیرت النبی جلد ۲ ص ۴۰

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ (آلِ عمران رکوع ۱۸)

" جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل وکرم سے مال عطا کیا ہے اور وہ اُس میں بُخل کرتے ہیں، وہ یہ خیال نہ کریں کہ مال ان کے لئے کچھ اچھی چیز ہے، بلکہ جس مال پر انھوں نے بخل کیا ہے وہ بہت بُری بات ہے! قیامت کے دن ایسے لوگوں کی گردنوں میں اسی مال کا طوق ڈال کر عذاب دیا جائے گا "۔

اسلام میں جائز ذرائع سے حاصل شُدہ دولت اگر پس انداز ہو جائے تو صدقات وخیرات کے ذریعہ افرادِ قوم کو معاشی سہولتیں بہم پہنچانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ رکوع اوّل)

" ہم نے اُن کو جو کچھ دے رکھا ہے اُس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں، (یعنی اپنے بھائیوں کی مدد کرتے ہیں) "۔

قرآنِ حکیم شرافتِ انسانی کے اس جذبہ اور ایثار کو " زکوٰۃ " کے نام سے موسوم کرتا ہے، زکوٰۃ کے معنی لغت میں " نمو " اور پاک کرنے کے ہیں "۔

(مفردات امام راغب اصفہانی، لفظ زکوٰۃ)

جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اپنے اموال میں اپنے مستحق بھائیوں کو شریک نہ کیا جائے گا، صاحبِ اموال کے لئے اس کا مال پاک نہیں ہوگا۔ اسلام نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ معاشی حیثیت سے ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہے، زکوٰۃ عائد کی ہے تاکہ دولت کسی فردِ واحد کی ملکیت بن کر نہ رہ جائے۔

نقد، سونے چاندی اور اُن کے زیورات، زراعت، تجارت اور مویشیوں پر

بھی اسلام نے زکوٰۃ فرض کی ہے، اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ نصاب مقرر کیا ہے۔ نقد اور سونے چاندی وغیرہ پر ڈھائی فیصد سالانہ زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔

اس بارے میں قرآنِ حکیم کا منشاء یہ ہے کہ "دولت انسانی معاشرے کے صرف چند افراد ہی تک محدود نہ رہے، بلکہ اس کا معاشرے میں گردش کرتے رہنا ضروری ہے تاکہ کوئی شخص اس سے محروم نہ رہے۔" (سورۂ حشر آیت ۷)

زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال میں جو کمی آتی ہے اُس کے لئے قرآن حکیم میں "ثوابِ آخرت" کی بشارت دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جو لوگ خدا کی رضا جوئی کے لئے زکوٰۃ دیتے ہیں وہ اُسے خدا کے یہاں دُونا موجود پائیں گے۔

مَآ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ

ھُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ۝ (سورۂ روم رکوع ۴)

"خدا کی رضا جوئی کے لئے تم جو کچھ زکوٰۃ دیتے ہو سو زکوٰۃ دینے والے اُسے خدا کے یہاں دوگنا کرنے والے ہیں۔"

زکوٰۃ دینے اور لینے والوں میں جو طبقاتی امتیاز پیدا ہو سکتا ہے، اسلام اس تفریق کو پسند نہیں کرتا، اس لئے زکوٰۃ کی براہِ راست ادائیگی کی اجازت نہیں دی گئی، تاکہ لینے والے میں ذلتِ نفس اور دینے والے میں اپنی برتری کا احساس پیدا نہ ہونے پائے، بلکہ حکومت کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کو وصول کر کے "بیت المال" میں داخل کر دے اور وہاں سے وہ منصفانہ طور پر تقسیم کی جائے۔

ساتویں صدی ہجری کے وسط تک اسی طریقے پر عمل درآمد رہا۔ ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء کے تاتاری فتنے میں خلافتِ بغداد کی تباہی کے ساتھ یہ طریقہ بھی باقی نہ رہ سکا۔

درحقیقت معاشیات کے باب میں اسلام نے افراط و تفریط کے بجائے ایک معتدل راہ پیدا کی ہے۔ وہ جہاں انفرادی دولت کی پیداوار پر کوئی پابندی عائد نہیں

کرتا، وہیں اسی کے ساتھ پیداوار پر مختلف ٹیکس لگا کر اُس کو معاشرے میں بانٹ دیتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ اگر زکوٰۃ کی صحیح خطوط پر تنظیم کی جائے تو آج بھی آغازِ اسلام کی طرح ہمارے معاشرے کی غربت و فلاکت بہت جلد معاشی ترقی و خوش حالی میں تبدیل ہو سکتی ہے!

اسلام اپنا ایک مکمل معاشی نظام رکھتا ہے، قرآنِ حکیم نے بڑے شدومد کے ساتھ انفاقِ مال پر توجہ دلائی ہے، اور ایسے سرمائے کی سخت مذمت کی ہے جو معاشرے کے کام نہیں آتا۔ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول یہ ہے کہ معاشرہ کے اقتصادی تفاوت کو زیادہ سے زیادہ کم کیا جائے تاکہ دولت کسی ایک طبقے میں محدود ہو کر نہ رہ جائے، اسلام معاشیات میں غیر متوازن حالت کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ یہ بات پسند نہیں کرتا کہ ایک گروہ کے پاس تو دولت کے ڈھیر لگ جائیں، چند افراد ملک اور قوم کے سرمائے کو سمیٹ کر ایک مخصوص طبقے میں محدود کر دیں اور دوسرے کروڑوں انسان نانِ جویں تک کو ترستے رہیں۔ اسلام سرمائے کی زیادہ سے زیادہ تقسیم کا داعی ہے، وہ ایک ایسا اقتصادی نظام قائم کرنا چاہتا ہے، جس میں بنی نوعِ انسان کے لئے بنیادی حقوق کا زیادہ سے زیادہ لحاظ رکھا جائے۔

سرمائے کی تقسیم کے بارے میں اسلام کا طریقِ کار یہ ہے کہ دولت مندوں پر گراں بار ٹیکس لگا کر اس کے ذریعے سے غریبوں کے معیارِ زندگی کی سطح کو بلند کیا جائے، تاکہ معاشرے میں ایک ایسا توازن قائم ہو جائے جس میں امیر و غریب ایک دوسرے کے دُکھ درد کے شریک رہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام پس ماندہ طبقے کو باقی رکھنا چاہتا ہے یا سرمایہ داری کو یکسر ختم کر دینا چاہتا ہے۔

اسلام ذاتی ملکیت اور سرمائے کا مخالف نہیں ہے، اس کے نزدیک ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جسمانی اور دماغی محنت سے جائز طور پر سرمایہ حاصل کر سکتا ہے،

اور اپنے لئے اور اولاد کے لئے پس انداز کر سکتا ہے۔ مستقبل کا فکر ہر انسان بلکہ حیوان تک کا فطری حق ہے، جس طرح ہر معاملے میں ہر ذی رُوح اپنے مستقبل کا خیال رکھتا ہے، اسی طرح انسان کو بھی مال و دولت کی نسبت خیال رکھنے کا قدرتی حق حاصل ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ جو کچھ کمایا جائے وہ جائز طریقوں سے ہو، اس کے بعد جو دولت خرچ کرنے سے بچ جائے اُسے اُٹھا کر رکھا جا سکتا ہے۔ مگر جب انفرادی یا اجتماعی ضرورت پیش آئے تو اُسے خرچ کرنے میں تامل نہ ہونا چاہئے۔ حاجت مند لوگوں کی خدمت ایک اہم انسانی فرض ہے۔ ایک فلاحی ریاست کی اقتصادی پالیسی معاشرے میں انصاف کی ذمہ دار ہے۔ مگر سماجی انصاف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب لوگوں میں اشتراک و تعاون اور باہمی ہمدردی کا جذبہ موجود ہو، اور وہ ایثار کے لئے ہمہ وقت اپنے آپ کو تیار رکھیں۔ خدا ترس اور انسانیت دوست افراد فلاح و بہبود کی کوششوں کو کبھی نظر انداز نہیں کرتے۔

اسلام کسی فرد کی صلاحیت کے نتائج اور صلے سے اُس کو محروم کرنا پسند نہیں کرتا۔ اشتراکی اصول پر دولت کی تقسیم اس کے نزدیک کوئی مثبت اقدام نہیں ہے۔ ناداروں کو ان کی ضرورت کے مطابق مال رکھنے والوں سے ضرور ملنا چاہئے۔ لیکن اس کے لئے اسلام کے نزدیک قطعاً یہ ضروری نہیں ہے کہ جو لوگ خوش حال ہوں ان کی خوش حالی میں کمی کی جائے۔ دنیا میں اتنے بے شمار وسائل ہمیشہ موجود رہے ہیں کہ سب لوگ خوشحال اور بھرپور زندگی گزار سکتے ہیں۔ البتہ اسلام نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ جو لوگ خوش حال ہیں ان کو چاہئے کہ غریبوں کی مدد کر کے انسانی شرافت و ہمدردی کا ثبوت پیش کریں۔

قبیلۂ لَخَم کے نام

طبقاتِ ابن سعد میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ لَخم کے نام تحریر فرمایا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ قبیلۂ لخم میں سے جو اسلام قبول کرے گا، نماز پڑھے گا، زکوٰۃ دے گا اللہ اور اس کے رسولؐ کا خمس ادا کرے گا اور مشرکین سے اپنے تعلقات منقطع کرلے گا وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی پناہ اور ذمّہ داری میں ہے۔

۲۔ مگر جو شخص اسلام سے پھر جائے گا اس سے اللہ اور اس کے رسول محمدؐ بری الذمہ ہیں۔

۳۔ جس شخص کے اسلام کی کوئی مسلمان شہادت دے گا وہ بھی محمد النبیؐ کی پناہ اور ذمّہ داری میں ہے، ایسا شخص مسلمانوں میں شمار ہوگا۔[1]

محمد رسول اللہؐ

اسی طرح کا ایک امان نامہ قبیلۂ لخم کی شاخ حدس کے لئے بھی تحریر کیا گیا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳

بنی البکّاء کے نام

۹ھ ۶۳۰ء میں بنی البکّاء کے تین افراد کا ایک وفد بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا، ارکانِ وفد میں ایک شخص معاویہ بن ثور تھے۔ جن کی عمر سو سال کی تھی۔ انھوں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا یہ لڑکا بشر بڑا خدمت گزار ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ آپؐ اسے برکت دیں۔ آپؐ نے بشر کے چہرے پر دستِ مبارک پھیر کر برکت کی دعا فرمائی۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ بنی البکّاء کو اکثر قحط سالی گھیرے رہتی تھی، مگر اس واقعہ کے بعد یہ لوگ ہمیشہ فارغ البال رہے۔

بنی البکّاء کو جو فرمانِ رسالت مرحمت ہوا اُس کا مضمون یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد النبیؐ کی جانب سے ——————— بنی البکّاء کے نام

"تم لوگوں میں جو اسلام قبول کرے، نماز پڑھے، زکوٰۃ ادا کرے، اور اللہ و رسول کا فرماں بردار رہے، مالِ غنیمت میں سے اللہ کا خمس نکالتا رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی امداد کرتا رہے، اپنے اسلام کا اعلان کرے، اور مشرکین سے تعلقات نہ رکھے، وہ اللہ عزّ و جل اور اس کے رسول محمدؐ کی امان میں ہے"[1]

محمد رسول اللہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۷۔

بنی عُقیل کے نام

عرب کے ایک قبیلے بنی عقیل کا ایک وفد بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو وادیٔ عقیق[1] میں ایک قطعۂ زمین جس میں چشمے اور کھجور کے باغ تھے عطا فرمایا۔ بنی عقیل کو جو فرمانِ رسالت مرحمت ہوا وہ سُرخ چمڑے پر لکھا ہوا تھا۔ مضمون یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی یہ سند ــــــ ربیع و مطرف اور انس کے لئے ہے

ان لوگوں کو وادیٔ عقیق کی زمین دی جاتی ہے، یہ لوگ جب تک نماز پڑھتے رہیں، زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے فرماں بردار رہیں، وادیٔ عقیق سے فائدہ حاصل کرنے کے مستحق ہیں[2]

محمد رسول اللہ

بنی عُقیل کا ایک اور وفد حاضرِ خدمت ہوا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پانی کا ایک مقام جس کا نام نُظیم تھا عطا فرمایا۔[3]

---

[1] وادیٔ عقیق مدینہ منورہ کے جنوب مغرب سے شمال مشرق تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ وادی بڑی زرخیز اور شاداب ہے اور اس وادی کے بعض کنویں تاریخی شہرت کے مالک ہیں، اسی وادیٔ عقیق میں آج کل الجامعۃ المدینہ (مدینہ یونیورسٹی) واقع ہے۔

[2، 3] طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۴۵۔

قبیلۂ بارِق کے نام

۹ھ/۶۳۰ء میں یمن کے قبیلۂ بارق کے وفد نے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے حسبِ ذیل فرمان لکھنے کا حکم صادر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہلِ بارق کے نام ——————— محمد رسول اللہ کی جانب سے

"اہلِ بارق کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اُن کے پھل نہ کاٹ سکے گا، جاڑے اور گرمی کے کسی بھی موسم میں اُن کی چراگاہوں میں جانوروں کو چرانے کی اجازت نہ ہوگی۔ البتہ جس مسلمان کے پاس چراگاہ نہ ہو یا خود رُو گھاس چرانے کے لئے اپنے مویشیوں کو لے کر اُن کے یہاں سے گزرے تو اس کی زیادہ سے زیادہ تین دن کی مہمانی اہلِ بارق کے ذمے ہوگی جب اُن کے باغوں میں پھل پک چکے ہوں تو مسافر کو اتنے گرے پڑے پھل اُٹھا کر کھانے کا حق ہوگا جس سے وہ شکم سیر ہو سکے، مگر اُٹھا کر ساتھ لے جانے کا حق نہ ہوگا۔"[1]

محمد رسول اللہ

---

[1] طبقاتِ ابن سعد جلد ۲ ص ۸۱۔

شاہانِ حمیر کے نام

جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے کا نام یمن ہے۔ اس کے جنوب میں بحرِ عرب اور مغرب میں بحرِ احمر واقع ہے۔ یمن کا موجودہ رقبہ ۷۵ ہزار مربع میل ہے اور آبادی ۵۰ لاکھ کے قریب ہے، ایک زمانے میں یہ جزیرۃ العرب کا مرکز تھا۔

یمن جزیرہ نمائے عرب کا مشہور تاریخی خطہ ہے۔ اس کی سرزمین سے عربوں کی شاندار تہذیب و تمدن کی تاریخ وابستہ ہے۔ تاریخ کے قدیم زمانے میں قرب و جوار کے ملکوں میں عالمی تجارت کو فروغ دینے میں اس نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

عرب کی مشہور قومیں یمن ہی کی سرزمین میں گزری ہیں، قومِ عاد جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اُس کا مسکن یہیں تھا۔ اسی جگہ قومِ سبا اپنے عروج و زوال کے دور سے گزری ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کی مشہور حکمراں خاتون ملکہ بلقیس کا تاریخی شہر سبا یمن ہی میں تھا ———— ولادتِ نبوی ؐ کے قریبی زمانے میں یمن پر ابرہہ حکمراں تھا۔ اسی ابرہہ نے ۵۷۰ء میں کعبہ پر حملے کے لئے فوج کشی کی تھی اور اپنے لشکر سمیت تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ سورۂ فیل میں اِسی ابرہہ کے لشکر کی تباہی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

حجاز کے ہم سایہ ممالک میں یمن کے گورنر باذان نے سب سے پہلے دعوتِ اسلام کو لبیک کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی تعریف فرمائی ہے۔

زمانۂ نبوت میں یمن کے جنوبی حصے پر جو حکومت قائم تھی وہ تاریخ میں حمیر کے نام سے موسوم ہے۔ حمیر کی سلطنت صدیوں تک یمن کی عظیم الشان سلطنت رہی ہے، مگر آغازِ اسلام کے زمانے میں یہ مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی تھی ——

شاہانِ حمیر مذہبًا عیسائی تھے۔

موجودہ عہد میں یمن کی ریاست ان سب خطوں پر مشتمل نہیں ہے جو زمانۂ نبوت میں اس کا جزو سمجھے جاتے تھے۔ اس وقت یمن کی ریاست جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغربی گوشے میں واقع ہے۔ یہ ریاست پانچ سو میل لمبی اور پونے تین سو میل چوڑی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی ریاستوں کے فرمانرواؤں کے نام حسبِ ذیل نامۂ مبارک ارسال فرمایا، عیاش بن ابی ربیعہ مخزومیؓ کو اس سفارت کا شرف عطا فرمایا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہؐ کی طرف سے ———— حارث وغیرہ کے نام

"آپ لوگوں پر اس وقت تک سلامتی ہو جب تک آپ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھیں۔

بے شک اللہ وہ ذات ہے جو یکتا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں! اسی نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے کر بھیجا، اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلمے سے پیدا کیا، مگر یہود کہتے ہیں کہ "عزیر خدا کے بیٹے ہیں"۔ اور عیسائی کہتے ہیں "عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں اور تین میں سے ایک ہیں"[1]

محمد رسول اللہؐ

حضرت عیاشؓ کا بیان ہے کہ شاہانِ حمیر نے مکتوبِ گرامی سُنا اور بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے قبولِ اسلام کی اطلاع کے لئے بارگاہِ رسالتؐ میں اپنا وفد بھیجا۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۲۔ [2] ایضاً۔

شاہانِ حمیر کے نام دوسرا مکتوبِ گرامی

شاہانِ حمیر کے قبولِ اسلام پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسرّت کا اظہار فرماتے ہوئے زکوٰۃ اور جزیے کے تفصیلی مسائل تحریر فرمائے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد النبی، اللہ کے رسولؐ کی طرف سے ————— شاہانِ حمیر کے نام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ! میں اُس خدا کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں !۔

آپ کے قاصد رُوم سے میری واپسی کے وقت پہنچے۔ انھوں نے آپ کا پیغام پہنچایا، آپ لوگوں کی مشرکین سے جنگ کی تفصیل اور وہاں کے حالات بیان کیے، اللہ تعالےٰ نے آپ لوگوں کو اپنی ہدایت سے سرفراز کیا ہے۔ آپ لوگوں کو چاہیئے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کو اپنے اوپر لازم کرلیں۔

نماز پڑھتے رہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور غنیمت میں سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کا خُمس (پانچواں حصّہ) ادا کرتے رہیں۔

اللہ نے مسلمانوں کی املاک پر جو صدقہ مقرر کیا ہے وہ نہری اور بارانی زمینوں میں عُشر (دسواں حصّہ) اور چاہی زمینوں میں نصف عشر کے حساب سے ہے[1]

زکوٰۃ میں ہر ۴۰ اونٹوں پر ایک جوان اونٹنی اور ۳۰ پر ایک جوان اونٹ اور ہر ۵ اونٹوں پر ایک بکری اور دس اونٹوں پر

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۸۴ و فتوح البلدان جلد اول ص ۷۰ و تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۵۳۔

دلو بکریاں دی جائیں۔

ہر ۳۰ بیلوں پر ایک جوان گائے، اور ہر ۳۰ گائے یا بیلوں پر ایک بچھڑا۔

ہر ۴۰ بھیڑ بکریوں پر ایک جوان بکری، یہ مویشیوں کی زکوٰۃ کا نصاب ہے۔

زکوٰۃ کا یہ نصاب اللہ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے جو اس سے زیادہ دے وہ اُس کے لئے زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

مگر جو صرف مقررہ تعداد ادا کرے اور اپنے اسلام کا اعلان کرے، اور مشرکوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد کرے وہ مسلمان ہے۔ اس کو مسلمانوں کے تمام حقوق حاصل ہوں گے اور اسی طرح مسلمانوں کی تمام ذمّہ داریاں اُس پر عائد ہوں گی۔

اس وعدے کے ایفاء کے لئے میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی ضمانت دیتا ہوں۔

جو یہودی یا نصرانی اسلام لائے اس کے ساتھ بھی یہی عمل ہوگا۔ جو شخص یہودی یا عیسائی مذہب پر قائم رہنا چاہے اُس کو تبدیلِ مذہب کے لئے کسی طرح بھی مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اُس کو جزیہ دینا ہوگا جس کی مقدار ہر بالغ شخص پر ایک دینار ہے، یا اُس کی قیمت، یا اتنی قیمت کا کپڑا، جو شخص یہ رقم اللہ کے رسول کو ادا کرے گا اُس کی حفاظت کی ذمّہ داری اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ذمّے ہے۔ اور جو شخص جزیہ سے انکار کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا دشمن سمجھا جائے گا۔

محمد رسول اللہ

(حاشیہ مرآئندہ پر)

زرعہ ذی یزن کے نام

زرعہ ذی یزن اُن لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے قبیلے میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قبولِ اسلام پر خیر و برکت کی دُعا دیتے ہوئے بتایا کہ میرے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔ مکتوب گرامی یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد النبی رسول اللہ کی طرف سے ——— زرعہ ذی یزن کے نام

میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور میں اُس کا بندہ اور رسول ہوں۔

جب آپ کے پاس میرے فرستادے معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر و مالک بن مرارہ اور ان کے ہمراہی پہنچیں تو آپ کو ان کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔ اور اپنی رعایا سے زکوٰۃ اور جزیہ وصول کر کے ان کے حوالے کر دینا چاہئے۔

مالک بن مرارہ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ حمیر میں سب سے پہلے تم نے اسلام قبول کیا ہے، اور مشرکوں سے جنگ کرتے رہے ہو، اس پر میں آپ کو خیر کی بشارت دیتا ہوں اور آپ کو اپنی رعایا کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتا ہوں، نہ ان کے ساتھ خیانت کی جائے اور نہ اُن کی حمایت ترک کی جائے۔

(حاشیہ ص گذشتہ)

[1] دینار، سونے کا ایک سکہ تھا، موجودہ حساب سے جس کو اسٹرلنگ پاؤنڈ کے مساوی سمجھنا چاہئے۔ ایک دینار ۱۰ درہم یا ایک ہزار فلس کے برابر ہوتا ہے۔

[2] تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۵۳۔

رسول اللہ! امیر و غریب سب کے لئے واجب الاطاعت ہیں، اُن کے اور اُن کی اہل کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے، زکوٰۃ جو لی جاتی ہے وہ غریب مسلمانوں اور مسافروں کے لئے ہے اور یہ کہ اُس کی ادائیگی سے مال پاک ہو جائے۔

جن لوگوں کو میں نے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ اپنے علم و عمل کے لحاظ سے میرے اچھے پیرو ہیں۔ اس لئے وہ آپ کے حُسنِ سُلوک کے مستحق ہیں [1]

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

محمد رسول اللہ

سرداران عباہلہ حضر موت کے نام

حضر موت، عرب کے انتہائی جنوب میں بحرِ عرب کے ساحل پر واقع ہے۔ حضر موت کا شمار یمن کے علاقہ میں ہوتا ہے۔

۱۰ھ / ۶۳۱ء میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن اور حضر موت میں اسلام کی تبلیغ کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو مامور فرمایا، ان حضرات کی تبلیغ سے ایک سال کے اندر اندر تمام یمن کی آبادی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۵۳، ۱۵۴۔ وفتوح البلدان جلد اول ص ۷۰۔

حضرموت کے ایک سردار کا نام وائل تھا،[1] وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کے لئے ادھر حضرموت سے روانہ ہوئے اُدھر ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو بشارت سنائی کہ عنقریب حضرموت کا شہزادہ، اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں سرشار آتا ہے۔

وائل حاضر ہوئے تو آپؐ نے اُن کو دعائے خیر و برکت دی، وائل دربارِ قدسیؐ میں چند روز قیام کرنے کے بعد جب اپنے وطن روانہ ہونے لگے تو خدمتِ اقدسؐ میں عرض کیا کہ:۔

"یا رسول اللہ! میری قوم کے لئے کچھ نصائح تحریر فرما دیجئے تاکہ میں جا کر ان لوگوں کو سُنا دوں"

آپؐ نے فرمانِ رسالت لکھے جانے کا حکم صادر فرمایا جس میں نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاکید کے ساتھ مویشیوں کی زکوٰۃ کے احکام و مسائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ مکتوبِ گرامی کا مضمون یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہؐ کی طرف سے ———— سردارانِ عباہلہ کے نام

"آپ لوگوں کو چاہئے کہ نماز پڑھتے رہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، ہر صاحبِ نصاب کے ذمے اُن جانوروں کی زکوٰۃ واجب اور ضروری ہے جو سال کے اکثر حصّے میں چراگاہوں میں چرتے رہے ہیں، زکوٰۃ کے معاملے میں نہ خِلَاطُ و وِرَاطُ درست ہے اور نہ شِغار و شِناق اور نہ جَلَبُ و جَنَبُ۔[2]

---

[1] مشہور مورخ ابن خلدون (۷۳۲ھ، ۸۰۸ھ / ۱۳۳۱ء، ۱۴۰۵ء) جو فلسفۂ تاریخ کا موجد سمجھا جاتا ہے، انھیں وائل کی اولاد میں گزرا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

آپ کے ذمے یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی لشکر کی رسد سے مدد کریں، اور ہر دس آدمیوں کے گروہ پر ایک اونٹ کے بار کی مقدار غلہ ضروری ہے۔

جو شخص اپنی حیثیت کو چھپائے وہ اس طرح مال بچا کر سود خوار کی طرح ہو جائے گا۔

محمد رسول اللہ

ایک دوسرے فرمان میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی شرح اور بدکاری کی سزا کا حکم بیان فرمایا، اس میں مرقوم ہے:

خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱۔ زکوٰۃ میں ہر ۴۰ بکریوں پر ایک متوسط درجے کی بکری فرض ہے۔

۲۔ وہ چیزیں جو معدن سے نکالی جاتی ہیں ان کا پانچواں حصہ ادا کیا جائے۔

۳۔ جو شخص کنواری لڑکی سے زنا کا مرتکب ہو اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جائے۔ اور جو شخص منکوحہ عورت سے زنا کا مرتکب ہو اُسے پتھروں سے رَجم (سنگسار) کر دیا جائے۔

۴۔ اللہ نے جو فرائض مقرر کئے ہیں ان میں ہرگز شرم اور سستی نہ کی جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ مویشیوں کی زکوٰۃ سے متعلق یہ فقہی اصطلاحیں ہیں، پہلی چار اصطلاحوں کے معنی یہ ہیں کہ ______ زکوٰۃ سے بچنے یا اس میں تخفیف کے لئے زکوٰۃ وصول کرنے والے کو فریب دینا ______ اور آخر کی دو اصطلاحوں کا تعلق زکوٰۃ کی وصولیابی سے ہے۔

۵۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔
۶۔ وائل بن حجرؓ کو حضرموت کے تمام لوگوں کا حاکم مقرر کیا گیا ہے۔[1]

محمد رسول اللہ

وائل بن حجر کے نام

وائل نے عرض کیا کہ :۔
"میری بہت سی جائیدادوں پر میرے عزیزوں نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔
"میں تمہاری طلب سے زیادہ تمہیں دوں گا۔"

یہ فرما کر حضرت امیر معاویہؓ کو حسبِ ذیل فرمان تحریر کرنے کا حکم فرمایا :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نبی محمدؐ کی جانب سے ــــــــــــ وائل بن حجرؓ کے لئے

"چونکہ تم حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ہو، لہٰذا میں تمہارے تمام مقبوضات اور قلعے تمہاری ہی ملکیت میں چھوڑتا ہوں، تم بدستور ان سب کے مالک ہو۔

البتہ تمہیں پیداوار کا دسواں حصّہ دینا ہوگا، تقسیم کا فیصلہ دو[2]

---

[1] رسالۂ نبویہ ص ۲۹۵، ۲۹۷۔ بحوالہ مصباح المغنی۔

منصف مل کر کیا کریں گے۔ اس کا انتظام کر دیا جائے گا کہ تم پر تاقیام دین کسی قسم کا ظلم نہ ہو۔

اللہ کا نبی اور تمام مسلمان اس معاملے میں تمہارے مددگار ہیں۔

محمد رسول اللہ

حضرموت پہنچ کر حضرت وائل کا دل بہت جلد شاہانہ کرّوفر سے سیر ہو گیا، اور انھوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو اپنا طغرائے امتیاز بنالیا، اور اس طرح جلیل القدر صحابہؓ کی فہرست میں شمار ہوئے۔

اُن سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں[1]۔ حضرت معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی۔

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۵، ۷۹ و بلاغ مبین ص ۲۰۹، ۲۱۱۔

فَروَہ گورنر مَعَان کے نام

معَان، جزیرۃ العرب کے شمال مغرب میں عَقبَہ سے ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اب یہ علاقہ شرقِ اردن میں شامل ہے۔ زمانۂ نبوّت میں معان رومی[2] (بیزنطینی) حکومت کے ماتحت تھا۔ قیصرِ روم کی جانب سے فروَہ اس کے گورنر تھے۔

[2] روم اس زمانے میں اٹلی کے دارالسلطنت کا نام ہے مگر رومن شہنشائیت کے عہد میں یہ ایک عظیم سلطنت تھی جس میں مشرق و سطیٰ کے علاوہ اور بھی کئی ملک شامل تھے، چودھویں صدی عیسوی کے وسط تک قسطنطنیہ میں عیسائی حکمران رہے ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح نے مشرقی روم کو فتح کر کے اُسے ترکوں کی سلطنت میں تبدیل کر دیا۔

جب ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کی شہرت اُن کے کان میں پہنچی تو وہ غائبانہ آپؐ کے اعلانِ نبوت اور اخلاق و عادات کی تحقیق کر کے اسلام لے آئے، اور ایک شخص مسعود بن سعد کو خط دے کر بہت سے تحائف کے ساتھ خدمتِ اقدس رضؓ میں بھیجا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے جواب میں فروہ کو تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کے رسول محمدؐ کی جانب سے ———— فروہ بن عمرو کے نام

"میرے پاس آپ کا قاصد پہنچا، اور جو ہدیے آپ نے بھیجے تھے وہ اُس نے پہنچا دیئے، آپ کے حالات بیان کئے، اور آپ کے اسلام قبول کرنے کا مژدہ سُنایا۔

اللہ نے آپ کو اپنی ہدایت سے سرفراز کیا ہے۔ اگر آپ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہے اور اُن کے خیر خواہ رہے، نماز پڑھتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے تو یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور سمجھیئے کہ اللہ نے آپ کو اپنی ہدایت سے سرفراز کیا ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۱)

محمد رسول اللہ

اسلام کے جُرم میں فروہ کی شہادت

قیصرِ رُوم کو جب اپنے گورنر کے قبولِ اسلام کی اطلاع ملی تو اُن کو دار الحکومت میں طلب کیا، اور سخت تنبیہ کے ساتھ حکم دیا کہ اگر اپنی ریاست اور عہدے کو برقرار

رکھنا چاہتے ہو تو اس نئے دین سے باز آؤ۔ مگر قبولِ حق کا نشہ ایسا نہ تھا جو یوں آسانی سے اُتر جاتا، انھوں نے نہایت دلیری سے انکار کر دیا۔

قیصر نے انھیں قید میں رکھے جانے کا حکم دیا، اور جب جیل خانہ کی سختیاں بھی فروہؓ کو اسلام کے ترک کرنے پر آمادہ نہ کر سکیں تو قتل کا حکم دیا گیا۔ اور بالآخر انھوں نے راہِ حق میں نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ فداکارانہ اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی [1]

آخری وقت میں جو شعر اُن کی زبان پر جاری تھا، اس کا ترجمہ یہ ہے:-

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میری یہ خبر پہنچا دو کہ اپنے رب کیلئے میری ہڈیاں تک مطیع اور فرمانبردار رہی ہیں۔" [2]

حضرت خالدؓ بن ولید کے نام

اوپر گزر چکا ہے کہ یمن کے ایرانی گورنر باذان نے اپنے دو معتمد خسرو پرویز کے حکم سے خدمتِ نبویؐ میں روانہ کئے تھے۔ جن کو آپؐ نے خسرو پرویز کے اپنے بیٹے شیرویہ [3] کے ہاتھوں اچانک قتل کئے جانے کی خبر دی تھی، اور جب بعد میں حرف بحرف اس کی تصدیق ہو گئی تو باذان ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مع اپنے متعلقین کے ایمان لے آئے، اور آپؐ نے اُن کو بدستور یمن کی گورنری پر بحال رکھا۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۸۱۔ [2] ایضاً ص ۸۲۔
[3] شیرویہ ۶۲۸ء میں ایران کے تخت پر بیٹھا اور صرف اٹھارہ مہینے بادشاہ رہا۔

۱۰ھ ۶۳۱ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو قبیلہ بنی حارث میں جو یمن کے ضلع نجران میں آباد تھا۔ اسلام کی دعوت کو پہنچانے کے لئے روانہ فرمایا، حضرت خالدؓ کی تبلیغ سے تین۳ دن کے اندر اندر پورا قبیلہ مشرف باسلام ہوگیا۔

حضرت خالدؓ نے بارگاہِ نبوّت کو اطلاع دی، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے اُن کو لکھا:

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

محمد النّبی رسول اللہؐ کی طرف سے ——— خالدؓ بن ولید کے نام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ! میں اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تعریف کرتا ہوں۔

بعد ازاں تمہارے قاصد کے ذریعے تمہارا خط ملا، جس میں تم نے بنی الحارث کے اسلام قبول کرنے اطلاع دی ہے، مجھے معلوم ہوا کہ تم نے اسلام کی جو دعوت اُن کو پہنچائی انھوں نے اُسے قبول کرلیا ہے، اور وہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سوائے خدائے وَحْدَہٗ لَاشَرِیک کے کوئی اور معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔

اللہ نے اُن لوگوں کو اپنی ہدایت سے سرفراز کیا ہے۔ تم انھیں جنّت کی بشارت سُنا دو اور دوزخ سے ڈراؤ!۔

اس کام سے فارغ ہوکر یہاں چلے آؤ اور اُن لوگوں سے کہہ دو کہ اپنا ایک وفد میرے پاس بھیج دیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ

(طبری جلد ۳ ص ۱۵۶)

عمرو بن حزم انصاری گورنر یمن کے نام

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بنی حارث کا وفد جب بارگاہ قدس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اُن لوگوں کو دیکھ کر فرمایا :-

" یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں "[1]

صحابہؓ نے عرض کیا کہ :

" یہی وہ بنی حارث ہیں جن کو طلب فرمایا گیا ہے "

آپؐ نے ان لوگوں کو حسبِ معمول دس دس اوقیہ چاندی[2] انعام میں عطا فرمائی۔

وفد سے رسمی گفتگو کے بعد آپؐ نے بنی حارث کی تعلیم کے لئے عمرو بن حزم انصاریؓ کو مامور فرمایا اور حضرت اُبیّ بن کعبؓ سے ایک تحریر قلم بند کرا کر اُن کے حوالے کی۔ اس تحریر میں عام نصیحتوں کے علاوہ طہارت، نماز، زکوٰۃ، عُشر، حج، عمرہ، جہاد، غنیمت، جزیہ کے احکام، دیوانی اور فوجداری کے ضوابط، نسلی قومیت کے نظریے کی ممانعت اور طرزِ حکمرانی سے متعلق ہدایات درج تھیں۔ عمرو بن حزمؓ کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ لوگوں کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں، انصاف کو اپنا دستورالعمل بنائیں، محصول کو نرمی سے وصول کریں اور کسی شخص کو مذہب کے بدلنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس مقدس دستاویز کا مضمون یہ ہے :-

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۱۵۶ و طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۲۔

[2] اوقیہ کا وزن ۴۰ درہم کے برابر ہوتا ہے اور درہم تین ماشے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول محمد النبی ﷺ کی جانب سے یہ تحریر عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کو دی جاتی ہے جو اُن کو یمن بھیجتے ہوئے لکھی گئی۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :-

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ○

اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو!

میں ان کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ ہر معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہیں، اس لئے کہ :-

فَاِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○

"اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو اُس سے ڈرتے ہیں اور نیکی کو اختیار کرتے ہیں"

میں نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کے حق کو وصول کریں، لوگوں کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں اور ان کو نیک کاموں کا حکم دیں۔ قرآن مجید کی تعلیم دیں اور دین کے ارکان سمجھائیں، قرآن شریف کو صرف وہ شخص ہاتھ لگائے جو پاک ہو لوگوں کو برائیوں سے روکا جائے، اور انھیں ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جائے، نیکی کا حکم دینے میں لوگوں کے ساتھ نرمی کی جائے، مگر جو ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہو اس پر سختی کرنے میں تامل نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالےٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا، اس نے ظلم سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، خدا ظالموں پر لعنت بھیجتا ہے!

لوگوں کو جنت میں لے جانے والے اعمال اور طریقے بتلائے جائیں اور اُن کاموں سے ان کو متنبہ کیا جائے جو انسان کو دوزخ

میں پہنچا دینے والے ہیں۔

سب لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے تاکہ وہ دین کے ارکان کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ حج کے ارکان بھی تفصیل کے ساتھ بتلائے جائیں اور فرض و سنّت کو واضح طور پر بیان کیا جائے، حج اور عمرے کے متعلق اللہ نے جو احکام دیے ہیں ان سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

لوگوں کو ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے سے روکا جائے جس میں بدن ڈھکا ہوا نہ ہو، اور نماز میں شرمناک مقامات کے کھُل جانے کا اندیشہ ہو، وضو کے احکام پوری تشریح کے ساتھ بتائے جائیں، مقررہ اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ہدایت کی جاتی ہے کہ رکوع کو پوری طرح ادا کیا جائے اور نماز میں دل میں رقّت ہونی چاہیئے، فجر کی نماز علی الصباح پڑھی جائے، ظہر کی دوپہر کو سورج ڈھلنے کے بعد، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جب سایہ ٹیڑھا ہو جائے، مغرب کی نماز سورج ڈوبنے کے بعد فوراً پڑھ لینی چاہیئے، آسمان پر ستاروں کے نمودار ہونے کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ عشاء کی نماز رات کے اوّل حصّے میں ادا کی جائے۔

جمعہ کی نماز کے لئے حکم دیا جاتا ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو فوراً تیزی کے ساتھ نماز کے لئے چل دینا چاہیئے اور جمعہ کی نماز کو جانے سے پہلے غسل کر لینا چاہیئے۔

مالِ غنیمت میں سے اللہ کا خُمس (پانچواں حصّہ) ادا کیا جائے،

ہر مسلمان سے زمین کی پیداوار پر بقدرِ عُشر (دسواں حصّہ) لگان وصول کیا جائے، یہ مقدارِ عُشر اس زمین پر ہے جو بارش یا چشمے سے سیراب ہوتی ہو جو ڈول سے سیراب کی جائے اس پر نصف عُشر لیا جائے۔

مویشیوں میں دس۱۰ اونٹوں پر ۲دو بکریاں لی جائیں اور بیس۲۰ اونٹوں پر چار بکریاں، چالیس۴۰ گایوں پر ایک گائے اور تیس۳۰ گایوں پر ایک بچھڑا، چالیس بکریوں پر ایک بکری۔

یہ مقدار اللہ کی جانب سے مسلمانوں پر زکوٰۃ کے لئے فرض کی گئی ہے، جو اس سے زیادہ دے گا وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

جنگ کے لئے لوگ قبائل اور خاندان کا واسطہ دے کر ایک دوسرے کو حمایت کے لئے نہ بلائیں، کسی کی حمایت صرف خدائے واحد کے لئے کی جائے اور جو شخص خدا کے بجائے محض قبیلے اور خاندان کے نام پر لوگوں کو جنگ کی دعوت دے، ایسے فساد برپا کرنے والے کو ختم کر دینا چاہئے۔

جنگ کے لئے دعوت صرف خدائے واحد کے لئے ہے، جو یہودی یا عیسائی اپنی خوشی اور خلوص دل سے مسلمان ہو جائے اور اللہ کے دین کو قبول کرلے وہ مسلمان ہے، اس کے حقوق اور فرائض وہی ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔

اور جو شخص اپنے یہودی یا عیسائی مذہب پر قائم رہے اُسے ہرگز مذہب بدلنے کے لئے کسی طرح بھی مجبور نہ کیا جائے۔ البتہ اُن

کے ہر بالغ شخص پر ایک دینار جزیہ مقرر کیا جائے، جو سالانہ نقد یا جنس کی صورت میں وصول کیا جائے، اس قیمت کا کپڑا بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔

جو اس رقم کے دینے سے انکار کرے اُسے اللہ کا اُس کے رسولؐ کا اور تمام مسلمانوں کا دشمن سمجھا جائے[1]

محمد رسول اللہ

حضرت عمرو بن حزمؓ کے انتقال کے بعد یہ تحریر اُن کے پوتے قاضی ابو بکر بن محمد بن حزمؓ کے پاس رہی۔ حضرت عمرؓ نے اس دستاویز کو نہ صرف محفوظ رکھا، بلکہ ایک بڑا کام یہ کیا کہ ۲۱ دوسرے مکاتیب نبویؐ جو بنی عادیا، بنی عریض کے یہودیوں، تمیم داری، قبائل جہینہ وجذام وطے وثقیف کے نام تھے حاصل کر کے اُن سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ یہ کتاب عہدِ رسالتؐ کی سیاسی و سرکاری دستاویزوں کا اولین مجموعہ قرار دی جا سکتی ہے۔ یہ مجموعہ ابن طولون کی تالیف اعلام السائلین میں بطور ضمیمہ شامل ہے اور طبع ہو چکا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان ہی عمرو بن حزمؓ کے پوتے قاضی ابو بکرؒ

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۵۶، ۱۵۷ و طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۷، فتوح البلدان جلد اول ص ۷۰۔
کسی اسٹیٹ کے ماتحت رہنا اور اس کے قائم کیے ہوئے امن وامان سے فائدہ اُٹھا کر آزادانہ طور پر اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہوئے محافظ اسٹیٹ کے قانون کی خلاف ورزی کرنے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ شخص اسٹیٹ کے ساتھ وفاداری برتنے کے لئے تیار نہیں ہے، اسی کا نام دشمنی ہے جسے کوئی بھی اسٹیٹ کبھی معاف نہیں کرتی۔

کو تدوینِ حدیث کے کام پر مامور کیا تھا۔ نیز جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو صدقات کے بارے میں احکامِ نبویؐ کی تلاش ہوئی تو انہی دستاویز سے رجوع کیا گیا۔[1]

سردارانِ یمن کے نام

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرو بن حزم انصاریؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو یمن میں اپنے حکام شرجیلؓ اور حارث وغیرہ کے نام حسبِ ذیل مکتوبِ گرامی ارسال فرمایا، جس میں اُن کو اسلام کے فرائض، پیداوار پر عُشر کی مقدار، مویشیوں کی زکوٰۃ کے نصاب اور دین کے ضروری مسائل تحریر فرمائے گئے تھے۔ فرمانِ مبارک کا مضمون یہ ہے:-

خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے

محمد رسول اللہؐ کی جانب سے ———— شرجیلؓ اور حارث وغیرہ کے نام

آپ لوگوں کا قاصد آپ کے بھیجے ہوئے مالِ غنیمت کا خُمس لے کر پہنچا۔

اللہ نے مسلمانوں پر زمین کی بارانی پیداوار اور باغات کے پھلوں پر عُشر (دسواں حصّہ) مقرر کیا ہے۔ لیکن جن کھیتوں اور باغوں کو پانی سے سینچا گیا ہو اُن پر نصف عُشر (بیسواں حصّہ) ہے، بشرطیکہ ہر دو صورتوں میں پیداوار کی مقدار پانچ وسق[2] ہو جائے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم و دار قطنی ص ۲۱۔ [2] وسق ایک عربی وزن ہے جو ۶۰ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع ۲۷۰ تولہ کا ہوتا ہے تو وسق کا وزن موجودہ حساب سے ۲ کوئنٹل کے مساوی سمجھنا چاہیے۔

اونٹوں اور بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے :۔

۱۔ چراگاہوں میں چرنے والے ہر پانچ اونٹوں پر ۲۴ تک ایک بکری دی جائے۔

۲۔ ۲۵ سے ۳۵ تک ایک بنتِ مخاض (اونٹنی کا وہ بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہو جائے) دی جائے۔

۳۔ ۳۶ سے ۴۵ تک ایک بنتِ لبون (اونٹنی کا وہ بچہ جو عمر کے تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو) دی جائے۔

۴۔ ۴۶ سے ۶۰ تک ایک حِقّہ (وہ اونٹ یا اونٹنی جو عمر کے چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو) دی جائے۔

۵۔ ۶۱ سے ۹۰ تک ایک جذعہ (وہ اونٹ یا اونٹنی جو عمر کے پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہو) دی جائے۔

۶۔ ۹۱ سے ۱۲۰ تک ۲ حِقّے دئے جائیں۔

۷۔ ۱۲۰ سے زیادہ اونٹوں پر، ہر ۴۰ کی زیادتی پر ایک بنتِ لبون ہے اور ہر ۵۰ کی زیادتی پر ایک حقّہ مقرر ہے۔

۸۔ چراگاہوں میں چرنے والی بکریوں کی زکوٰۃ ۴۰ سے ۱۲۰ تک ایک بکری ہے۔

۹۔ ۱۲۱ سے ۲۰۰ تک دو بکریاں ہیں۔

۱۰۔ ۲۰۱ سے ۳۰۰ تک تین بکریاں دی جائیں، اور اسی طرح ہر سیکڑے پر ایک بکری کا اضافہ کیا جائے۔

۱۱۔ زکوٰۃ میں بے کار، عیب دار اور بوڑھے جانور نہ دیے جائیں۔

۱۲۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے دو شخصوں کے جانوروں کو آپس میں ملایا نہ

جائے اور نہ متفرق کیا جائے۔

۱۳۔ چاندی کے ہر پانچ اوقیہ[1] پر پانچ درہم زکوٰۃ کے فرض ہیں۔ پانچ اوقیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۱۴۔ پانچ اوقیہ سے زائد پر ہر ۴۰ درہم کے اوپر ایک درہم زکوٰۃ ہے۔

۱۵۔ سونے میں ہر ۴۰ دینار[2] پر ایک دینار فرض ہے۔

۱۶۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے اہل بیت کے لئے صدقہ اور زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، یہ صرف غریبوں اور مسافروں وغیرہ کے لئے ہے۔

۱۷۔ خدا کے ساتھ شرک کرنا، مسلمان کو بے گناہ قتل کرنا، جہاد سے بھاگنا، والدین کی نافرمانی کرنا، بے گناہ کو تہمت لگانا، جادو سیکھنا، سود لینا، اور یتیم کا مال کھانا، اللہ کے نزدیک سب سے بڑے گناہ ہیں۔

۱۸۔ کوئی شخص پاک ہوئے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائے۔

۱۹۔ بیت اللہ کا عمرہ، حج اصغر ہے۔

۲۰۔ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہو سکتی، غلام آزاد کرنے کے لئے پہلے خرید لینا ضروری ہے۔

۲۱۔ ایک ایسے کپڑے میں جس سے پورا بدن ڈھک نہ سکے نماز نہ پڑھی جائے۔ بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔

۲۲۔ جو شخص کسی مومن کو قتل کرے گا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، لیکن اگر مقتول کے وارث دیت (خوں بہا) لینے پر رضامند ہو جائیں

---

[1] اوقیہ۔ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے اور درہم تین ماشے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔
[2] دینار، سونے کا سکہ ہوتا ہے جسے موجودہ زمانے میں پونڈ کے مساوی سمجھنا چاہئے۔

تو ایک قتل کی دِیَتُ میں ۱۰۰ اونٹ دیے جائیں، آنکھوں، ہونٹوں کمر، زبان، اور شرم گاہ کی بھی یہی دِیَت ہے۔

۲۳- ایک پاؤں کی دیت ۵۰ اونٹ ہیں، مَامُومَہ[1] کی بھی یہی دِیَت ہے۔ جائفہ[2] کی دیت ایک تہائی ہے۔ اس ضرب کی دِیَت جو لکڑی سے لگائی گئی ہو ۱۵ اونٹ ہیں۔ ہاتھ اور پیر کی انگلیوں میں سے ہر انگلی کی دِیَت ۱۰ اونٹ ہیں، اور ہر دانت کی دِیَت پانچ اونٹ ہیں۔ مُوضِحَہ[3] کی کی دِیَت بھی ۵ اونٹ ہیں۔

عورت کے قصاص میں بھی قاتل کو خواہ مرد ہو یا عورت قتل کیا جائے گا۔

یہ عام لوگوں کی دِیَت کا نصاب ہے، مال دار شخص کو دِیَت کے ایک ہزار دینار دینے ہوں گے۔[4]

محمد رسول اللہ

---

[1] ماموِمہ، سر کا وہ زخم جو دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے۔

[2] جائفہ، پیٹ کا زخم۔

[3] موضحہ، سر کے اس زخم کو کہتے ہیں جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے۔

(المغرب جلد اول ص ۲۰، ۱۰۰ و جلد ۲ ص ۲۵۳)

[4] رسالاتِ نبویہ ص ۱۵۵، ۱۵۸ بحوالہ مستدرک حاکم۔

یزید بن المُحَجَّل حارثی کے نام

بنی الحارث کا ایک وفد یزید الحارثی کی قیادت میں بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حسبِ ذیل فرمان لکھے جانے کا حکم فرمایا:

خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے

مقامِ نمرہ اور اس کے آب پاشی کے ذرائع اور نمرہ کے جنگل میں وادی الرحمٰن ان ہی کی ملکیت میں رہے گی۔

یزید اور اُن کے بعد ان کے جانشین اپنے قبیلے بنی مالک پر سردار رہیں گے، ان لوگوں سے نہ تو جنگ کی جائے گی اور نہ انھیں ان کی بستیوں سے نکالا جائے گا۔ بقلم مغیرہ بن شعبہ[1]

محمد رسول اللہ

مُسَیلمہ کذّاب کے نام

گزشتہ صفحات میں یمامہ کے حاکم ہوذہ بن علی کے نام مکتوبِ ہدایت روانہ کیے جانے کا ذکر گزر چکا ہے۔

ہوذہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب میں لکھا تھا کہ:۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۲ و رسالاتِ نبویہ ص ۳۱۶۔

"اگر آپؐ مجھے حکومت میں شریک کرلیں تو میں آپؐ کی پیروی اختیار کرسکتا ہوں، آپؐ نے اُس کے مطالبے کو رد فرما دیا تھا"

ہوذہ کے مرنے کے بعد مسیلمہ نامی ایک شخص اس کا جانشین ہوا، اس نے یمامہ کا حاکم مقرر ہوتے ہی اپنے پیش رو سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا اور اپنی جھوٹی نبوّت کا دعوٰی کردیا، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ :-

" مجھے آپؐ کی نبوّت میں شریک کیا گیا ہے "

مسیلمہ کذّاب کے خط کا مضمون یہ تھا :-

خدا کے رسول مسیلمہ کی طرف سے ________ محمد رسول اللہؐ کے نام

مجھے آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے، اس لیئے آدھا ملک ہمارے لیئے ہونا چاہیئے، اور آدھا قریش کے لیئے، مگر قریش کی قوم زیادتی کرنے والی ہے[1]

ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذّاب کا یہ خط سُن کر فرمایا کہ :

" اس شخص نے خدا پر بہتان طرازی کی ہے "

پھر حضرت ابی بن کعبؓ کو جواب لکھنے کے لیئے ارشاد فرمایا :-

مسیلمہ کے نام اس مکتوب گرامی میں آپؐ نے سورۂ اعراف کی صرف ایک آیت لکھوائی، نامۂ مبارک کا مضمون یہ ہے :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد رسول اللہ کی جانب سے ________ مسیلمہ کذّاب کے نام

سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی - اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝

سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے ! زمین اللہ ہی کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۶۶۔

اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں ہی کے لئے ہے[1]"

محمد رسول اللہ

مکتوب گرامی بلاغت اور ادبیت کا ایک بے مثل شاہ کار ہے۔ اس کا دوسرا حصہ قرآنِ حکیم کی سورۃ اعراف کی ایک آیت ہے، جس سے مسیلمہ کے خط کے جواب کا کام لیا گیا ہے، اور صرف چند لفظوں میں تمام ضروری باتوں کا جواب آگیا ہے۔

۱۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ	سے اپنی نبوت کا اثبات
۲۔ مُسَیْلَمَۃُ الْکَذَّابُ	سے مکتوب الیہ کے دعویٰ کی تکذیب وتغلیط
۳۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ	سے اس کے دوسرے دعویٰ کی تغلیط کہ "ملک دونوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے"۔
۴۔ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ	سے یہ بتلایا گیا ہے کہ خدا کی زمین کا اصلی مالک اللہ ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے قبضے میں دے دیتا ہے۔
۵۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ	سے یہ تبلیغ کی گئی ہے کہ اگر تم بھی خدا کے نیک بندے اور متقی بن جاؤ تو ممکن ہے کہ تمہیں بھی اس کا مالک بنا دیا جائے۔

اس قدر پھیلے ہوئے مضمون کو صرف چند لفظوں میں اس خوبصورتی کے ساتھ ادا کر دینا کہ کہیں تعقید پیدا نہ ہونے پائے، یہی بلاغت کا انتہائی کمال سمجھا جاتا ہے۔

مسیلمہ کے خط کے مضمون سے کہ " مجھے نبوت میں شریک کیا گیا ہے اس لئے ملک آدھا آدھا تقسیم ہونا چاہئے، مگر قریش زیادتی کرنے والی قوم ہے"۔ صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ وہ حصولِ اقتدار کی حرص و ہوس میں عرب قبلِ اسلام کی قبائلی

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۴۶ و طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۶

عصبیت و رقابت کا شکار ہو چکا تھا۔ اس لئے اُس پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبِ ہدایت کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوا، آپؐ کی وفات کے بعد اُس کے دعوائے نبوّت نے فتنہ جُو اور شر پسند لوگوں کے لئے فتنہ انگیزی کا دروازہ کھول دیا۔ مسیلمہ نے شراب اور بدکاری کو جائز قرار دے دیا، فجر اور عشاء کی دو نمازیں معاف کر دی گئیں۔

ان باتوں کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑی سی مدت میں ۴۰ ہزار کا لشکر جرار اس کے گرد جمع ہو گیا۔ لیکن بالآخر ایک سخت معرکے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ کے ہاتھ سے زبانِ وحیٔ ترجمان کی پیش گوئی کے مطابق بے نیل و مرام دنیا سے رخصت ہوا[1]

(فتوح البلدان جلد اول ص ۸۹)

مُعاذِ بن جبلؓ کے نام

یہ انصار میں سے تھے۔ ۱۸ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، ہجرتِ نبویؐ سے قبل مدینہ منورہ میں حضرت مُصعَب بن عمیرؓ کے توجہ دلانے پر اسلام سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، طبیعت فطرتاً اثر پذیر واقع ہوئی تھی۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جلیل القدر صحابہؓ میں سے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۱ھ / ۶۳۲ء میں اُن کو یمن کے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے مامور فرمایا۔ آپ کو اطلاع ملی کہ اُن کے فرزند کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس پر آپؐ نے حضرت معاذؓ کو تعزیتی نامۂ مبارک ارسال فرمایا، جس میں مصائب پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔

مکتوب گرامی کا مضمون یہ ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد رسول اللہؐ کی جانب سے ______________ معاذ بن جبلؓ کے نام

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ ، میں خدائے واحد کی حمد کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارا اجر بڑھائے اور تمہارے غم گین دل کو صبر عطا فرمائے ، اور شکرِ الٰہی کی توفیق بخشے۔

حقیقت میں ہماری جانیں ، ہمارے اہل و عیال اور ہمارے اموال اللہ کے عطیات میں سے مستعار امانتیں ہیں۔ جب تک چاہتا ہے اپنے بندے کو اُس سے بہرہ ور فرماتا ہے ، اور جب وقتِ مقررہ آجاتا ہے تو واپس لے لیتا ہے۔

بندے کا فرض ہے کہ اللہ جب کوئی نعمت عطا فرمائے تو اُس کا شکر ادا کرے ، اور جب وہ نعمت واپس لے لی جائے تو صبر کرنا چاہیئے۔

تمہارا فرزند اللہ کی ایک اچھی امانت تھا ، اس نے جب تک چاہا تمہاری آنکھوں کو اُس سے ٹھنڈا رکھا ، اور جب چاہا اجرِ عظیم کے عوض میں تم سے لے لیا ، بشرطیکہ تم اللہ کی رضا پر صبر اختیار کرو۔

اے معاذؓ ! اگر تم نے بے صبری اختیار کی تو تم اللہ کے یہاں اپنے اجر و ثواب کو ضائع کر دو گے۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس صدمے پر تمہیں کس قدر اجر و ثواب اللہ کے یہاں دیا گیا ہے تو یہ صدمہ تمہاری نظر میں حقیر بن جائے گا۔

مصیبت اور تکلیف پر صبر کرنے والوں سے اللہ نے جو وعدہ کیا ہے بلا شبہ آخرت میں تم اُسے پورا پورا پاؤ گے ، اللہ کے وعدے

سے تمہارا غم ہلکا ہو جانا چاہیئے، جو ہونے والا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ والسلام [1]

محمد رسول اللہ

بنی معاویہ بن جرول کے نام

طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی معاویہ بن جرول کے لیے تحریر فرمایا [1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان لوگوں میں سے جو اسلام لائے، نماز پڑھے، زکوٰۃ ادا کرے اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، مال غنیمت میں سے اللہ کا خمس اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ دے، مشرکین سے علیحدہ رہے اور اپنے اسلام کا اعلان کرے وہ اللہ اور اس کے رسول کی حفاظت میں ہے! اسلام قبول کرنے کے وقت جو کچھ اُن کے پاس ہوگا وہ انھیں

---

[1] رسالاتِ نبویہ ص ۲۷۰، ۲۷۷، بحوالہ حلیۃ ابو نعیم۔ بعض علمائے محققین کو اس مکتوبِ گرامی کی صحت کے بارے میں یہ شبہ ہے کہ حضرت معاذ رضؓ کے فرزند جن کا نام عبدالرحمٰن تھا اُن کا انتقال ۱۸ھ / ۶۳۹ء کے طاعون عمواس میں ہوا تھا۔ اس لئے زمانۂ نبوت میں تعزیت کے کیا معنی ہیں۔ لیکن نامۂ مبارک میں حضرت معاذ رضؓ کے فرزند کا نام تحریر نہیں ہے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ عبدالرحمٰن کے علاوہ دوسرے کوئی فرزند ہوں، جن کا کم عمری میں انتقال ہوا ہو، اور تاریخ میں ان کا تذکرہ نہ آسکا ہو۔ (بقیہ حاشیہ ص آئندہ پر)

کار ہے گا! بھیڑیں چرتے چرتے جہاں تک پہنچ جائیں وہاں تک زمین کے وہی مالک سمجھے جائیں گے۔[1]

محمد رسول اللہ

جن کے نام

ابو دجانہ رض، عرب کے نام ور، بہادر، نڈر اور نہایت جری شخص تھے، انھوں نے غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک میں تلوار لے کر فرمایا:

"کون اس کا حق ادا کرتا ہے؟"

اس سعادت کے لیے دفعۃً بہت سے ہاتھ بڑھے، مگر یہ فخر ابو دجانہ رض کے نصیب میں تھا۔ وہ تلوار لے کر دشمن کی فوج میں گھس گئے، اور اس کی صفیں الٹ دیں[2]۔

ابو دجانہ رض بیان کرتے ہیں کہ "میں ایک مرتبہ رات کو اپنے بستر پر سونے کے لیے لیٹا تو میں نے ایک خوفناک آواز سنی اور بجلی کی سی چمک نظر آئی۔ میں نے باہر کی طرف دیکھا تو مجھے صحن میں ایک سایہ حرکت کرتا ہوا نظر آیا۔ میں اس کی طرف بڑھا تو اچانک آگ کا ایک شعلہ میری طرف لپکا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مجھے جلا دے گا۔

(بقیہ مرگذشتہ) اس مکتوبِ گرامی کے بعد آخر تک وہ تاریخی ترتیب جس کا شروع سے التزام رکھا گیا ہے باقی نہیں رہ سکی۔

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۲۔

[2] صحیح مسلم و طبقات ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۱۰۱۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا :-

" ابودجانہؓ وہ کوئی جن[1] ہوگا "

یہ فرماکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ اور قلم دوات طلب کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حسب ذیل فرمانِ مبارک لکھنے کا حکم فرمایا :-

---

[1] جن ایک غیر مرئی مخلوق یعنی نظر نہ آنے والی چیز ہے، یہ بات لازمی اور ضروری نہیں کہ جو چیز دکھائی نہ دیتی ہو، حقیقت میں اُس کا کوئی وجود بھی نہ ہو، قرآن مجید سے پہلے صحفِ آسمانی میں بھی جنات کا ذکر ملتا ہے، انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ایسے کئی معجزے مذکور ہیں جن میں انھوں نے بہت سے آدمیوں کو بدروحوں سے نجات دلائی ہے، دنیا کی تمام قوموں میں یہ اعتقاد کسی نہ کسی حیثیت سے موجود رہا ہے کہ انسان کے علاوہ اس دنیا میں ایک غیر مرئی مخلوق بھی پائی جاتی ہے۔ بیسویں صدی کے اس سائنسی دور میں بھی ارواح سے نامہ و پیام اور اُن کی تسخیر کے واقعات اخباروں کے ذریعے سننے میں آتے رہتے ہیں۔

عربوں میں قبلِ اسلام جنّات کی نسبت غیر معمولی قوت اور عظمت کا تصور پایا جاتا تھا، قرآن مجید نے بتلایا کہ جنات بھی اسی طرح عاجز اور بے بس ہیں جیسے انسان، جنوں میں اچھے بُرے، عالم و جاہل، نیک و بد، شریف و سرکش اور مومن و کافر بھی طرح کے ہوتے ہیں۔ خدا کی یہ مخلوق بھی توحید و رسالت اور عبادت و احکامِ خداوندی کی ویسی ہی مکلف ہے جیسے انسان، قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (الذاریات ۵۶)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

جو لوگ جنّات کے وجود کا انکار کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے جنّات کی حقیقت معلوم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی، جس طرح بہت سے جرثومے (GERMS) خوردبین کے بغیر دیکھے نہیں جا سکتے، ایٹم (ATOM) جو برقی توانائی سے بھرپور ہوتا ہے، خاص آلات کے بغیر نظر نہیں آتا، آسمان میں کتنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھٰذَا الْكِتَابُ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اِلٰی مَنْ طَرَقَ الدَّارَ مِنَ الْعُمَّارِ وَالزُّوَّارِ وَالصَّالِحِیْنَ اِلَّا طَارِقٌ یَطْرُقُ بِخَیْرٍ یَارَحْمٰنُ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاِنَّ لَنَا وَلَكُمْ فِی الْحَقِّ سَعَۃً فَاِنْ تَكُ عَاشِقًا مُوْلَعًا اَوْ فَاجِرًا مُقْتَحِمًا اَوْ رَاعِیًا حَقًّا مُبْطِلًا ھٰذَا الْكِتَابُ اللّٰہِ یَنْطِقُ عَلَیْنَا وَ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وَرُسُلُنَا یَكْتُبُوْنَ مَا كُنْتُمْ تَمْكُرُوْنَ اُتْرُكُوْا صَاحِبَ كِتَابِیْ ھٰذَا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بے شمار ستارے ہیں جن کا علم طاقت ور دوربین کے بغیر ممکن نہیں ہے، ہوا میں مختلف گیسیں شامل ہیں جو نظر نہیں آتیں، بس کچھ ایسی ہی صورت جنات کی بھی ہے' ان کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے "فن عملیات" کے ماہرین نے خاص طریقے وضع کئے ہیں، ان طریقوں کے ذریعے سے نہ صرف یہ کہ جنات کے وجود کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس فن کے عامل اپنے عمل کے ذریعے سے جنوں کا تعاون حاصل کرلیتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام لیتے ہیں۔

میرے والد مرحوم جنات کے عامل تھے۔ ایک جن ہمارے یہاں خدمت گار کے طور پر کام کیا کرتا تھا۔ ایسے جن جو انسانوں کو ایذا و تکلیف پہنچاتے ہیں، والد مرحوم انھیں قید و بند وغیرہ قسم کی مختلف سزائیں بھی دیا کرتے تھے، جنات کے ضرر اور ایذا رسانی سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ خاص طرح کے عمل کرتے تھے' اور بڑی سے بڑی مصروفیت میں بھی ان کے حفاظتی عمل میں فرق نہیں آتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں کسی دن اپنا عمل ترک کردوں تو جن مجھے فوراً ہلاک کردیں گے' اس سلسلے میں وہ ایسے لوگوں کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے جنھیں احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرنے اور ترک عمل کی وجہ سے جنوں نے ہلاک کردیا تھا۔

اس لئے جو لوگ فن عملیات سے اپنی ناواقفیت کی وجہ سے جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں، اس کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔ (سید محبوب رضوی)

وَانْطَلِقُوا اِلٰی عَبَدَةِ الْاَصْنَامِ وَمَنْ یَزْعُمُ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا
اٰخَرَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ لَہُ الْحُکْمُ وَ
اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ تُغْلَبُوْنَ حٰمٓ لَا تُنْصَرُوْنَ حٰمٓ عٓسٓقٓ
تَفَرَّقَ اَعْدَآءُ اللّٰہِ وَبَلَغَتْ حُجَّۃُ اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ
اِلَّا بِاللّٰہِ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝[1]

محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربُّ العالمین کے رسول محمدؐ کی یہ تحریر ______ اُس شخص کے نام ہے جو رات کے وقت کسی بھی سبب سے گھر میں آئے، یا گھر میں رہتا اور ضرر پہنچاتا ہے، یا رحمٰن! اسے نیکی عطا فرما!۔

بعد ازاں! ہمارے اور تمہارے مابین حق میں وسعت اور گنجائش ہے، پس اگر تو کسی پر عاشق ہے اور اُس کو چاہتا ہے اور تو حق و باطل میں تمیز نہ کر کے زبردستی کرنے والا ہے اور امرِ حق کو جھٹلاتا ہے، تو تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کی کتاب ہمارے اور تمہارے مابین صحیح فیصلہ کرنے والی ہے (اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ) "یہ ہماری کتاب ہے جو تمہارے مقابلے میں ٹھیک ٹھیک بولتی ہے، تم جو کچھ کرتے ہو ہم اُسے ریکارڈ کر لیتے ہیں، اور ہمارے فرشتے بھی اُسے لکھتے رہتے ہیں۔"

---

[1] خصائص الکبریٰ مصنفہ حافظ جلال الدین السیوطی جلد دوم صہ ۹۸، ۹۹۔
مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۲۰ھ۔

لہذا جس شخص کے پاس میری یہ تحریر ہے اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دو اور اصنام پرستوں میں بھاگ جاؤ، یا اُس شخص کے پاس چلے جاؤ جو اللہ کے ساتھ دوسرے کو بھی معبود ٹھہراتا ہے، حالانکہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے! اُس کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اس کائنات میں صرف اُسی کی حکمرانی ہے اور اُسی کے پاس سب کو (مرنے کے بعد) لوٹ کر جانا ہے" [1] تُغلبُونَ، "حٰمٓ [2]" ان کی مدد نہ کی جائے، "حمعسق [3]" خدا کے دشمن تتر بتر ہو جائیں!

خدا کی حجت پہنچ چکی ہے، اللہ کے سوا کسی کو طاقت اور قوت حاصل نہیں ہے! پس اللہ تعالےٰ جو سُننے اور جاننے والا ہے، اُن کے شر سے تجھے بچانے کے لئے کافی ہے!!

محمد رسول اللہ

ابو دجانہ رضؓ کا بیان ہے کہ میں رات کو اس نامۂ مبارک کو تکیے کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔ میں نے ایک آواز سُنی، کوئی کہہ رہا تھا کہ "اے ابو دجانہ رضؓ! لات و عزیٰ [4]

---

[1] واوین کے درمیان کی عبارت قرآن مجید کی ان آیات کا ترجمہ ہے جو نامۂ مبارک میں لکھی گئی ہیں۔

[2،3] اس طرح کے حروف جو قرآن مجید کی بعض سورتوں کے شروع میں ہیں مُقَطَّعات کہلاتے ہیں اور حروف تہجی کی طرح علیحدہ علیحدہ پڑھے جاتے ہیں۔ حروف مقطعات ۱۹ سورتوں کے شروع میں ہیں۔ حٰمٓ اور حمعسق یہ حروف عاملین کے یہاں دفع جنات کے لئے خاص طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔

[4] لات و عُزیٰ، عرب کے دو بڑے بتوں کے نام تھے، لات طائف میں تھا اور عزیٰ مکہ مکرمہ کے مضافات میں نخلہ کے مقام پر نصب تھا۔ (تاریخ طبری، ذکر فتح مکہ)

کی قسم تم نے تو ہمیں جلا دیا، اگر تم یہ تحریر اپنے تکیے کے نیچے سے نکال لو تو اس کے لکھنے والے کی قسم ہے ہم پھر کبھی تمہارے گھر یا پڑوس میں نہیں آئیں گے۔"

ابو دجانہ رضؓ کہتے ہیں کہ "میں نے صبح کو بارگاہِ اقدس ﷺ میں یہ واقعہ عرض کیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو دجانہ رضؓ! اس تحریر کو نکال لو، ورنہ اس ذات کی قسم جس نے مجھے رسول ﷺ بنا کر بھیجا ہے، قیامت تک جنوں کی قوم عذاب میں مبتلا رہے گی!؎۱

ضُمَیرہ لیثیؓ کے نام

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں آپ ﷺ نے ایک عورت کو روتے ہوئے دیکھا —— ، آپ ﷺ ٹھہر گئے اور رونے کا سبب دریافت فرمایا:

عورت نے عرض کیا کہ "میرے بیٹے ضُمیرہ کو غلام بنا کر بیچ دیا گیا ہے، میری

؎۱ خصائص الکبریٰ و ظفرِ جلیل شرح حصن حصین، مترجمہ مولانا قطب الدین دہلوی ص ۱۹۰ مطبوعہ مطبع محمدی کانپور ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اَللآلی المصنوعہ میں اسی قسم کے ایک مکتوبِ نبوی ﷺ کو ایک دوسرے متن کے ساتھ نقل کر کے اس کی صحت پر کلام کیا ہے۔ مگر اس مکتوبِ مبارک کو عملیات کے ماہرین کے یہاں دفعِ جنات کے لئے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جو لوگ نامۂ مبارک کو جنات کے دفع کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہیں وہ راقم سطور سے مندرجہ ذیل پتہ پر اس کا طریقہ معلوم کر سکتے ہیں۔

سید محبوب رضوی، علمی مرکز دیوبند (یوپی)

زندگی کا وہی ایک سہارا تھا، اُس کی یاد میں رو رہی ہوں"۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعے سے بہت متاثر ہوئے اور آپؐ نے آدمی بھیج کر ضمیرہ لیثی کو اُس کے مالک سے خرید لیا اور آزاد کر کے یہ فرمان عطا فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی یہ تحریر ________ ضمیرہ لیثی کے لئے ہے

رسول اللہؐ نے ضمیرہ لیثی کو غلامی سے آزاد کر دیا، اب وہ بالکل آزاد ہے، اگر وہ رسول اللہؐ کے پاس رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے، اور اگر اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہے تو جا سکتا ہے۔

کوئی شخص اس سے سوائے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کرے اور جو مسلمان اس سے ملے اُس کو چاہئے کہ ضمیرہ کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔[1]

محمد رسول اللہؐ

ضمیرہ لیثی کے پوتے حسین کے ساتھ ایک مرتبہ سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ چوروں نے اُن کے قافلے پر حملہ کیا، اور جو کچھ لوگوں کے پاس تھا لوٹ لیا۔ حسین نے چوروں کو یہ فرمانِ رسالتؐ دکھا کر اُس کے مضمون سے مطلع کیا تو چوروں نے لوٹا ہوا مال جوں کا توں واپس کر دیا۔

ایک مرتبہ حسین اس فرمانِ رسالتؐ کو لے کر خلیفہ مہدی عباسی کے پاس گئے، مہدی نے فرمانِ رسالتؐ کو آنکھوں سے لگایا اور حسین کو انعام میں ۳ سو دینار دیئے۔[2]

---

[1] رسالات نبویہ ص ۱۰۵، بحوالہ صحیح بخاری و استیعاب جلد اول ص ۲۳۹۔ [2] ایضاً ص ۱۰۵۔

بنی نہد کے نام

تہامہ کا ایک قبیلہ بنی نہد بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم لوگ تہامہ سے حاضر ہوئے ہیں، ہمارا قبیلہ سخت مصائب میں مبتلا ہے۔ جانوروں کی اُون اور پیلُو کے پھلوں پر ہماری گزر بسر ہوتی ہے۔ مگر خشک سالی نے ہمارے جانوروں کو ہلاک کر دیا ہے اور درخت سوکھ گئے ہیں۔ ہم آپ کے پاس شرک و ظلم سے بےزار اور حوادثِ روزگار سے عاجز آکر حاضر ہوئے ہیں، ہمارے قبیلے نے حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر اسلامی احکام کی بجا آوری کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ خداوند تعالیٰ ہماری تکلیفوں کو دُور فرما دے!"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ:

"اے اللہ! بنی نہد پر اپنی برکت نازل فرما، ان کے درختوں کو بار آور فرما، انھیں اپنی رحمت اور پانی سے محروم نہ رکھ، ان کے اموال و اولاد میں برکت عطا فرما!"

دعا کے بعد بنی نہد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تم لوگوں میں سے جو نماز پڑھے وہ مسلمان ہے، اور جس نے زکوٰۃ دی اُس نے احسان کا درجہ پایا اور جس نے اس کا اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ مخلص ہے!"

"اے بنی نہد! تم نے اب تک کفر و شرک کی حالت میں جو گُناہ کئے وہ سب اسلام قبول کرنے کے بعد معاف ہو گئے۔

تم لوگوں سے بھی اُسی قدر صدقات لئے جائیں گے جتنے دوسروں سے لئے جاتے ہیں، یاد رکھو اسلام قبول کرنے کے بعد

زندگی کا وہی ایک سہارا تھا، اُس کی یاد میں رو رہی ہوں"۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعے سے بہت متاثر ہوئے اور آپؐ نے آدمی بھیج کر ضمیرہ لیثی کو اُس کے مالک سے خرید لیا اور آزاد کر کے یہ فرمان عطا فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی یہ تحریر ——————— ضمیرہ لیثی کے لئے ہے

رسول اللہؐ نے ضمیرہ لیثی کو غلامی سے آزاد کر دیا، اب وہ بالکل آزاد ہے، اگر وہ رسول اللہؐ کے پاس رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے، اور اگر اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہے تو جا سکتا ہے۔

کوئی شخص اس سے سوائے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کرے اور جو مسلمان اس سے ملے اُس کو چاہئے کہ ضمیرہ کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے[1]

محمد رسول اللہ

ضمیرہ لیثی کے پوتے حسین کے ساتھ ایک مرتبہ سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ چوروں نے اُن کے قافلے پر حملہ کیا، اور جو کچھ لوگوں کے پاس تھا لوٹ لیا۔ حسین نے چوروں کو یہ فرمانِ رسالتؐ دکھا کر اُس کے مضمون سے مطلع کیا تو چوروں نے لوٹا ہوا مال جوں کا توں واپس کر دیا۔

ایک مرتبہ حسین اس فرمانِ رسالتؐ کو لے کر خلیفہ مہدی عباسی کے پاس گئے، مہدی نے فرمانِ رسالتؐ کو آنکھوں سے لگایا اور حسین کو انعام میں ۳ سو دینار دیئے۔[2]

---

[1] رسالات نبویہ صفحہ ۱۰۵ بحوالہ صحیح بخاری و استیعاب جلد اول صفحہ ۳۲۹۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔

بنی نہد کے نام

تہامہ کا ایک قبیلہ بنی نہد، بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم لوگ تہامہ سے حاضر ہوئے ہیں، ہمارا قبیلہ سخت مصائب میں مبتلا ہے۔ جانوروں کی اون اور پیلو کے پھلوں پر ہماری گزر بسر ہوتی ہے۔ مگر خشک سالی نے ہمارے جانوروں کو ہلاک کر دیا ہے اور درخت سوکھ گئے ہیں۔ ہم آپ کے پاس شرک و ظلم سے بے زار اور حوادثِ روزگار سے عاجز آ کر حاضر ہوئے ہیں، ہمارے قبیلے نے حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر اسلامی احکام کی بجا آوری کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ خداوند تعالیٰ ہماری تکلیفوں کو دور فرما دے!"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ:

"اے اللہ! بنی نہد پر اپنی برکت نازل فرما، ان کے درختوں کو بار آور فرما، انھیں اپنی رحمت اور پانی سے محروم نہ رکھ، ان کے اموال و اولاد میں برکت عطا فرما۔"

دعا کے بعد بنی نہد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تم لوگوں میں سے جو نماز پڑھے وہ مسلمان ہے، اور جس نے زکوٰۃ دی اُس نے احسان کا درجہ پایا اور جس نے اس کا اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ مخلص ہے۔"

"اے بنی نہد! تم نے اب تک کفر و شرک کی حالت میں جو گناہ کئے وہ سب اسلام قبول کرنے کے بعد معاف ہو گئے۔

تم لوگوں سے بھی اُسی قدر صدقات لئے جائیں گے جتنے دوسروں سے لئے جاتے ہیں، یاد رکھو اسلام قبول کرنے کے بعد

زکوٰۃ اور حق سے مُنہ نہ پھیرنا اور نماز میں ہرگز سُستی نہ کرنا۔

اس کے بعد آپؐ نے بنی نہد کو حسبِ ذیل فرمانِ رسالت عطا فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہؐ کی جانب سے ―――――― بنی نہد کے نام

اُس پر سلامتی ہو جو اللہ اور اُس رسولؐ پر ایمان لائے!۔

جو شخص نماز پڑھے وہ مومن ہے اور جو زکوٰۃ ادا کرے وہ مسلمان ہے اور جو شخص خدا کی یکتائی کا اقرار کرے اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے وہ اللہ کے نزدیک غفلت کرنے والوں میں شمار نہیں ہوگا۔

تمہیں اپنی چراگاہوں کے استعمال کا پورا پورا حق حاصل ہوگا اور کوئی تمہارے درخت کاٹ نہ سکے گا۔ زکوٰۃ کی وصولیابی میں نرمی برتی جائے گی، مگر بیمار اور بوڑھے جانور زکوٰۃ میں نہ دیے جائیں!۔

جو شخص اس عہد پر قائم رہے گا رسول اللہؐ پر اس کی مدد کرنا واجب ہے، اور جو شخص اس عہد کو توڑ دے تو یہ اس کی زیادتی ہوگی۔[1]

محمد رسول اللہ

---

[1] رسالاتِ نبویہ ص ۱۰۵، ۱۰۷۔ بحوالہ ابن اثیر۔

ذوالغصہ قیس کے نام

اس قبیلہ بنی نہد کے ایک سردار ذوالغصہ قیس کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مندرجہ ذیل مکتوبِ گرامی تحریر فرمایا جس میں ان کے تحفظ کی ذمّہ داری لیتے ہوئے اُن کو راستوں کی حفاظت کی تاکید فرمائی گئی ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنی الحارث اور بنی نہد، اللہ اور اس کے رسولؐ کی ذمّہ داری میں ہیں۔ نہ تو ان کو ان کی بستیوں سے نکالا جائے گا اور نہ ان سے عُشر لیا جائے گا، بشرطیکہ یہ لوگ نماز پڑھتے رہیں، زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، مشرکین سے علیحدہ رہیں اور اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کرتے رہیں۔

علاوہ ازیں راستوں کی حفاظت بھی ان کے فرائض میں داخل ہوگی۔[1]

محمد رسول اللہؐ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۲۔

عمرو بن معبد الجہنی کے نام

قبیلہ جُہینہ کے ایک شخص عمرو بن معبد الجہنی اور قبیلہ جُرمُز وغیرہ کے نام ایک فرمان تحریر فرمایا گیا، جس میں مرقوم تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان لوگوں میں سے جو اسلام لائے، نماز پڑھے، زکوٰۃ ادا کرے اور اللہ و رسول ؐ کا اطاعت گزار رہے، نیز اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کرتا رہے، مشرکوں سے علیحدہ رہے اور مالِ غنیمت میں اللہ و رسول ؐ کا حصہ ادا کرتا رہے، وہ اللہ و رسول ؐ کی حفاظت میں رہے گا۔

مسلمانوں میں سے جس کا کوئی قرض کسی پر واجب الادا ہوگا تو اس کو صرف اصل رقم دلائی جائیگی رہن کا سود باطل ہوگا!۔

پھلوں کی زکوٰۃ دسواں حصہ ہوگی۔

جو شخص ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا اس کو بھی ان ہی اُمور کی پابندی کرنی ہوگی [1]

محمد رسول اللہ ؐ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صر ۲۴، ۲۵۔

عبدِ یغوثُ الحارثی کے نام

طبقات ابن سعد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یغوث الحارثی کے نام حسب ذیل مکتوبِ گرامی تحریر فرمایا، جس میں مکتوب الیہ کو جائداد کی بحالی کا یقین دلایا گیا ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبد یغوث الحارثیؓ جس جائداد کی زمینداری رکھتے ہوئے اسلام لائے ہیں وہ آراضی اور اس کی تمام چیزیں اور نخلستان وغیرہ ان کے اور ان کی قوم کے اُن لوگوں کے لئے بحال رہیں گے جو عبد یغوث کی اطاعت اور پیروی کریں گے۔

جب تک یہ لوگ نماز کو قائم رکھیں، زکوٰۃ دیتے رہیں، اور جہاد کے مالِ غنیمت میں سے خُمس (پانچواں حصّہ) ادا کرتے رہیں گے، ان سے زمین کی پیداوار کا عُشر (دسواں حصّہ) نہیں لیا جائے گا اور نہ انھیں ان کی زمین داری سے بے دخل کیا جائے گا۔[1]

محمد رسول اللہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صر ۲۲ و رسالاتِ نبویہ صر ۱۹۱۔ بحوالہ مصباح المضی۔

ربیعہ بن ذی مرحب الحضرمی کے نام

حضرموت میں ربیعہ بن ذی مرحب الحضرمی کا خاندان ایک خاص امتیاز کا مالک تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ اور اُن کے بھائیوں کو اُن کی املاک پر بحال رکھتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان لوگوں کا مال اور دولت، غلام، کنویں، نہریں، دیہات اور اُن کے درخت، جنگل کی گھاس، جو حضرموت میں ہے، ذی مرحب کے خاندان کے لئے ہے۔

جس نہر سے یہ لوگ آب پاشی کرتے ہیں اور جو آلِ قیس تک بہتی ہے وہ بھی ان ہی کی رہے گی۔

جو باغ وغیرہ ان کے پاس رہن ہیں ۔ ان کی پیداوار کا حق رہن رکھنے والے ہی کو حاصل ہوگا۔ مُرتہن شئے مرہُونہ سے نفع حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے سے اللہ اور اس کا رسولؐ بری ہوں گے۔ مسلمانوں پر خاندان ذی مرحب کی مدد واجب ہوگی، اور مسلمانوں پر ضروری ہوگا کہ ان کو جانی و مالی نقصان سے بچائیں۔ اللہ اور اُس کا رسولؐ ان کے مددگار رہیں [1]

محمد رسول اللہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۱، در رسالاتِ نبویہ ص ۱۴۷ بحوالہ مصباح المضئی۔

قبیلۂ کلب کے نام

قبیلۂ کلب کے سردار قطن بن حارثہ اپنے قبیلے کے افراد کے ساتھ بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک فرمان عطا فرمایا، جس میں نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل انھیں تلقین کیے گئے تھے۔ فرمانِ مبارک یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد نبی رسول اللہؐ کی جانب سے ـــــــــ قبیلۂ کلب کے بنی جناب اور اُن کے حلیفوں کے نام! ـــــــــ

جو لوگ نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں، اور اپنے ایمان کو پختہ رکھیں اور عہد کے پورا کرنے میں سرگرمی دکھلائیں، ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ بغیر چرواہے کے چرنے والی بکریوں میں ہر پانچ بکریوں پر ایک بکری زکوٰۃ میں دیں اور جن اونٹنیوں کے بچے مر جائیں ایسی پچاس اونٹنیوں پر ایک بے عیب اونٹنی زکوٰۃ کی ادا کی جائے۔

بار برداری کے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

جس زمین کی نہر سے آب پاشی کی جائے اس پر عُشر (دسواں حصّہ) ہے، اور جو زمین بارش سے سیراب ہوتی ہے اُس پر نصف عُشر زکوٰۃ کا دیا جائے۔

جو جانور راستہ بھول کر ان کے علاقے میں آجائیں وہ انھیں کے ہوں گے۔ جو تعداد ان پر مقرر کی گئی ہے اس سے زیادہ

ن سے وصول نہیں کیا جائے گا۔

اللہ اور اس کا رسولؐ اس تحریر کے ذمہ دار ہیں۔" ؎۱

محمد رسول اللہ

مہریِ بن الابیض کے نام

قبیلۂ مہرہ کا ایک وفد مہری بن ابیض کی قیادت میں بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ مہرہ کو ان کی حفاظت اور املاک کی بحالی کا اطمینان دلا کر اخلاقی اور شرعی احکام کی ہدایت کرتے ہوئے خلاف ورزی کرنے والے کو سرزنش فرمائی ہے، اور جانوروں کو پیاسا نہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، اُن کو جو فرمانِ رسالتؐ لکھ کر دیا اس کے الفاظ یہ تھے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ قبیلۂ مہرہ کے مومنین کی آبادیوں کو ویران اور برباد نہیں کیا جائیگا۔ نہ اُن پر حملہ کیا جاسکے گا اور نہ اُن سے جنگ کی جائے گی۔

۲۔ اُن لوگوں کے لئے شریعت کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۳۔ گری پڑی چیز اُس کے مالک کو دینی ہوگی۔

۴۔ مویشیوں کو پیاسا نہ رکھا جائے۔

۵۔ نافرمانی، بدکلامی اور خوں ریزی سے بچنا چاہئے۔

؎۱ طبقات ابن سعد جلد ۲ مر ۳۴ و رسالاتِ نبویہ مر ۲۲۲، ۲۲۳۔

۶۔ جو شخص ان اُمور کی پابندی کرے گا وہ اللہ و رسولؐ کی ذمہ داری میں ہوگا، اور خلاف ورزی کرنے والا گویا اللہ سے جنگ کرنیوالا سمجھا جائے گا۔[1]

محمد رسول اللہ

بنی زُہیر کے نام

طبقات ابن سعد میں ابو العلاء سے روایت ہے کہ میں اونٹوں کے ایک میلے میں گیا ہوا تھا۔ ایک شخص النمر بن تولب میرے پاس چمڑے کا ایک ٹکڑا لے کر آیا اور بتلایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مقدس ہے جو میرے قبیلے کے نام تحریر فرمایا گیا ہے۔

میں نے دیکھا اُس میں لکھا ہوا تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد النبیؐ کی جانب سے ــــــــــــ بنی زہیر کے نام

بنی زہیر بن اُقیش (جو قبیلۂ عُکل کی شاخ ہے) کے لوگ اگر اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہوں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور مشرکین سے علیحدہ رہیں اور مالِ غنیمت میں سے اللہ اور اس کے رسولؐ کا حصّہ تسلیم کریں تو اللہ اور اُس کے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ ۳۴۔

رسول ؐ کی حفاظت میں محفوظ ہیں [1]

محمد رسول اللہ ؐ

لوگوں نے ابنِ تولب سے پوچھا کہ "اگر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہو تو بیان کرو۔"

انھوں نے کہا "ہاں! میں نے آپ ؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:۔

جو شخص یہ چاہے کہ اس کے دل سے بغض اور کینہ نکل جائے تو اس کو چاہئے کہ رمضان کے روزوں کے علاوہ ہر ماہ میں تین ۳ روزے (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کے رکھا کرے۔

سُہَیل بن عَمرو کے نام

سہیل بن عمرو قریشِ مکہ کے ایک نامور سردار اور شعلہ بیان خطیب تھے، یہ اسلام کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے، ہجرت سے قبل اسلام کے خلاف سخت اشتعال انگیز تقریریں کیا کرتے تھے، اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہمیشہ زہر اُگلتے رہتے تھے صلح حدیبیہ میں قریشِ مکہ کی طرف سے سہیل ہی کو سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انھوں نے اپنی عادت کے مطابق بڑے ردّ و قدح کے بعد اپنی من مانی شرطوں پر صلح کی تھی، فتح مکہ کے بعد جان کے خوف سے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے اور اپنے بیٹے ابوجندلؓ کو (جو بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے) پیام بھیجا کہ "میری جاں بخشی کراؤ،"

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۰ و رسالاتِ نبویہ ص ۱۰۳ بحوالہ زرقانی۔

ابوجندل رضؓ نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی آپؐ نے اُن کی تمام گزشتہ خطاؤں کو معاف فرمادیا، سہیلؓ نے دامنِ رحمت کشادہ پایا تو سچے دل سے آپؐ کی صداقت کا اعتراف کیا، اور عفو و کرم کے اس معجزے کو دیکھ کر سچے دل سے اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور پھر ایسا رنگ بدلا کہ اپنی تمام عمر اسلام کی بہترین خدمات میں گزاری۔

اُسد الغابہ میں ہے کہ سہیل بن عمرو رضؓ سے زیادہ نمازیں پڑھنے والا، روزے رکھنے والا، صدقہ دینے والا اور آخرت کے اعمال میں تن دہی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ کثرتِ عبادت سے سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔ رنگ و روپ بدل گیا تھا۔ جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری ہو جاتا تھا۔[1]

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیلؓ کو لکھ کر آبِ زمزم طلب فرمایا، مکتوبِ گرامی کے الفاظ یہ تھے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرا یہ خط پہنچتے ہی فوراً مجھے آب زمزم بھیج دو۔

محمد رسول اللہ

سہیل رضؓ نے فوراً آبِ زمزم کی دو مشکیں اونٹ پر لدوا کر خدمتِ اقدسؐ میں بھیج دیں۔[2]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ صہ ۳۷۲، تذکرہ سہیل بن عمرو رضؓ، تفصیل کے لئے دیکھئے مکتوباتِ نبوی صہ ۱۲۴، ۱۲۵۔

[2] رسالاتِ نبویہ صہ ۱۵۴۔

عامر بن اسود طائی کے نام

یمن کا قبیلہ طے جو اپنے "مردِ سخی" حاتم طائی کی بدولت ساری دنیا میں مشہور ہے، اس کے ایک سردار عامر بن اسود کے لئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے ———— عامر بن اسود طائی کے نام

عامر اور اُن کے قبیلہ طے کی بستیاں، کنویں اور چشمے انھیں کی ملکیت میں رہیں گے بشرطیکہ یہ نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، اور مشرکین سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھیں۔ بقلم مغیرہؓ [1]

محمد رسول اللہ

حبیب بن عمرو الطائی کے نام

اسی قبیلہ طے کے ایک دوسرے سردار حبیب بن عمرو بارگاہِ اقدسؐ میں حاضر ہوئے اور اپنے علاقے کے لئے سابقہ حقوق کی بحالی کی درخواست کی۔ آپؐ نے تحریر فرمایا :-

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۳ و رسالاتِ نبویہ ص ۱۹۰۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حبیب بن عمرو کی قوم میں سے جو شخص اسلام لائے نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے، اُس کا مال اور اُس کی صحرائی وسکنائی جائیداد اور کنوئیں سب اُسی کی ملکیت میں رہیں گے! ان کی کسی چیز پر قبضہ نہیں کیا جائے گا، اس تحریر پر اللہ اور اس کے رسول ؐ کی ذمہ داری ہے۔[1]

محمد رسول اللہ ؐ

بنی جُوین کے نام

طبقات ابن سعد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی جُوین کے لئے حسب ذیل مکتوب گرامی تحریر فرمایا۔ جس میں بنی جُوین کی سابقہ ملکیت کی بحالی کا یقین دلایا گیا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ ؐ کی طرف سے ——————— بنی جُوین کے لئے

بنی جوین میں سے جو شخص اللہ پر ایمان لائے، نماز پڑھے، زکوٰۃ ادا کرے اور مشرکین سے علیحدہ رہے، اللہ اور اُس کے رسول ؐ کا اطاعت گزار رہے، اللہ اور رسول ؐ کا حصّہ نکالتا رہے اور اسلام پر ثابت قدم رہے، ہر ایسے شخص کے لئے اللہ اور

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۲ و رسالات نبویہ ص ۱۴۰۔

اس کے رسولؐ کی ذمّہ داری ہے۔

بنی جُوین کی زمین، کنویں اور وہ سب چیزیں جن پر قبولِ اسلام کے وقت یہ لوگ جائز طور پر قابض و متصرف تھے، وہ سب انھیں لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی۔ ؎۱

محمد رسول اللہؐ

اسی مضمون کا ایک فرمانِ مقدس اس قبیلے کی دوسری شاخ بنی مُعین کے نام تحریر فرماتے ہوئے اُن کو تاکید کی گئی تھی کہ راستوں کی حفاظت رکھیں ؎۲

قبیلۂ خثعم کے نام

قبیلۂ خثعم کاشت کاری کا پیشہ کرتا تھا، اس قبیلے کو اُس کے گزشتہ جرائم کی معافی کی اطلاع دیتے ہوئے جو فرمانِ مقدس عطا فرمایا گیا اس میں تحریر تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خثعم کے جو لوگ جنگل اور دیہات میں مقیم ہیں انھوں نے زمانۂ جاہلیت میں (قبولِ اسلام سے پہلے) جو خونریزی کی ہے اس کو معاف کیا جاتا ہے۔

ان لوگوں میں سے جو اسلام لائے گا اس کو چشمے سے سیراب ہونے والی پیداوار پر بیسواں حصّہ اور بارانی پیداوار پر

؎۱ طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۲۲۔ ؎۲ ایضاً۔

دسواں حصہ ادا کرنا ہوگا۔[1]

محمد رسول اللہؐ

زملؓ بن عمرو العذری کے نام

زملؓ بن عمرو بارگاہِ اقدسؐ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، آپؐ نے انھیں مندرجہ ذیل فرمان عطا فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں زملؓ بن عمرو کو ان کی قوم کی طرف بھیج رہا ہوں، جو شخص اسلام لائے وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہے۔

اور جو شخص اسلام کا انکار کرے اُس کے لئے بھی ۲ دو مہینے تک امن و حفاظت کی ذمہ داری ہے۔[2]

محمد رسول اللہؐ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۲۴۔ [2] رسالاتِ نبویہ ص ۱۵۱ و ۱۵۲۔

حضرت زُبیرؓ بن عَوّام کے نام

حضرت زبیر بن عوامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ۱۶ سال کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے، دو مرتبہ ہجرت کی، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :-

"ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں، میرے حواری زُبیرؓ ہیں"

یہ اُن جاں نثاروں میں تھے جو کسی غزوے میں غیر حاضر نہ رہے، اسلام کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، ان کا شمار عشرۂ مبشرہ[1] میں ہے، آپؐ نے حضرت زبیرؓ کو شواق جاگیر میں عطا فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو حسبِ ذیل فرمان تحریر کرنے کا حکم دیا :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے ______ زُبیرؓ بن عَوّام کے نام

"میں نے زبیرؓ کو شواق کی ساری زمین عطا کر دی ہے۔ اس میں کوئی اُن سے مزاحمت نہ کرے" [2] بقلم علیؓ۔

محمد رسول اللہ ﷺ

عرب کا اکثر حصہ ریگستانی، پتھریلا اور بنجر ہے۔ آغازِ اسلام میں جو خطّے سرسبز تھے اُن پر بیرونی قومیں (روم و ایران وغیرہ) قابض تھیں۔

---

[1] وہ دس مخصوص صحابۂ کرامؓ جن کو جنّت کی بشارت دے دی گئی تھی۔

[2] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۹۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر صحابہ کرام رضؓ کو اس کی ترغیب دیتے تھے کہ جو شخص اُفتادہ زمین کو آباد کرے گا وہ اُسی کی ملکیت ہو گی۔[1]

آپؐ کے طرزِ عمل سے عرب کی بہت سی بنجر اور اُفتادہ زمینیں آباد اور قابلِ کاشت بن گئیں، یہاں اسی قسم کے فرامینِ مقدس پیش کیے جا رہے ہیں۔

عَوسجہ بن حُرملہ جُہنی کے نام

قبیلہ جُہینہ کے ایک شخص عوسجہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قطعۂ زمین عطا کرتے ہوئے عُقبہ رضؓ سے فرمایا کہ ان کو یہ دستاویز لکھ دی جائے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوسجہ بن حرملہ کو مقام ذی المروہ دے دیا ہے، یہ اسی کی دستاویز ہے، آپؐ نے انھیں بلکثہ سے مصنعہ تک اور جفلات سے حد جبلِ قبلہ تک تمام قطعۂ زمین مرحمت فرما دیا ہے، اس کے متعلق کوئی شخص ان سے مزاحمت نہ کرے۔ اس بارے میں جو شخص ان سے جھگڑا کرے وہ حق پر نہ ہوگا۔[2]

بقلم عقبہ رضؓ

محمد رسول اللہ

---

[1] سیرت النبیؐ جلد ۲ ص ۸۲، ۸۲۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۴۔

بنی جُرمُز کے نام

قبیلہ جہینہ ہی کے بنی جرمز کے لئے تحریر کرایا گیا :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنی جرمز کے لوگوں کو اُن کی بستیوں میں امن و امان حاصل ہوگا۔ یہ لوگ بحالت قبولِ اسلام جو مال و دولت رکھتے تھے وہ سب انھیں کی ملکیت میں رہے گا۔ بقلم مغیرہؓ۔ [1]

محمد رسول اللہ

بنی شمخ کے نام

اسی قبیلہ جہینہ کی شاخ بنی شمخ کو آپؐ نے بنی صُفَینہ کی زمین مرحمت فرماتے ہوئے لکھوایا :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ دستاویز ہے جو محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جُہینہ کے بنی شمخ کو دی ہے، میں نے انھیں صُفَینہ کی وہ زمین دے دی ہے جس پر ان لوگوں نے نشان لگا لیا ہے اور زراعت شروع کر دی ہے، کوئی شخص اِن سے مزاحمت نہ کرے۔ بقلم عقبہؓ۔ [2]

محمد رسول اللہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۴ - [2] ایضاً۔

بنی الحارث کے نام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی الضباب کے قبیلہ بنی الحارث کو ایک قطعۂ زمین عطا کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سار یہ اور اُس کا بلند حصہ بنی الحارث کو دیا گیا ہے بشرطیکہ یہ لوگ نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور مشرکین سے بے تعلق رہیں، اور اللہ و رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہیں۔[1]

محمد رسول اللہؐ

بلال بن حارث المزنی کے نام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث کو مختلف قطعاتِ آراضی دیتے ہوئے حسب ذیل فرمان عطا فرمایا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

النخل اور جزعہ وغیرہ بلال المزنی کو دیے گئے ہیں۔ نیز المضنہ اور غیلہ بھی ان کو دیے جاتے ہیں۔ ان مقامات کی تمام بلند اور نشیبی زمیں

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۲

اِن ہی کی ہوں گی، ان زمینوں میں جو کانیں ہیں اُن کے مالک بھی
یہی ہوں گے بشرطیکہ یہ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔[1]

محمد رسول اللہ ؐ

ان قطعات آراضی میں معدنیات کی کانیں بھی تھیں۔ یہ پہاڑی علاقہ تھا، اس کی وادی اور پہاڑ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث رضؓ کو عنایت فرمائے تھے، بعد میں کسی وقت ان کی اولاد نے ان قطعات کا کچھ حصّہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اتفاق سے اس زمین کی کھدائی میں کان نکل آئی۔ تو ان لوگوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ سے عرض کیا کہ ہم نے زراعت کے لئے زمین بیچی ہے، اس کے معدن کو ہم نے فروخت نہیں کیا۔ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بلال بن حارث رضؓ کی اولاد نے یہ فرمانِ مقدس دکھلایا[2] اس میں زمین اور اس کے معدن اور پہاڑ کی تصریحات درج تھیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ نے فرمانِ مبارک کو دیکھتے ہی آنکھوں سے لگایا اور بلا تامّل معدن کا سب مال ان کے حوالے کر دیا۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ ۲۵ و رسالاتِ نبویہ ۱۰۲،۱۰۱۔ [2] اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک لے کر کوئی شخص عباسی خلیفہ مہدی کے پاس گیا، خلیفہ نے فرمانِ مبارک کو بار بار آنکھوں سے لگایا اور تین ہزار دینار زیارت کرانے والے کو انعام میں دیے۔ (استیعاب لابن عبد البر جلد دوم صہ ۶۶۹)

[3] کتاب الاموال لابن عبید صہ ۳۳۸، ۳۳۹۔

حرام ابنِ عبدِ السّلمی کے نام

بلال بن حارثؓ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلیم کے حرام بن عبد کو دو۲ مقام مرحمت فرماتے ہوئے، یہ فرمان عطا فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرام بن عبد کو اذاما اور شواق کا وہ حصّہ جو اُن کا ہے اس کو بحال رکھا جاتا ہے۔ کوئی شخص اس بارے میں اُن پر ظلم و زیادتی نہ کرے اور نہ ان لوگوں کو کسی دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنے کی اجازت ہوگی۔[۱]

بقلم خالد بن سعیدؓ۔

محمد رسول اللہ

سعید بن سُفیان کے نام

سعید بن سفیان، کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا ایک باغ عطا کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اس امر کی دستاویز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعید بن سفیان الرعلی کو السوارقیہ کا کھجور کا باغ عطا فرمایا ہے، اس بارے

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ ۲۶۔

میں کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔[1] بقلم خالد بن سعیدؓ۔

محمد رسول اللہ

عُتبہ بن فرقد کے نام

عتبہ بن فرقد کی درخواست پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مکان بنانے کے لئے مکہ مکرمہ میں ایک قطعۂ زمین مرحمت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس دستاویز کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن فرقد کو مکہ مکرمہ میں کوہِ مروہ کے قریب مکان کی تعمیر کے لئے زمین عطا فرمادی ہے۔ اس بارے میں کوئی شخص ان سے مزاحمت نہ کرے۔[2]

بقلم معاویہؓ۔

محمد رسول اللہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۴۔ [2] ایضاً۔

مختلف مکتوب الیہم

حدیث وسیرت اور تاریخ کی کتابوں میں تین سو کے قریب مکتوباتِ نبویؐ محفوظ ہیں، ان میں ۱۳۹، ایسے خطوط ہیں جن کا اصل متن بجنسہٖ موجود ہے۔ ۸۶ خطوط ایسے ہیں جن کا صرف مفہوم ذکر کیا گیا ہے۔ مکتوباتِ نبویؐ کے اس مجموعہ میں ۸۷ مکاتیب جمع کردیئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے مکتوباتِ نبویؐ کی تعداد بھی خاصی ہے جو متحد المضمون ہیں، ان کے مضامین قریب قریب یکساں ہیں، اُن میں یا تو :-

الف : جب تک یہ لوگ نماز پڑھتے رہیں، زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، اللہ و رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے رہیں اور مشرکین سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھیں ایسے لوگ اللہ و رسولؐ کی ذمہ داری میں ہیں۔

ب : یا یہ کہ اَسۡلِمُوۡا تَسۡلَمُوۡا، یعنی ایمان لاؤ، سلامت رہو گے۔

ج : تیسری قسم میں وہ دستاویزیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عطیات مرحمت فرمائے ہیں یا اُن کو اُن کی قوم پر حاکم مقرر فرمایا گیا ہے۔ ایسے تمام مکتوباتِ گرامی کو مضمون کے مشترک اور ایک ہی ہونے کے باعث علیحدہ علیحدہ درج نہیں کیا گیا۔

د : علاوہ ازیں فرامینِ مقدس کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے، جن کا روایات میں صرف اسی قدر تذکرہ ملتا ہے کہ بارگاہِ رسالتؐ سے فلاں شخص کے نام فرمان لکھا گیا، مگر فرمان کی عبارت کہیں مرقوم نہیں ہے۔

مذکورہ بالا اقسام کے نامہ ہائے مبارک جن لوگوں کے نام بھیجے گئے ہیں،

ذیل میں ان کے اسمائے گرامی حروفِ تہجّی کی ترتیب کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں:۔

الف

اَبُو شدّاد

ابو راشد ازدی

ابو رہیمہ

ابو نخیلہ

ابو العُکَیر قُشَیری

اَبی الحَارِث

ابی ظُبیَان

احمر بن مُعاویہ

اَرطَاۃ بن کعب نخعی

اَرقَم بن کعب نخعی

اَقرَع بن حَابِس

انس بن عامر

اَنشقع بن شُریح جرمی

ابِل جُرَش

ب

بنی مُعَاوِیَہ

بکر بن وائل

بنی جُھَیل

بنی جَنَاب

بنی جَناب

بنی قِتَان

بنی قُرّہ

بنی اَسَد

بنی جِعفان

بنی مَعن

بلال بن حارث مُزَنی

بنی قشیر

ث

ثُمامَہ بن اُثَال الحنفی

ج

جَبلہ بن ایہم غسّانی

جُفَینَہ بن ہند

جُنادۃ الازدی

جابر بن ظالم طائی

جمیل بن رزام العدوی

جرد بن عمرو العذری

ح

حبیب بن عمرو

حُریث بن حسان شیبانی

حارث بن ابی شمر غسانی
حصین بن اوس سُلمی
حجدم بن فُضالہ جُہنی
حضرمی بن عامر
حارثہ
حصن بن قطن
حُصین بن نضلہ اسدی
حرام بن عوف سُلمی

خ

خُزیمہ بن عاصم عُکلی
خالد بن ہوذہ

ذ

ذی الکلاع الاصغر

ر

راشد سُلمی
رزین بن انس سُلمی
رقاد بن عمرو
ربیعہ بن ذی مرحب حضرمی
ربیع ومطرف وانس
رعیتہ السحیمی
رقاد بن ربیعہ

ز

زمل بن عمرو
زیاد بن جہور نخعی
زُرارہ بن قیس نخعی
زُہیر بن اقرم ضمم قضاعی
زید الخیل طائی
زیاد بن حارث

س

سریع بن حاکم تمیمی
سلمہ بن مالک سُلمی
سُعیر بن عدا
سعید بن سفیان الرعلی
سمعان بن عمرو کلابی
سلمان الفارسی

ش

شعیب بن قرہ
شُریح بن محزم
شداد بن ثمامہ ادسی
شمغ جُہنی

ص

صیفی بن عامر ثعلبی

ض

ضمام بن زید الہمدانی

ضحّاک بن سفیان الضّبابی

ضجیع بن عبداللہ بکائی

ط

طُفیلُ الحارثی

ع

عاصم بن حارث

عمرو بن معبد جُہنی

عُریب عبد کُلال

عمیر ذی مرّان

عُبادہ بن اُخیب عنزی

عمرو بن عبداللہ

عدی بن شراحیل

عبداللہ بن عکم

عوسجہ بن حرملہ جُہنی

عامر بن ہلال

عبّاس بن مرداس سُلمی

عتبہ بن فرقد سلمی

عُقیل بن کعب

عباس بن عبدالمطلب

عامر بن طفیل

عدا بن خالد

عامر بن اسود طائی

عمک ذو خیواں ہمدانی

ق

قُرہ بن عبداللہ ۔ قیس بن عمرو نخعی

قیس بن حصین

قیس بن مالک ارحبی ۔ قیس بن نمط

قیس بن زید

قیلہ بنت مخرمہ

قبیلہ بکر بن وائل

قبیلہ خدس

قتادہ بن اعور تمیمی

قنان بن یزید الحارثی

ک

کیبہ بن ہوذہ

کرب بن ابرہہ

ل

لاجب السّلمی

م

مجّاعہ بن مُرارہ السّلمی

مرج بن خالد
مالک بن نمط
مَعْدِی کرب بن ابرہہ
مالک بن عبید الحسحاس
مُکنَّف عبدرضا خولانی
مُطَّرِف المازِنی
مسعود بن وائل حضرمی
مسلم بن حارث تمیمی
مُجدی بن عمرو
مُصعب بن عمیر
مسعود بن رُحیلہ اشجعی
ماعز بن مالک اسلمی
معاویہ بن جرول
معاویہ بن ثور بکائی

ن

نُعیم بن مسعود اشجعی

و

ولید بن جابر طائی
وقاص، قمامہ و عبداللہ بن قُحافہ

ہ

ہوذہ بن نُبیشہ السُلمی

ی

یزید بن طفیل الحارثی
یزید بن جمل الحارثی
یہود بنی عُریض
یہود بنی غادیہ

رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ

زیارتِ روضۂ اقدس کے تاثرات

۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء میں راقم سطور کو روضۂ اقدس پر حاضر ہونے کی سعادت خدائے بزرگ و برتر نے نصیب فرمائی، روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جذب و کشش کا عجیب عالم ہے۔ کس کے قلم میں یہ طاقت ہے کہ بارگاہِ قدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیات و تجلّیات کو ضبطِ تحریر میں لاسکے اور لفظ و بیان میں کہاں یہ حوصلہ ہے کہ اس حال کے محسوسات و واردات کی ترجمانی کرسکیں، اللہ اکبر! عجب رُوح پرور اور نظر افروز منظر نظر آتا ہے ؎

ہر شئے ہے یہاں، فردوسِ نظر
انوار کی بارش، آٹھ پہر

بے اختیار دل چاہتا ہے کہ بس قربان ہوجایئے اور اسی آستانۂ مبارک کی جاروب کشی میں ساری عمر گزار دیجئے، بارہا کوشش کی کہ یہاں چند لمحات تنہائی کے میسر آجائیں، مگر ہر گز کامیابی نہ ہوسکی۔ ہجوم ہے کہ کسی وقت کم ہونے ہی میں نہیں آتا، اگر کچھ لوگ صلوٰۃ و سلام عرض کرکے ہٹتے ہیں تو اس سے زیادہ ان کی جگہ آجاتے ہیں، یہاں حاضر ہوکر ہر انسان دنیا و مافیہا سے ایسا بے خبر ہوجاتا ہے کہ اسے نہ اپنا ماضی یاد رہتا ہے اور نہ مستقبل کا کوئی تصور اس وقت سامنے ہوتا ہے۔ بس صرف ایک حال ہوتا ہے، سرشاری اور خود فراموشی کی یہ ایسی کیفیت اور سرور ہے جو لفظ و بیان کی گرفت سے ماورا ہے ؎

جلووں کا یہ عالم کہ ٹھہرتی نہیں نظریں
دیکھیں گے یونہی تجھ کو مگر دیکھنے والے

میں نے سوچا کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک ہزاروں، لاکھوں انبیاء و رسل، رہنمایانِ مذاہب اور عظیم انسان اس عالمِ رنگ و بو میں آئے اور چلے گئے، اُن میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے لاکھوں، کروڑوں ماننے والے اور قدر دان اب تک موجود ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے نام اوراقِ تاریخ کے سوا کہیں اور نہیں ملتے ——— ان سب میں صرف ایک ہی ذاتِ اقدس ﷺ ایسی ہے جس کے ذکر و اذکار سے کائنات کا کوئی بھی لمحہ ہرگز خالی نہیں گزرتا۔ یہ محض مبالغہ نہیں بلکہ ایک روشن ترین حقیقت ہے کہ جس کثرت اور پابندی کے ساتھ سرورِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک امتِ مسلمہ کی زبانوں پر ہر وقت جاری رہتا ہے اس کی کوئی مثال روئے زمین پر کہیں نہیں ملتی! شعر کی زبان میں اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے؎

بنے ہیں، مدحتِ سلطانِ دوجہاں کے لئے
سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کے لئے

دن رات کا وہ کون سا لمحہ ایسا ہے جس میں روئے زمین پر کہیں نہ کہیں آپؐ کی ذاتِ اقدس پر درود و سلام نہ بھیجا جاتا ہو، روزانہ پانچ مرتبہ اذان اور نمازیں جو طلوع و غروب کے فرق کے سبب سے دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں ہر وقت پڑھی جاتی ہیں، اُن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ نامی کی منادی ہر وقت ہوتی رہتی ہے ——— کسی مسلمان نے نہیں بلکہ امریکہ کے ایک غیر مسلم محقق رپلے (RIPLEY) نے دنیا بھر میں سنائی دینے والی آوازوں کا سروے (SURVEY) کر کے اپنی مشہور کتاب بلیو اٹ اور ناٹ (BELIEVE IT OR NOT) کی دوسری جلد میں اعداد و شمار کے ذریعے سے بتایا ہے کہ "دنیا میں جو آواز سب سے زیادہ اپنی پوری یکسانیت کے ساتھ سُنائی دیتی ہے وہ ایک ہی آواز ہے، اور وہ ہے اذان

کی آواز جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ملتی !۔

یہ تو اس آواز کے بارے میں رپلے کی تحقیقات کا نتیجہ ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ سُنی جاتی ہے، یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہر اذان میں کم سے کم دو مرتبہ ضرور آپؐ کا اسمِ مبارک پکارا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ "تکبیر" اور "تشہد" میں بھی آپ کا نامِ مبارک لیا جانا لازمی ہے۔

لغت میں محمدؐ کے معنی ہیں بہت زیادہ تعریف کیا گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اس کی صحیح ترین مصداق ہے۔ آپؐ سے بڑھ کر کسی مخلوق کی اتنی تعریف نہیں ہوئی۔ ہر زمانے میں یہ مبارک نام کروڑوں لوگوں کے لئے حرزِ جاں رہا ہے، ہر مسلمان آپؐ کے ذکرِ خیر کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتا ہے۔

سورۃ اَلَمْ نَشْرَحْ کی یہ آیت رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (ہم نے آپؐ کا ذکر بلند کر دیا ہے) آغازِ اسلام میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں سخت ترین مخالفتوں اور مشکلات میں گھرے ہوئے تھے، ہر طرف شدید مخالفتوں کے گھرے بادل چھائے ہوئے تھے، اور اسلام کے پنپنے کی بظاہر کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ یہ اسلام کا وہ ابتدائی زمانہ تھا جب صرف چند ہی نفوس نے آپؐ کی دعوت کو قبول کیا تھا، اس وقت کوئی شخص بھی یہ سوچ نہ سکتا تھا کہ آپؐ کا رفعِ ذکر اس شان سے اور اتنے بڑے پیمانے پر ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جبریلؑ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ میرا اور آپؐ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمہارا رفعِ ذکر کیا ہے؟۔ میں نے کہا ——— اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جبریلؑ نے کہا اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ

آپؐ کا ذکر بھی کیا جائے گا۔" (تفسیر ابن جریر طبری تفسیر سورۃ الم نشرح)

تاریخ کی شہادت ہے کہ قرآنِ کریم کی یہ پیشین گوئی بھی دوسری پیشین گوئیوں کی طرح حرف بحرف پوری ہوئی ہے۔ چنانچہ رفعِ ذکر کا سلسلہ برابر بڑھتا جا رہا ہے اور قیامت تک بڑھتا رہے گا۔ یہ کتنا عظیم اور پائندہ ثبوت ہے آپؐ کے رفعِ ذکر کا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

جس کثرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ طیبہ لکھے گئے ہیں اور لکھے جا رہے ہیں، یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے، انگریز پروفیسر مارگولیتھ کے بقول "محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے، جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے۔" ایک دوسرے یورپی مصنف جان ڈیون پورٹ نے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے: "یہ امر بالکل یقینی ہے کہ دنیا کی تمام مشہور شخصیتوں میں سے کسی کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جس کی زندگی کے حالات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالاتِ زندگی کی طرح پوری دیانت، صحت اور تفصیل کے ساتھ مل سکتے ہوں۔"

(اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن صہ اوّل)

اس لئے پورے جزم و وثوق کے ساتھ بغیر مبالغے کے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ نظامِ شمسی کے ماہ و سال کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں سیرتِ نبویؐ پر کوئی کتاب یا مضمون کسی نہ کسی زبان میں لکھا نہ جا رہا ہو، یا نعت کے ذریعے سے مدح سرائی نہ کی جا رہی ہو، سچ کہا ہے شاعر نے ؎

ہے ان کا سلسلۂ مدح کتنا بے پایاں
کہ آج تک نہ کسی نے اُسے تمام کیا

سیرتِ نبویؐ پر تصانیف و مضامین اور نعت گوئی کا ذخیرہ اتنا زیادہ اور بے شمار و بے حساب ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی کوشش بھی اس کو جمع کرنے اور اکٹھا کرنے

میں آج تک کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ دنیا کی کتنی بے شمار زبانیں ہیں جن میں سیرت مقدسہ پر بے شمار تصانیف و مضامین اور اشعار کے ذخائر موجود ہیں۔ ذاتِ اقدس ؐ کی مدح و توصیف میں بڑے بڑے دانشوروں اور باکمال شاعروں کی گردنیں کس طرح خم ہوتی رہی ہیں، اور کس فدائیت و فنائیت کے ساتھ وہ اپنے آپ کو بارگاہِ قدسیؐ میں پیش کرتے رہے ہیں، اس کا کسی قدر اندازہ مشہور دانش ور عالم مولانا عبدالرحمٰن، جامی کے اس شعر سے ہو سکتا ہے ؎

بصدق و صفا گشت بے چارہ جامی

غلامِ غلامانِ آلِ محمدؐ

ایک دوسرے شاعر کا جذبۂ عقیدت اور اندازِ بیان دیکھئے ؎

نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم

زاں کہ نسبت بسگِ کوئے تو شُد بے ادبی

بر درِ فیض تو استادہ بصد عجز و نیاز

رومی و طوسی و ہندی، حلبی و عربی

قُدسی کے ان اشعار کا یہ مطلب ہے کہ مجھے آپؐ کے کتّے سے بھی نسبت کرتے ہوئے شرم آتی ہے، کیونکہ آپؐ کے کوچے کے کتّے سے اپنے آپؐ کو منسوب کرنے کی جسارت کرنا بھی گستاخی ہے۔

آپؐ کا آستانۂ گہربار تو وہ آستانۂ قدس ؐ ہے جس میں روم و شام، طوس و عرب اور ہندوستان کے تاجدارانِ سخن عجز و نیاز کے ساتھ دست بستہ حاضر ہیں۔

ذاتِ اقدس ؐ کی عظمت و جلالت کا یہ ادب و احترام اور فدائیت و فنائیت کا یہ اعتراف اس ذاتِ گرامی کے سوا اور کس کے لئے مل سکتا ہے؟۔ یہ عشق و محبت اور یہ والہانہ عقیدت کسی اور انسان کے لئے پائی گئی ہے؟۔

پھر کیا یہ اس کی علامت نہیں ہے جس کی بشارت رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نے اپنے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے) کہہ کر دی تھی ؟۔ جب بھی کسی مسلمان کی زبان پر آپ کا نام مبارک آتا ہے تو درود سلام کے لئے صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ضرور ہوتا ہے، اور سننے والا بھی جب سنتا ہے تو وہ بھی بدل وجان صلی اللہ علیہ وسلم کا اعادہ کرنا اپنے لئے لازمی سمجھتا ہے۔

غرض کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے سلسلے میں اگر صرف اسی ایک پہلو کو لیا جائے تو اس کی نظیر بھی دنیا کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت میں نہ اب تک مل سکی ہے، نہ ملتی ہے اور نہ آئندہ ملنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ   کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ   صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

مسلمانوں کی موجودہ تعداد

دنیا کے ۱۵۰ ملکوں میں مسلم ممالک کی تعداد ۴۱ ہے یعنی ایک چوتھائی سے زیادہ، اس وقت مسلمانوں کی تعداد ۷۰، ۷۵ کروڑ (۷۰۰، ۷۵۰ ملین) کے درمیان ہے۔ یہ تعداد دنیا کی تین ارب اَسّی کروڑ کی کُل آبادی کا ۲۱ فیصد ہے۔ گویا دنیا میں ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے۔ مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کی تعداد پچاس۵۰ کروڑ تیس ۳۰ لاکھ

(۵۰۳ ملین) ہے۔ ان ملکوں میں ان کا اوسطِ آبادی ۹۰۷ فیصد ہے۔ چوبیس کروڑ ستر لاکھ (۲۴۷ ملین) مسلمان غیر مسلم ملکوں میں آباد ہیں، وہ ملک جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہ اقوام متحدہ کے ممبر ہیں، اُن کی تعداد ۴۱ ہے۔ آج اسلامی ملک بین الاقوامی سیاست میں اپنا اہم مقام رکھتے ہیں۔

مسلمان بلحاظ تعداد دُنیا کی دوسری سب سے بڑی قوم ہے۔ یہ دنیا کے چھوٹے حصے پر چھائے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد میں ماضی کی طرح آج بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ برّاعظم افریقہ میں اسلام تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے، ہزاروں کی تعداد میں قبیلے کے قبیلے ہر ماہ مشرف باسلام ہوتے رہتے ہیں۔

اسلامی ملکوں کے پاس معدنی، آبی، برقی اور افرادی قوت کے بہترین خزانے موجود ہیں۔ اشیائے خوردنی، روئی، اون، جوٹ، ربڑ، ٹین، سونا، چاندی، لوہا، المونیم، تانبا، باکسائٹ، جست، ابرق، اور گندھک کے علاوہ تیل کے وافر ذخیرے پائے جاتے ہیں، اور یہ ملک بے پناہ مادّی دولت سے مالامال ہیں۔

دنیائے اسلام کے مسلمان متحد ہو کر اگر خدا کے بھروسے پر کمربستہ ہو جائیں، تو انشاء اللہ تعالےٰ اپنے ماضی کی طرح خالقِ کائنات کے انعامات اور بخششوں کے آج بھی مستحق ہو سکتے ہیں اور اپنے عہدِ رفتہ کی طرح دنیا میں قیادت و امامت کا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ پچھلے چند سالوں سے مسلمانوں میں بیداری کا احساس پیدا ہو رہا ہے ، اور امتِ مسلمہ نشاۃ ثانیہ کی سمت میں تیزی کے ساتھ گامزن نظر آ رہی ہے، شاعرِ مشرق نے کہا ہے ؎

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

حکومت کویت کے ماہنامہ "العربی" نے جنوری ۱۹۶۸ء کی اشاعت میں

مسلمانوں کی موجودہ تعداد کے نہایت تفصیلی اعداد و شمار شائع کئے ہیں، اردو زبان میں تفصیل کے لئے روزنامہ "دعوت" دہلی کی ۷، اکتوبر ۱۹۶۳ء اور ۲۸، اپریل ۱۹۷۰ء کی اشاعتوں سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔

مآخذ و مصادر

جن کتابوں سے مکتوباتِ نبوی ماخوذ ہیں

۱۔ قرآن مجید، ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور۔

۲۔ ابوداؤد، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی۔ مطبوعہ کانپور۔

۳۔ اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن۔ جان ڈیون پورٹ مطبوعہ لندن ۱۸۶۸ء۔

۴۔ اٹلس آف اسلامک ہسٹری، مصنفہ ایچ ڈبلیو، ایچ پرنسٹن یونیورسٹی پریس ۱۹۵۲ء۔

۵۔ استیعاب، حافظ ابن عبدالبر۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد۔

۶۔ اسد الغابہ، علامہ ابن اثیر جزری۔ مطبوعہ مصر۔

۷۔ اسلام کا حصہ ہندوستانی تہذیب میں۔ خطبۂ صدارت مسٹر این سی مہتا مطبوعہ ایجوکیشنل کانفرنس، مظفر نگر۔

۸۔ اورنگ زیب (انگریزی) لین پول۔

۹۔ البدایۃ والنہایہ۔ حافظ ابن کثیرؒ۔ مطبوعہ مصر۔

۱۰۔ بلادِ فلسطین و شام، جی بی، اسٹرینج، مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، دکن۔

۱۱۔ البلاغ، کراچی۔ (ماہنامہ)

۱۲۔ بلاغ مبین، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مطبوعہ خواجہ پریس دہلی۔

۱۳۔ بلیو آرٹ اور ناٹ، ریلے۔ مطبوعہ امریکہ۔

۱۴۔ تاریخ ابن عساکر، حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر۔ مطبوعہ مطبع روضۃ الشام۔

۱۵۔ تاریخ کبیر، امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری، مطبوعہ۔ دائرۃ المعارف، عثمانیہ، حیدرآباد۔

۱۶۔ تاریخ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر طبری۔ مطبوعہ مصر۔

۱۷۔ تاریخ الکامل، علامہ ابن اثیر جزری۔ 〃 〃

۱۸۔ تاریخ یورپ، جوزف۔ مطبوعہ یورپ ۱۹۲۳ء۔

۱۹۔ تواریخ مسیحی کلیسیا، پادری ڈبلیو۔ پی۔ ہیرس، مطبوعہ کرسچن نالج۔ سوسائٹی، لاہور۔ ۱۹۲۵ء۔

۲۰۔ جزیرہ اور اسلام۔ سید محبوب رضوی، مطبوعہ اخبار مدینہ و "دارالعلوم" دیوبند۔

۲۱۔ الجمعیۃ (روزنامہ) دہلی۔ مطبوعہ ۱۹۵۵ء۔

۲۲۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مطبوعہ مصر۔

۲۳۔ حدیث دفاع۔ میجر جنرل اکبر خاں۔ مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔

۲۴۔ حسن المحاضرہ۔ حافظ جلال الدین سیوطی، مطبوعہ مصر۔

۲۵۔ الحیات (روزنامہ) بیروت ۱۹۶۳ء۔

۲۶۔ الخصائص الکبریٰ، حافظ جلال الدین السیوطیؒ، مطبوعہ دائرۃ المعارف، عثمانیہ، حیدرآباد، دکن ۱۳۲۰ھ۔

۲۷۔ دارقطنی، حافظ علی بن عمر الدارقطنی۔ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی۔

۲۸۔ درِ مختار، محمد علاء الدین الحصکفی، مطبوعہ مصر

۲۹۔ دلائل النبوۃ، حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد

۳۰۔ دعوتِ اسلام ترجمہ پریچنگ آف اسلام، ٹی، ڈبلیو آرنلڈ۔

۳۱۔ دعوت دہلی (روزنامہ) ۱۹۷۴ء۔

۳۲۔ رحمۃ للعالمین ؐ۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مطبوعہ مکتبہ رحمت دیوبند۔

۳۳۔ رسالاتِ نبویہ ؐ۔ عبدالمنعم خاں، دی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۳۳۶ھ۔

۳۴۔ رسولِ اکرم ؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ دار الاشاعت لاہور۔

۳۵۔ روض الانف۔ ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی۔ مطبوعہ جمالیہ مصر۔

۳۶۔ زاد المعاد۔ علامہ ابن قیم ؒ۔ مطبوعہ مصر۔

۳۷۔ سنن نسائی۔ ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی۔

۳۸۔ سوانح ابوذر غفاری ؓ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی۔ مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند۔

۳۹۔ سیرت ابن ہشام۔ ابو محمد عبدالملک بن ہشام۔ مطبوعہ مصر۔

۴۰۔ سیرت حلبیہ۔ علامہ علی بن برہان الدین الحلبی۔ مطبع ازہریہ، مصر۔

۴۱۔ سیرتِ عمر ؓ۔ جمال الدین ابن جوزی، مطبوعہ مصر۔

۴۲۔ سیرت النبی ؐ۔ علامہ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی۔
مطبوعہ دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

۴۳۔ شیریں خسرو۔ مولانا نظامی گنجوی، مطبع عالی شان ممبئی ۱۲۶۶ھ۔

۴۴۔ صحیح بخاری۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری۔ مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔

۴۵۔ صحیح مسلم۔ امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری۔ مطبوعہ اصح المطابع، دہلی۔

۴۶۔ طبقات ابن سعد، محمد بن سعد کاتب الواقدی۔ مطبوعہ لائیڈن ۱۳۳۳ھ۔

۴۷۔ العربی، کویت (مجلہ) مطبوعہ کویت ۱۹۶۸ء۔

۴۸۔ ظفر جلیل، ترجمہ حصن حصین۔ نواب قطب الدین خاں دہلوی،
مطبوعہ مطبع صدیقی، لاہور ۱۳۱۰ھ۔
۴۹۔ عہدِ نبوی ؐ کے میدانِ جنگ۔ ڈاکٹر حمید اللہ، مکتبہ پاکستان، لاہور ۱۹۴۵ء۔
۵۰۔ الفاروق۔ علامہ شبلی نعمانی۔ رنگین پریس دہلی ۱۹۲۵ء۔
۵۱۔ عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی۔ ڈاکٹر حمید اللہ، دارالاشاعت، لاہور۔
۵۲۔ الفائق۔ علامہ جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری، مطبوعہ السعادت مصر۔
۵۳۔ فتوح البلدان۔ احمد بن یحییٰ البلاذری۔ مطبوعہ مصر۔
۵۴۔ قسطلانی شرح بخاری۔ علامہ احمد بن محمد القسطلانی۔ مطبوعہ استنبول۔
۵۵۔ کتاب الامکنہ والازمنہ۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد۔
۵۶۔ کتاب الاموال، لابن عُبید۔ مطبوعہ مصر۔
۵۷۔ کتاب الخراج۔ قاضی ابویوسفؒ۔ مطبوعہ مصر۔
۵۸۔ کتابِ مقدس (توراۃ) مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی، لاہور ۶۵۶
۵۹۔ کنز العمال، علاء الدین علی المتقی، برہانپوری، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔
۶۰۔ اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ، حافظ جلال الدین السیوطی، مطبوعہ مصر۔
۶۱۔ مسندِ امام احمد بن حنبل۔ امام احمد بن حنبلؒ۔ مطبوعہ مصر۔
۶۲۔ المغرب۔ ابوالفتح ناصر الخوارزمی، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد، دکن۔
۶۳۔ معجم البلدان۔ یاقوت حموی۔ مطبوعہ مصر۔
۶۴۔ مفردات۔ امام راغب اصفہانیؒ۔
۶۵۔ مواہبِ لدنیہ، شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانی۔
مطبوعہ مصر۔
۶۶۔ الوثائق السیاسیہ۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ مطبوعہ قاہرہ۔ مصر ۱۹۴۱ء
۶۷۔ ہسٹری آف دی ڈکلائن اینڈ فال، آف دی رومن امپائر۔ ایڈورڈ گبن۔
۶۸۔ ہفت قلزم، ابوالمظفر غازی الدین حیدر، مطبوعہ دارالسلطنت، لکھنؤ ۱۸۲۱ء